سوانح

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

۲۵/ دسمبر ۱۹۲۵ء - ۱۶/ فروری ۱۹۸۲ء

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے
حالات زندگی، سوانحی نقوش اور دینی و علمی آثار کا مرقع

سید محمود حسن حسنی ندوی

ناشر
سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ - جنوری ۲۰۱۹ء

سید احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب	:	سوانح حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ
مصنف	:	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
صفحات	:	۵۳۶
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
قیمت	:	Rs. 350

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب، ندوہ روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

عرض ناشر ۱۵
مقدمہ ۱۸
تقریظ ۲۳
پیش لفظ ۲۸
کلمات تشکر ۳۶

پہلا باب
خاندان کی ہندوستان آمد
متعدد ادوار میں اس کی شخصیات اور پدری و مادری اجداد

حسینیوں کا دور ابتلاء اور ان کی ہجرت ۳۸
شیخ الاسلام امیر کبیر سید قطب الدین محمد المدنی کی ہندوستان ۴۰
شیخ الاسلام قطب الدین محمد المدنی کی اولاد ۴۲
حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ ۴۳
سید شاہ آیت اللہؒ ۴۷
مولانا سید محمد صابرؒ ۵۰
مولانا سید محمد واضح محدثؒ ۵۱
مولانا سید غلام جیلانیؒ ۵۴

مولانا سید سعید الدین اور مولانا سید محمد ظاہر حسنی ۵۵
مولانا سید رشید الدین و مولانا سید شاہ ضیاء النبی حسنی ۵۷
اہلیہ حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ ۶۰
مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی ۶۱
جد مادری مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی ۶۳
نانی مخدومہ خیر النساء بہتر ۶۵

دوسرا باب
شخصیت کے تشکیلی عناصر

ولادت ونشونما ۶۹
والد ماجد سید رشید احمد حسنیؒ ۷۰
والدہ ماجدہ ۷۳
قطعہ تاریخ رحلت (ہمشیرہ مرحومہ مخدومنا حضرت مولانا علی میاںؒ) ۷۵
خال اکبر و مربی ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کی فکر و توجہ اور سرپرستی ۸۰
نانی محترمہ سیدہ خیر النسا بہتر مرحومہ..... .... ۸۳
حضرت مفتی سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین سے ملاقات اور..... .... ۹۰
مغربی نظام تعلیم کے اثرات، دینی تعلیم سے عمومی بے توجہی کا ماحول..... .... ۹۴

تیسرا باب

لکھنؤ، لاہور اور سہارنپور کی درسگاہوں سے استفادہ اور تعلیم و ثقافت

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ اور قیام، عربی زبان و ادب..... .... ۱۰۱
عربی زبان و ادب اور اس کے متعلقات کی تعلیم ۱۰۳

خالص دینی وایمانی ماحول میں تربیت اور نشو ونما ۱۰۴
علوم آلیہ، صرف ونحو ۱۰۶
علم فلکیات ونجوم میں استفادہ ۱۰۷
مولانا سید طلحہ حسنی کی شفقت وعنایت ۱۰۸
دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ۱۱۰
درجہ ششم عربی میں حاضری اور لاہور کا سفر ۱۱۸
بھائی سید محمود حسن حسنی کا سانحہ انتقال (۱۹۴۲ء) ۱۱۹
درجہ ہفتم کا درس ۱۲۰
درجہ ہشتم ۱۲۱
درجہ نہم ۱۲۲
۱۹۴۳ء کی اسٹرائک ۱۲۳
زمانہ طالب علمی میں صفائی قلب، تزکیہ نفس کی فکر اور اس پر عمل ۱۲۷
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت بابرکت میں ۱۳۰
مظاہر علوم کا زمانہ تعلیم، اساتذہ اور رفقاء ۱۳۱
قابل رشک ولائق فخر مظاہری رفیق وصدیق ۱۳۵
حدیث کی سند اور نتیجہ امتحان مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۳۶
دارالعلوم ندوۃ العلما کے رفقاء درس ۱۳۶
حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی سے علمی وادبی استفادہ ۱۳۹
مولانا سید ابوالخیر برق حسنی سے حدیث شریف اور زبان وادب میں استفادہ ۱۳۹
علمائے عرب سے استفادہ ۱۴۰
اساتذہ کی شفقت وتوجہ ۱۴۰

چوتھا باب

افرادخاندان، ازدواجی زندگی، اولاد کی تربیت اور صلہ رحمی

مولانا سید محمد رابع حسنی، مولانا سید محمد واضح حسنی.... .... ۱۴۲
عقد مسنون ۱۴۵
اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی ۱۴۸
اولاد کی تعلیم وتربیت اور افراد خاندان کا خیال ۱۵۲
ایک منظوم منقبت نامہ (دین کے ہلال سید بلال) ۱۵۶
افراد خاندان کے ساتھ حسن سلوک اور مزاجی خصوصیات ۱۵۸
صاحبزادی سیدہ امامہ حسنی مرحومہ ۱۶۵
صاحبزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی دام ظلہ ۱۶۷
احفادواسباط ۱۶۸
اولاد کے لیے منظوم نصیحتیں ۱۷۰
راحت جان ودل میری نور نظر ۱۷۰
یارب دل حمزہ کوایمان ویقیں سے بھر ۱۷۲

پانچواں باب

مشائخ عصر اور مصلح ومجدد شخصیات کی شفقت وتوجہ، بیعت و سلوک اور ربانیت صادقہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت بابرکت میں ۱۷۵
حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ساتھ ایک مبارک سفر ۱۷۷
حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (م ۱۹۵۷ء) سے تعلق وعقیدت ۱۸۵

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری (۱۹۶۲ء) ۱۸۷
حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۹۶۲ء) ۱۸۹
امام اہل سنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی (م ۱۹۶۲ء) سے تعلق ۱۹۱
حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی (م ۱۹۷۰ء) کی خدمت میں ۱۹۴
مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوری (م ۱۹۶۷ء) سے نیاز ۱۹۵
حضرت صوفی سید عبدالرب اناویؒ (م ۱۹۷۵ء) ۱۹۷
حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھی (م ۱۹۹۱ء) کی خدمت میں ۱۹۸
رویائے صادقہ ۱۹۸
بیعت وارادت ۲۰۴
اوراد و وظائف اذکار واشغال ۲۰۵
اجازت وخلافت ۲۰۹
ایک مبارک تحفہ ۲۱۰
شیخ کی ہدایات اور مجلس ذکر کا آغاز ۲۱۱
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سرپرستی ۲۱۴
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے تعلق ومحبت اور فدائیانہ ربط ۲۱۶
حضرت شیخ کی اجازت سے پہلے اجازت ۲۲۰
عارف باللہ مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کا تعلق ۲۲۱

چھٹا باب

حج اور عمرے کے اسفار اور سفر نامہ حجاز

مشاہدات وتاثرات ۲۲۲
پہلا سفر حجاز اور حج بیت اللہ کی سعادت ۲۲۳
دوسرا اور آخری سفر حج ۲۳۲
تیسرا اور آخری سفر حجاز اور عمرہ کی سعادت ۲۳۵

ساتواں باب

ماہنامہ ''رضوان'' کی ادارت

خواتین کے لیے دینی رسالہ کی ضرورت، ماہنامہ رضوان کا آغاز اور.... .... ۲۴۱

خواتین کا قلمی اشتراک وتعاون ۲۴۴

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا تاثر اور پیغام ۲۴۷

مسلمان نسل کی خدمت کا ایک مؤثر ذریعہ ۲۵۰

اسلامی تعلیمات کا چراغ ہدایت ۲۵۲

اہم اور بڑا مقصد ۲۵۴

رضوان مولانا کی وفات کے بعد ۲۵۴

رضوان کا اولین اداریہ ''اپنی بہنوں سے'' ۲۵۵

''رضوان'' کا آخری اداریہ ''صحابیات کی دینی خدمات'' ۲۵۹

رضوان کے نمبرات اور خصوصی اشاعتیں ۲۶۵

آٹھواں باب

دعوت وتبلیغ

تبلیغی جماعت سے وابستگی اور اس کے ذمہ داروں کی طرف سے.... .... ۲۶۸

مرکز نظام الدین دہلی میں قیام اور مولانا محمد یوسف کاندھلوی.... .... ۲۷۰

دنیا میں اسلام کے فروغ کا جذبہ ۲۷۶

مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کا مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو... .... ۲۷۸

دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام کی اشاعت کی فکر ۲۸۰

دعوت وتبلیغ کے کام میں عمومی محنت اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی... ...... ۲۸۲

مکتبہ اسلام اور رسالۂ رضوان ۲۸۸

داعیانہ مزاج اور اعلیٰ اخلاقی کردار ۲۹۳

نواں باب

سوانحی ادب اور تذکرہ نگاری میں نمایاں مقام اور متنوع تصنیفی ذوق

تاریخی وادبی ذوق ۲۹۴
تاریخی وسوانحی کتابوں کا ایک جائزہ اور ایک حسرت ۲۹۶
مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ ایک باکمال مصنف (مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری) ... ۲۹۹

دسواں باب

شعروسخن اور اصناف شاعری

میزاب رحمت ۳۱۹
شاعری کا آغاز ۳۲۱
شاعری کا امتیاز اور خصوصیت ۳۲۲
شاعری کا سرچشمہ ۳۲۳
شاعری میں قرآن کریم سے استفادہ ۳۲۸
اصناف وموضوعات ۳۳۱
دینی تاثر ۳۳۸
کچھ دوسرے نمونے ۳۴۳
صبا کا ہیر آئل ۳۴۳
نعتیہ شاعری ۳۴۵
ترانے ۳۵۱
شاہنامہ ۳۵۴

گیارہواں باب
دینی تعلیمی سرگرمیاں

دینی تعلیمی تحریک میں حصہ اور کردار ۳۵۵
انجمن تعلیمات دین ۳۵۶
رائے بریلی میں دینی مدرسہ کی قیام کی ضرورت ۳۵۷
مدرسہ فلاح المسلمین ۳۵۹
ایک فلاحی استاذ کا تاثر ۳۶۴
کتب خانہ ۳۶۷
مدرسہ کا ترانہ ۳۶۸
ایک عہد اور وصیت ۳۶۹
مدرسہ کی آخری زیارت ۳۷۰
مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی ۳۷۳

بارہواں باب
حلیہ، اوصاف وخصوصیات اور امتیازات

حلیہ ۳۸۳
شفقت ومحبت اور نرم مزاجی ۳۸۳
ثبات واستقامت اور نفس مطمئنہ ۳۸۴
رفقاء کے ساتھ ہمدردی ۳۸۵
عفوودرگذر ۳۸۶
جلالت شان اور اخفائے حال ۳۸۶

پاکیزہ مذاق اورادبی واصلاحی مقام ۳۸۷

خاندانی وموروثی امتیاز وخصوصیت ۳۸۸

اعلیٰ انسانی صفات ۳۸۹

دینی حمیت ۳۹۰

حلم وتواضع اورسنت کی اعلیٰ اتباع ۳۹۱

اعتدال اورمیانہ روی ۳۹۳

روحانیت میں بلند مقام ۳۹۴

تیرھواں باب

زندگی کے آخری ایام، عمرہ کاایک سفر دعوتی وتعلیمی سرگرمیاں، علالت اوروفات

مفتی اعظم سعودی عرب علامہ ابن باز، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور جہاد افغانستان کے قائدین کے ساتھ ایک اہم مجلس ۳۹۷

لکھنؤ میں بین الاقوامی ادبیات اسلامی کانفرنس میں شرکت، رائے بریلی کے مدرسوں ضیاء العلوم اورفلاح المسلمین کے دومقامی پروگرام ۴۰۲

عیادت وتعزیت، صلہ رحمی اوراہل اللہ کی خدمت ۴۰۴

عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی کی خدمت میں حاضری ۴۰۷

مرض الوفات ۴۰۹

لکھنؤ کا سفراورعلاج کی تدابیر ۴۰۹

مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے مشاہدات اوران کی ڈائری کے چنداوراق ... ۴۱۱

یادگار تعزیتی مکتوب ۴۲۴

مکتوب حرم مکہ معظمہ ۴۳۰

مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی ۴۳۱
مکتوب حضرت مولانا شاہ سید منت اللہ رحمانی ۴۳۲
مکتوب گرامی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی ۴۳۳
چند دیگر تعزیتی مکتوبات ۴۳۴
مکتوب مولانا محمد خالد صدیقی ندوی (غازی پوری) ۴۳۴
رشید کوثر فاروقی مرحوم ۴۳۶
خواجہ احمد فاروقی ۴۳۸
جناب نصار رفیع صاحب (جدہ سعودی عرب) ۴۴۰
محمد نور الدین ۴۴۱
اداریہ تعمیر حیات ۴۴۴
ایک عمومی تاثر ۴۴۶
منظوم تاثرات ۴۴۸
حضرت ثانی حسنی ۴۴۸
دل کو نہ سکوں ہے نہ قرار ۴۵۰
ہائے داغ فراق (۱۴۰۲ھ) ۴۵۱
قطعہ تاریخ وفات ۴۵۲
نذر ثانی ۴۵۳

چودھواں باب

چند علمائے کبار اور معاصرین کی نظر میں

مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ (حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی) ۴۵۴
مخلص رفیق، مشفق رہنما (حضرت مولانا سید صدیق احمد باندوی) ۴۶۰
دوست جو رخصت ہوا (مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب مظاہری) ۴۶۳

مولانا محمد ثانی حسنیؒ-نقوش اور تاثرات (مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ)..... ۴۷۲
مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ چند باتیں چند یادیں (ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ)..۴۸۰
تصنیفات، رسائل مقالات ومضامین ایک مختصر تعارف.......................... ۴۸۴

ضمیمہ کتاب

مولانا محمد ثانی حسنیؒ-اصلاح وتربیت سے اجازت وخلافت تک

خاندان اور ماحول کے اثرات.................................. ۴۹۴
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں.............. ۴۹۵
وادیٔ معرفت میں بڑھتے قدم.................................. ۴۹۶
اجمال کی تفصیل.................................. ۴۹۷
ایک خصوصیت وانفرادیت.................................. ۴۹۸
طرز اصلاح کا اعادہ ومشاہدہ.................................. ۴۹۹
مسترشد اور مرشد کے مابین روابط وتعلقات کے مصادر ومراجع.............. ۵۰۲
حضرت شیخ کا تاریخی روزنامچہ.................................. ۵۰۲
منقبت شیخ.................................. ۵۰۳
مکتوبات.................................. ۵۰۳
مکتوب اول بنام حضرت شیخ.................................. ۵۰۵
مکتوب مولانا ثانی (۲).................................. ۵۰۸
مکتوب گرامی حضرت شیخ (۱).................................. ۵۰۹
مکتوب مولانا ثانی (۳).................................. ۵۱۰
مکتوب حضرت شیخ (۲).................................. ۵۱۱
مکتوب مولانا ثانی (۴).................................. ۵۱۲

مکتوب مولانا ثانی (۵) ۵۱۳
مکتوب گرامی حضرت شیخ (۳) ۵۱۴
مکتوب ثانی (٦) ۵۱۵
مکتوب گرامی حضرت شیخ (۴) ۵۱۸
مکتوب مولانا ثانی (۷) ۵۲۰
جواب حضرت شیخ (۵) ۵۲۴
مکتوب مولانا ثانی (۸) ۵۲۵
جواب حضرت شیخ (٦) ۵۲۷
مکتوب مولانا ثانی (۹) ۵۲۸
جواب حضرت شیخ (۷) ۵۲۹
مکتوب مولانا ثانی (۱۰) ۵۳۰
مکتوب گرامی حضرت شیخ (۸) ۵۳۱
مکتوب مولانا ثانی (۱۱) ۵۳۲
مکتوب گرامی حضرت شیخ (۹) ۵۳۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

عم مخدوم و معظم حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو پینتیس سال کا عرصہ گذر رہا ہے، جس شخصیت نے متعدد نامور علماء و مشائخ کے سوانح حیات قلمبند کیے، یہ ایک فرض تھا کہ خود اس کی مفصل سوانح پیش کی جاتی، جو صرف ایک کامیاب سوانح نگار اور بلند پایہ مصنف ہی نہیں، بلکہ دردِ دل رکھنے والے ایک داعی اور خادم دین و شریعت بھی تھے، جن کی عملی کوششوں سے نہ جانے کتنے دلوں کی دنیا آباد ہوئی، اور کتنے ٹوٹے ہوئے دلوں کو سہارا ملا جو ایک شاعر و ادیب، واعظ و خطیب، مصلح اور شیخ وقت تھے، ان کی شخصیت نے جس طرح متنوع جہات کو اپنے اندر جمع کر لیا تھا وہ ایک نادر بات ہے، وہ ایک طرف ادیب و شاعر تھے تو دوسری طرف انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے، ایک طرف وہ خطیب و مصلح تھے، تو دوسری طرف انتہائی خدمت گذار اور والدین کے اطاعت شعار تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے محبوب خلیفہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے متوقع جانشین تھے، حضرت مولانا یوسف کاندھلویؒ کے صرف سوانح نگار ہی نہیں، سال بھر سفر و حضر میں ساتھ رہا، سوانح نگاری کا ذوق شاید ان کے نانا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی اور ان کے والد مولانا سید

فخر الدین خیالی سے ملا تھا، سوانح یوسفی دیکھنے کے بعد حضرت شیخ نے ان سے فرمایا تھا کہ پیارے تم ہی ہماری سوانح بھی لکھوگے، حضرت مولانا نے بھی یہ بات لکھی ہے کہ ہماری سوانح لکھنے کا سب سے زیادہ حق مولوی محمد ثانی کو تھا، مگر مولانا کی عمر نے وفا نہ کی اور ان دونوں حضرات کی زندگی میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مولانا کا دل انتہائی نرم تھا، کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو رنجیدہ ہو جاتے اور اس کی تکلیف دور کرنے کی فکر میں لگ جاتے، ان کی محبت وشفقت ہر خاص وعام کے لیے تھی، معمولی کسانوں کے ساتھ ان کا رویہ بڑا ہمدردانہ ہوتا، ہر ایک کی ضرورت پوری کرتے، خدمت کے معمولی کاموں سے بھی کوئی عار نہ تھا، رائے بریلی شہر اور اطراف میں مولانا کی اصلاحی ودعوتی کوششوں کے اثرات آج بھی محسوس کیے جاتے ہیں، اور مولانا کی محبت وشفقت اور اپنائیت کا تذکرہ آج بھی پرانے لوگ بڑی محبت سے کرتے ہیں، مولانا ہی کی کوششوں سے شہر میں تبلیغی کام شروع ہوا اور دینی فضا پیدا ہوئی، ہر مکتب فکر کے لوگوں کو مولانا نے قریب کیا، اور اس کے بڑے اچھے نتائج سامنے آئے۔

بڑی ضرورت تھی کہ ایسی ہمہ جہت شخصیت کے حالات سامنے آئیں تاکہ علماء بھی اس سے فائدہ اٹھائیں اور عام لوگوں کو بھی فائدہ پہنچے، اس گنہگار کے لیے وہ شفیق باپ کی طرح تھے، والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا تعلق مثالی تھا، ان کی وفات کے بعد انہوں نے جو محبت وشفقت دی وہ باپ کی محبت وشفقت سے کم نہ تھی، والد صاحب مرحوم کی انہوں نے سوانح بھی لکھی جو عرصہ دراز کے بعد مولانا کے نواسے خواہر زادہ عزیز القدر مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ اللہ کی تحقیق وترتیب کے ساتھ شائع ہوئی، انتہائی مسرت کی بات یہ ہے کہ اب مولانا کی مفصل سوانح لکھنے کی سعادت بھی عزیز موصوف کو حاصل ہوئی، ان کو سوانح نگاری کا یہ ذوق اپنے نانا سے ملا اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت نے اس میں چار چاند لگا دیے،

اب وہ جانشین مفکر اسلام عم مخدوم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور عم محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی (برادران صاحب سوانح) کی سرپرستی میں اپنی زندگی کا دینی ودعوتی اور علمی سفر کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

اس گنہگار کے لیے انتہائی مسرت کی بات ہے کہ اپنے محسن، انتہائی محبت فرمانے والے چچا کی سوانح شائع کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ آمین

۲۷/ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ
۸/ستمبر ۲۰۱۸ء

بلال عبدالحی حسنی ندوی
دارعرفات، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
(صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله، و الصلاة و السلام علىٰ خاتم أنبيائه محمد و علىٰ آله و صحبه أجمعين، أما بعد:

تکیہ کلاں رائے بریلی میں مقیم خاندانِ حسنی اس بستی میں اس کے بسنے کے وقت سے برابر للّٰہیت اور صلاح وتقویٰ کے حامل اشخاص ابھرتے اور خدمتِ دین وملت کا حسبِ استطاعت فریضہ انجام دیتے رہے۔ امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی صدی کی مجددیت کا مقام حاصل کیا اور سنتِ نبوی کے دعوتی وعملی پہلوؤں کی نیابت کی کہ پہلے دعوت واصلاح کا کام اپنے مسلم معاشرے میں کیا، پھر ربانیت اور للّٰہیت کے پیدا کرنے کے طریقے اور تزکیہ وتربیت کا فریضہ انجام دیا۔ پھر حج کے متروک فریضے کے احیاء کا کام کیا، اور جب ان کی جماعت میں ربانیت کے حامل افراد اس تعداد میں ہوگیے کہ فریضۂ جہاد کی سنت کے مطابق انجام دہی کرسکیں تو اس کے لیے بھی اپنے کو، اپنی جماعت کو ادائیگیٔ فرض کے لیے آزاد علاقے میں جاکر وہاں سے سنت کے مطابق انجام دیا۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ خاندانِ علم اللہی کی شاہ محمد ہدیٰ کی شاخ سے

تھے جس میں کئی ممتاز اور کئی بزرگ شخصیت کے حامل عالم اور مصلح پیدا ہوئے۔ خاندانِ علم اللہی میں مولانا سید شاہ آیت اللہ کی شاخ میں بھی کئی ربانی شخصیتیں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں۔ حسنی خاندان صرف علم اللہی سلسلے پر مشتمل نہ تھا، اس کی دیگر شاخوں میں بھی متعدد بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور علم اللہی شاخ میں شامل ہوئیں۔ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دائرۂ سکونت تکیہ کلاں رائے بریلی میں ان میں سے متعدد کا تعلق اور قیام ہوا۔ علم اللہی شاخ میں شاہ محمد عدل، شاہ ابوسعید حسنی، مولانا سید محمد واضح، مولانا سید محمد صابر، مولانا محمد ظاہر، مولانا شاہ ضیاء النبی، اور دیگر شاخوں میں مولانا سید محمد امین نصیر آبادی کا تذکرہ اور ان کی دینی اور دعوتی اور ربانیت کی حامل زندگیوں کا تذکرہ قابلِ ذکر ملتا ہے۔

ان مذکورہ بالا شخصیتوں کے تسلسل کے طور پر آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نمایاں ہوئے۔ مولانا شاہ ضیاء النبی صاحب کے نواسے اور مولانا فخر الدین صاحب حسنی کے پوتے تھے۔ ان کو ہند و بیرونِ ہند اور پورے عالم اسلام میں مقبولیت اور قدر حاصل ہوئی۔ وہ محض اپنی ذات سے ہی بلند دینی اور دعوتی مقام پر فائز نہ تھے بلکہ انھوں نے اپنے سے خورد عزیزوں کو بھی اس راہ پر لگایا، ان میں قابل ذکر ان کے حقیقی بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی بن مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور حقیقی بھانجے اور میرے مرحوم بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کو مقبولیت ان کی دینی اور دعوتی کوششوں اور ان کی مفید تصنیفات کے ذریعے سے حاصل ہوئی اور ان کی شہرت کا ذریعہ بنیں۔

پیش نظر کتاب جس کا یہ مقدمہ ہے، ان ہی آخر الذکر شخصیت برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر مشتمل ہے، جو ان کے زیر شفقت پروان چڑھے نواسے مولوی سید محمود حسنی ندوی کے قلم سے ہے۔ ان میں نواسہ ہونے کے تعلق سے مولانا سید محمد ثانی صاحب کی تصنیفی و سوانح نگاری کی خصوصیت آئی ہے۔ انھوں نے کئی بزرگوں کی سوانح لکھی ہے جو پسند کی گئیں۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ زندگی مختصر پائی، ۵۷ سال کی عمر میں دنیائے فانی سے دنیائے باقی کی طرف منتقل ہوئے لیکن اس ۵۷ سال کی مدت میں بڑے اصلاحی اور دعوتی وتربیتی کام انجام دیئے۔ ان کا دعوت الی اللہ اور تبلیغ دین سے گہرا عملی تعلق تھا، اور وقت کے عظیم مرشد اور بزرگ شخصیتوں سے یعنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری (رحمہم اللہ) سے بھی استفادہ کا تعلق رہا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہ سے گہرا تعلق تھا۔ ان سے بیعت تھے اور خلافت بھی حاصل ہوئی جو ان کے لیے سعادت کا باعث تھی۔

ان کا تیسرا پہلو تصنیف وتالیف کا تھا۔ انھوں نے اپنے وقت کے کئی بزرگوں کی سوانح لکھی، جو ان کے اہم اور مؤثر حالات پر مشتمل ہیں، اور جو اپنے موضوع کے لحاظ سے مرجع کی حیثیت کی حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمی ذوق وصلاحیت کے ساتھ ادبی ذوق بھی عطا فرمایا تھا اور اس کو انھوں نے ایک کامیاب شاعر کی حیثیت سے صرف دینی واصلاحی موضوعات ومواقع کے ساتھ مخصوص کر رکھا تھا، ان میں ان کی حمد و نعت بڑی مؤثر اور بڑے دینی جذبے کی آئینہ دار ہیں۔

مولانا مرحوم نرم مزاج اور ہر دل عزیز طبیعت کے مالک تھے۔ ان کو ایسے کاموں کی توفیق ملتی رہتی تھی جن سے ضرورت مندوں اور کمزوروں کو مدد ملے، ان کو کسی کی طرف سے ایذا رسانی کا معاملہ پیش آتا تو وہ اپنے اندر اندر کڑھ لیتے لیکن اس کا نہ جواب دیتے اور نہ مقابلہ کرتے، بعض مرتبہ ایسی کسی ایذا رسانی کو برداشت کرنے پر ان کو قلبی دورہ بھی پڑا لیکن اس ایذا رسانی کا جواب نہ دیا۔

بڑوں اور برابر والوں کا معاملہ تو بڑا تھا، وہ چھوٹوں پر بھی غصہ نہیں کرتے تھے۔ اصلاحی بات بہت نرم اور محبت آمیز لہجے میں کہتے تھے۔ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی بڑوں جیسا معاملہ کرتے تھے، ان کی شخصیت ان باتوں کی وجہ سے محبوب ودلآویز شخصیت بن گئی تھی۔

چھوٹوں کو ان سے شفقت ملتی تھی اور بڑوں کو ان سے محبت ملتی تھی۔ اپنے والدین کی خدمت میں تو بہت ہی آگے تھے۔ لکھنؤ میں کتابوں کی فروخت کا کاروبار رکھنے کے باوجود وہ تکیہ کلاں میں مقیم اپنے والدین کی کمزوری صحت کی بنا پر تکیہ کلاں میں ہی آکر ٹھہر گیے تھے، اور اپنی دکان کے کاموں کا نقصان برداشت کرتے تھے اور خاندانی لحاظ سے کھیت اور جو چھوٹی جائداد تھی، اسی پر اکتفا کر لیتے تھے تا کہ والدین کی خدمت کر سکیں۔ اس طرح انھوں نے اپنے کو خدمتِ والدین کے ساتھ وقف کر کے اس فریضے سے اپنے بھائیوں کو ایک حد تک ہلکا کر دیا تھا جو کہ اُن سے چھوٹے تھے اور اُن کو بھی اُن سے شفقت ملتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کو تحریر و تصنیف کے ساتھ ساتھ تقریر کی بھی صلاحیت عطا فرمائی تھی جو وہ تبلیغی اور دعوتی کاموں کے لیے اختیار کرتے تھے، اور اُن کو پورے رائے بریلی میں ان کی اس صفت سے مقبولیت ومحبوبیت حاصل ہوگئی تھی اور لوگوں کو اُن سے دینی حیثیت سے مدد ملتی تھی۔

انھوں نے اپنا تعلیمی سلسلہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں قائم رکھا تھا، بعد میں بصارت میں کچھ شکایات ہوجانے کی وجہ سے سال ڈیڑھ سال کا وقفہ ہوا اور بہتری پیدا ہونے پر انھوں نے ایک سال مظاہرِ علوم میں گذارا اور وہاں سے فراغت حاصل کی، ایک سال وہاں رہنے کی وجہ سے مغربی اتر پردیش کی اہم شخصیتوں سے اور اپنے ہم سبق اور متعدد نیک افراد سے ان کا اچھا ربط قائم ہوگیا تھا، جو ان کی پوری زندگی میں قائم رہا۔ اس طرح وہ ندوہ اور مظاہر علوم دونوں کے فیض یافتہ تھے اور دونوں جگہوں کی خصوصیات ان میں جمع تھیں، انھوں نے اصلاحی مقصد سے خواتین کے لیے ''رضوان'' کے نام سے رسالہ نکالا جس سے لوگوں نے ان کی زندگی میں خوب فائدہ اٹھایا۔ وہ ان کے صاحبزادے مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء کے ذریعے سے تا حال جاری ہے۔ آسان اور سہل زبان میں اچھے اہل قلم کے مضامین اس میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس طریقے سے مولانا محمد ثانی حسنی

صاحب کے شروع کردہ اس خیر کا فیض قائم ہے، جس کا ان کو اجر حاصل ہو رہا ہوگا۔

یہ کتاب جو ان کی سوانح کے طور پر پیش کی جارہی ہے، یہ ایک ضروری کام تھا جو اب انجام پارہا ہے، امید ہے کہ اس کے ذریعے ان کے مخلصانہ عمل اور حسنِ سیرت قارئین کے سامنے آئے گی، جو انشاء اللہ قابلِ استفادہ ثابت ہوگی۔

محمد رابع حسنی ندوی
دائرہ حضرت شاہ علم اللہ
تکیہ کلاں، رائے بریلی

بروز بدھ
۱۴رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ
۳۰رمئی/۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی زید مجدہ
(مدیر مجلہ البعث الاسلامی و مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء و المرسلین محمد وعلی آلہ و أصحابہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، وبعد!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کل کی بات ہے، ہر جمعہ کو "المنتدی الادبی" کے جلسوں میں شرکت کے لئے گوئن روڈ لکھنؤ کے ایک پر شکوہ مکان کے ایک کمرہ میں ہم چند ساتھی جمع ہوا کرتے تھے، اور مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ سے ملاقات ہوا کرتی تھی، وہ ہماری آمد کی خبر ہمارے مرحوم دوست مولانا سید محمد الحسنی (رحمۃ اللہ علیہ) کو کرایا کرتے تھے، اور کچھ دیر ہم لوگوں کی خاطر پچھلے حصے کے ایک کمرہ میں تشریف رکھا کرتے تھے، وہ اپنے نرم اور عظیم اخلاق سے ہماری قدر افزائی کرتے تھے، اور ان کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوجایا کرتے تھے۔

اس ہفتہ وار حاضری اور ملاقات کے سوا تبلیغی مرکز میں بھی اکثر مولانا سے ملاقات کا موقع ملتا تھا، اس وقت میں اپنے مرحوم دوست محمد الحسنی کے ساتھ ہوا کرتا تھا، وہ ہماری ملاقاتوں سے ایک طبعی خوشی محسوس فرماتے تھے، پھر اکثر ایسا ہوا کہ میں اپنے دوست سے ملنے کے لئے گوئن روڈ پہنچا تو مولانا مرحوم نے نیچے سے آواز دی اور اپنے چھوٹے عزیز بھائی کا نام لے کر پکارا! محمد میاں! تمہارے دوست آئے ہیں۔

''المنتدی الادبی'' ہمارے ادبی نشاط اور تبادلہ خیال کا بنیادی پتھر ہے، یہیں سے ہم لوگوں نے ایک عربی مجلہ شائع کرنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا، سب نے بڑی مخالفت کی، صرف ہم دو آدمی متحد الخیال رہے کہ مجلّہ نکالنا ضروری ہے اور کم از کم ایک شمارہ نکال کر آئندہ کے امکانات پر غور کیا جاسکتا ہے، ایک ساتھی نے ایسی ہمت توڑی تھی کہ وہ یہ مصرع پڑھتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے:

ایں خیال است ومحال است جنوں

لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمت قائم رکھی اور یہ عربی مجلّہ ۱۹۵۵ء میں نکلا، اس کا دفتر اسی گوئن روڈ والے مکان کے عقب والے حصہ میں تھا، پرچہ کے نظم وترتیب کے سلسلہ میں ہم دونوں ساتھی روزانہ بلا ناغہ دفتر میں بیٹھا کرتے تھے، اور آپس کے تعاون سے پرچہ کی ترتیب وطباعت اور ترسیل واشاعت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو بھی کرتے اور عملی حیثیت سے اس میں پورا حصہ لیا کرتے تھے، اس وقت یہ عربی مجلّہ شخصی تھا اور ندوۃ العلماء سے اس کا باقاعدہ تعلق پانچ سال کے بعد ہی ہوا، اس روزانہ کی حاضری اور دفتر ''البعث'' میں کام کرنے کے دوران تقریباً بلا ناغہ مولانا سید محمد ثانی حسنی سے بھی ملاقات کا شرف مجھے حاصل ہوا کرتا تھا، میں مولانا کا پورا احترام کرتا تھا اور ان کو اپنے استادوں کی صف میں سمجھتا تھا، مولانا مرحوم بھی میرا کافی خیال فرماتے تھے، بلکہ وہ اپنے عزیز ترین بھائی محمد الحسنیؒ کے تعلق سے میرا کچھ زیادہ ہی خیال کرتے تھے۔

اس طرح میں نے مولانا کو بہت ہی قریب سے دیکھا، مجھ کو ان کے خیالات اور ان کی باتوں کو قریب سے سننے اور سمجھنے کا موقع ملا، ان کی بلند خیالی، ان کی نرم دلی، ان کی عالی ظرفی اور ان کی محبت وشفقت نے ان کے بارے میں ایک بلند تصور دل میں بٹھایا، اور ہمیشہ یہ تصور ان کی بڑی شخصیت کے ساتھ قائم رہا، ان کی عظمت کا نقش بٹھانے میں ہمارے دوست مولانا محمد الحسنی مرحوم کا بھی بڑا دخل ہے، وہ ان کی دلآویز شخصیت کے بارے میں اکثر ایسی باتیں بیان کیا کرتے تھے، جو عام طور پر اہل علم کے طبقہ میں نہیں دیکھی جاتیں۔

مولانا کی قلبی کیفیات کا احساس اکثر قریب رہنے والوں کو ہو جایا کرتا تھا، کبھی کبھی وہ اپنے خاص خیالات میں اس طرح ڈوب جایا کرتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے گردو پیش سے منقطع ہو کر کسی غیر مرئی طاقت سے متعلق ہو جاتے۔

خوابوں کی بہترین تعبیر نکالنے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، خود بھی اچھے خواب دیکھتے تھے، مکاشفات بھی ان کو ہوا کرتے تھے، مولانا محمد الحسنیؒ کے انتقال کے بعد مولانا کو ان کے بارے میں کئی مکاشفات ہوئے، اور بہترین خواب بھی دیکھے۔

شیخ وقت حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کی خدمت میں بھی قیام فرمایا اور حضرت سے کسب فیض کیا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے ارادت وبیعت کا زبردست تعلق اور قلبی عقیدت ومحبت تھی، اخیر میں حضرت شیخ نے ان کو خلافت سے نوازا، اور جب اچانک ان کے انتقال کی خبر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ میں ملی تو شدید قلق اور کرب کا اظہار فرمایا، اور اسی موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی خدمت میں تعزیت نامہ ارشاد فرمایا، جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ان سے قلبی تعلق اور گہرے اعتماد کا آئینہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو دین کی خدمت کا بہت ہی سچا جذبہ عطا فرمایا تھا، تبلیغی جماعت سے ان کا گہرا تعلق تھا، ہفتہ وار اجتماعات میں شرکت کرنے کے ساتھ وہ جماعتوں میں اکثر باہر نکلا کرتے تھے، ۱۹۵۵ء کے شروع میں جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ ایک بڑی جماعت کے ساتھ جو مشرقی اضلاع اور بہار کے دورہ پر نکلی تو مئو بھی تشریف لے گئے، ہمارے والد معظم حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی نے ان کو گھر پر تشریف لانے کی زحمت دی تو از راہ کرم مولانا نے شرف بخشا اور گھر کو رونق عطا ہوئی، اس وقت ہمارے مخدوم دادا حضرت مولانا محمد صابر صاحب نقشبندی بھی بقید حیات تھے، حضرت مولانا اور حضرت مولانا محمد ثانی حسنی (رحمۃ اللہ علیہما) والد صاحب کی دعوت پر الہ داد پورہ مکان پر تشریف لے گئے، اور دادا صاحب مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی، جو ہم سب کے لئے باعث سعادت تھی۔

مولانا محمد ثانی حسنی ایک مؤمن کامل کا نمونہ تھے، مشکلات کے سامنے کبھی سپر انداز نہیں ہوتے تھے، ہر طرح کے حالات نہایت خندہ پیشانی سے برداشت فرمالیا کرتے تھے، وہ اللہ کی نصرتوں پر پورا توکل رکھتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی بہت خاص درجہ کا تھا، ان کی دعاؤں سے بڑے بڑے مسائل حل ہوا کرتے تھے، وہ نگاہ مردمؤمن رکھتے تھے:

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اللہ تعالیٰ نے ان کو علم وعمل کی دولت کے ساتھ تواضع اور عالی ظرفی سے بھی خاص طور سے نوازا تھا، ان کو نثر ونظم پر یکساں قدرت تھی، ان کی نثر کے نمونے ''رضوان'' کے صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، نظم کا بہترین نمونہ دیکھنا ہو تو ترانہ ندوہ پڑھیے۔

ہم نازش ملک وملت ہیں، ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابشِ دیں، ہم نورِ یقین، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

آج بھی ندوہ کے درودیوار اور اس کی فضائیں اس پرکیف ترانہ کے نغموں سے گونج رہی ہیں، وہ تابش دیں، نور یقین، حسن عمل اور خلق حسن کا اعلیٰ ترین نمونہ تھے، ان کا شعری مجموعہ ''میزاب رحمت'' کے نام سے سید احمد شہید اکیڈمی تکیہ رائے بریلی نے شائع کیا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وکمالات میں ایک نمایاں اور بڑا وصف وکمال ان کی سوانح نگاری ہے، جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، وہ سوانحی عناصر میں شیرازہ بندی کا فن جانتے تھے، ان کی کتاب ''سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی''، اور پھر دوسری کتاب ''حیات خلیل''، یعنی سوانح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری میں سوانحی ادب کا ایک عظیم نمونہ نظروں کے سامنے آتا ہے، وہ بے مثال عالم وداعی تھے، بڑے خوش اخلاق اور خوش مزاج، اپنے بڑوں کے منظور نظر اور چھوٹوں پر شفیق ومہربان، اسی طرح وہ فنون ادب کے علمبردار اور تصویر زندگی کو ادب کے سانچے میں ڈھالنے کا فن بھی خوب جانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کا سوانحی ادب

ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے، اور ڈھونڈنے والوں کے لئے اس میں قلب وروح کی توانائی کا سامان بھی موجود ہے، انہوں نے اپنے چھوٹوں کی سوانح بھی لکھی، یہ ایک مشکل کام ہوتا ہے، وہ اس میں بھی بہت کامیاب نظر آتے ہیں، سوانح مولانا محمد الحسنی ،تذکرہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی اس کی مثالیں ہیں۔

اس عظیم سوانح نگار کی سوانح ایک قرض تھی، جس کی ادائیگی ان کے نواسے مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی (نائب مدیر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے حصہ میں آئی، اور اس سعادت کو انہوں نے اپنے لئے ایک بڑے شرف کا عمل سمجھ کر انجام دیا، جس میں ان کے خاندانی، علمی، دینی وتربیتی پس منظر کے ساتھ ان کے تعلیمی وتربیتی ادوار، دار العلوم ندوۃ العلماء، اورینٹل کالج لاہور، اور مظاہر علوم سہارنپور کی درسگاہ سے کسب فیض، اور مشائخ وقت و مصلحین امت سے دینی وایمانی استفادہ، علمی وادبی خدمات کے ساتھ شعر وسخن، اور اصلاح وتربیت کے دائرہ میں ان کی کوششوں، تعلق مع اللہ، ربانیت اور حجاز مقدس کے اسفار اور ان سب کے ساتھ ان کی تصنیفات ورسائل کا ایک تعارف بھی پیش کیا ہے، جو انہوں نے مختلف موضوعات پر مرتب کئے تھے، اس طرح یہ کتاب ایک مکمل سوانح کے طور پر سامنے ہے، اس میں ان کو اپنے نانا کا یہ وصف بطور میراث ملا، اور خود ان کے قلم سے بھی اس سے پہلے کئی تذکرے اور سوانحی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، یہ میرے لیے باعث مسرت عمل ہے کہ میں اس کتاب پر بطور مقدمہ چند سطریں لکھوں، اللہ تعالی مولانا محمد ثانی حسنیؒ کو اعلی مراتب سے نوازے، اور اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

راقم الحروف
سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۲۰/ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ

(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ و جنرل سکریٹری رابطہ ادب اسلامی)

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد بن عبد اللہ الأمین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ اللہ کے ان نیک اور مخلص بندوں میں سے تھے، جنہیں بے ضرر اور بے نفس انسان سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، ان کی شخصیت کی تشکیل ان حالات میں ہوئی جو ایک طرف بین الاقوامی طور پر دوسری عالمی جنگ کے زیر اثر تھے اور اس میں جرمنی اور برطانیہ ایک دوسرے کے حریف تھے، اس سے دنیا کے چھوٹے اور بڑے سبھی ملک متاثر تھے، دوسری طرف حالات مقامی طور پر بہت ہیجان انگیز تھے، جب یہاں ہندوستان میں آزادی کی تحریک پورے عروج پر تھی اور برطانوی حکومت کے خلاف ہندو اور مسلمان دونوں ایک ساتھ تحریک چلا رہے تھے، لکھنؤ میں جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کے قائدین کی برابر آمد ہوتی تھی اور اس کا اثر دینی مدارس اور عصری اداروں کے طلبہ پر بھی پڑتا تھا، یہ سخت ہیجان خیز سیاسی حالات تھے جن کے معتدل نہ ہونے کی وجہ سے اقتصادیات بہت متاثر تھیں اور زندگی گزارنا بہت مشکل ہوگیا تھا۔

تیسری طرف دینی [illegible] ین، ملی قائدین اور ممتاز علماء کی دینی اور فکری رہنمائی

سے ملت مستفید ہو رہی تھی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلفاء حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور ان کی دینی دعوت و تحریک، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور ان کے رفقاء کے ملک گیر دورے، خطابات ارشاد و تربیت کا پورے ملک کی ملت اسلامیہ پر گہرا اثر تھا، اور یہ تین وہ مرکزی دینی شخصیتیں تھیں جن کے دامن تربیت سے ملت کے خواص و علماء اور عوام و دانشور بھی اپنے ذوق اور مناسبت کے ساتھ وابستہ تھے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کو ان سبھی دینی ملی شخصیتوں سے استفادہ کا اچھا موقع ملا اور ان کی شفقت و توجہ حاصل ہوئی، اس میں ان کے دونوں ماموں جو میرے بھی حقیقی ماموں اور مربی تھے، مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ اور مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی سرپرستی کا بھی بڑا دخل تھا، جن کے مکان پر یہ سب شخصیتیں جلوہ افروز ہوتیں اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوریؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھی قیام فرمایا اور رائے بریلی کے وطن دائرہ شاہ علم اللہ بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی قیام فرمایا، برادر معظم کو ان سب کی اچھی صحبت و رفاقت نصیب ہوئی۔

اس کے ساتھ علم و ادب میں استفادہ کے لیے ان کو باکمال اساتذہ ملے، جن میں مولانا مسعود عالم ندویؒ، مولانا محمد ناظم ندویؒ اور مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور خاندانی مربیوں اور اساتذہ میں دو اہم نام قابل ذکر ہیں، مولانا سید طلحہ حسنی ٹونکیؒ جو اس زمانہ میں اورینٹل کالج لاہور میں استاد تھے اور ان کا حلقۂ علم و ادب میں اچھا اثر و رسوخ تھا، وہ ان کے ساتھ کچھ عرصہ لاہور میں بھی رہے، اور لاہور کے مرکز علم و ثقافت اور وہاں کے اساتذۂ علم و فن سے اچھا استفادہ کیا اور امتحان بھی دیا جس میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی، اس کے علاوہ خاندانی علماء میں قریبی رشتہ کے چچا اور ماموں مولانا سید ابو الخیر حسنیؒ کی صحبت اور توجہ بھی ملی، جو ان کو

ان کی صلاح اور نیکی کو دیکھ کر شکر کیا کرتے تھے اور بہت مانوس تھے، اس طرح برادر معظم کی شخصیت دینی علوم کے ساتھ عصری علوم وثقافت کی جامع شخصیت بنی اور گھر کی خواتین میں نانی صاحبہ مخدومہ خیر النساء بہتر کی نالۂ نیم شبی اور آہ سحر گاہی، اسی طرح والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز اور خالہ صاحبہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم کے زہد وعبادت، سخاوت اور ہمدردی اور اشتغال بالعلم نے بھی ان کی شخصیت پر اثر ڈالا، اسی طرح پھوپھی صاحبہ سیدہ بتول بی کے فہم ودانش اور تدین نے بھی متاثر کیا، جس کے خاندان اور سماج پر اثرات ہم سب محسوس کرتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں برادر معظم کو سب سے زیادہ تعلق اپنے استاد حدیث اور مرشد ومربی شیخنا اور مخدومنا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کی ذات گرامی سے والہانہ اور وارفتگانہ تھا، اور حضرت کو بھی ان سے بڑا غیر معمولی تعلق تھا، ان کی وفات پر حضرت نے جو تعزیت نامہ خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو تحریر فرمایا تھا، وہ متعدد اعتبار سے ایک یادگار مکتوب کی حیثیت رکھتا ہے اور تعزیتی مکاتیب میں اس کو نادر مکتوب کی حیثیت حاصل ہے، خود راقم سے بھی حضرت نے ان سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار فرمایا اور راقم کو بھی حضرت کی ان کے ساتھ توجہ اور شفقت حاصل ہوئی، ایک موقع پر فرمایا کہ: ''محمد ثانی اور تمہیں ہمارے یہاں کوئی روک نہیں سکتا، جب چاہو آؤ'' حدیث کے مسلسلات کے درس میں جو رمضان المبارک کے آخر میں تھا اور ہم لوگوں کے گھر آنے کا پروگرام بن گیا، مگر حضرت نے ہم لوگوں کو رکنے کو کہا اور فرمایا کہ ''مسلسلات کے درس میں شرکت کر کے جاؤ، کرایہ ہمارے ذمہ۔'' والدہ معظمہ بھی حضرت شیخ الحدیث سے تعلق رکھتی تھیں اور دینی امور میں استفادہ کے لیے خطوط کے ذریعہ رہنمائی حاصل کرتی رہتی تھیں، حضرت انہیں اہتمام سے جواب لکھواتے اور اپنے قلم سے بھی تحریر فرماتے اور یہ بھی تحریر فرماتے کہ ''تمہارے ہی لیے نہیں، تمہاری اولاد اور پوتوں اور پوتیوں کے لیے بھی دعا کا معمول

ہے۔'' مدینہ منورہ کا قیام ہوتا تو لکھتے کہ ''صلاۃ وسلام تمہاری طرف سے اور تمہاری اولاد اور پوتوں اور پوتیوں کی طرف سے روز پیش کرتا رہتا ہوں۔''

برادر معظم نے حضرت شیخ الحدیث کاندھلویؒ اور وہاں کے دوسرے بزرگ اور مربی اساتذہ مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب اور مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ سے استفادہ کے بعد وطن رائے بریلی آکر بہت سی ان باتوں کی اصلاح کی جو انہیں صحیح نہیں لگیں، خاص طور سے شادی وغیرہ اور لڑکوں ونوجوانوں کی وضع قطع کے متعلق اور آس پڑوس کے لوگوں کی دینی رہنمائی اور سبھی کے ساتھ مساوات، ہمدردی اور غمخواری کے برتاؤ کے ذریعہ انہوں نے اپنی شخصیت ایک مصلح، مربی اور داعی ہونے کے ساتھ ہمدردانہ، خیرخواہانہ اور اعانت ونصرت کا انداز اختیار کرکے جس میں ان کو بسا اوقات اپنا نقصان بھی اٹھانا پڑا اور غصہ کو ضبط کرکے تحمل و برداشت کا غیر معمولی عمل اختیار کرنا پڑتا تھا، محبوب و دل آویز شخصیت بنالی تھی، جس کا اثر ان کی وفات پر صاف ظاہر ہوا، ان کی طبیعت میں جو نرم خوئی اور بے آزاری تھی، اس نے دعوت واصلاح کے عمل میں بہت فائدہ پہنچایا، لکھنؤ کے قیام میں وہ اطراف شہر اور پڑوس کے اضلاع وقصبات میں جاتے اور مشقت برداشت کرتے، اسی طرح رائے بریلی کے قیام میں شہر وقصبات اور پڑوس کے اضلاع میں ان کے دعوتی واصلاحی دورے ہوتے تھے، جس سے دوسرے مشرب اور مسلک کے لوگ بھی ان کی نرم مزاجی، حسن سلوک، میانہ روی، تحمل و برداشت، خیرخواہانہ جذبہ، ہمدردی اور اخوت کی وجہ سے ان سے قریب ہوتے چلے گئے اور دین و دعوت کے لیے میدان سازگار ہوتا گیا اور آپسی منافرت اور بھید بھاؤ ختم ہونے لگا۔

ایک اہم خصوصیت ان کے اپنے بڑوں کی اطاعت اور ان کے حکم کے آگے اپنی خواہش کو دبانا اور والدین کی خدمت لکھنؤ کا قیام ترک کرکے رائے بریلی کا قیام اختیار کرنا تھا، جو لکھنؤ میں مقیم ہم بھائیوں کے لیے ان کی شفیق اور مہربان ذات کے فراق سے بہت شاق تھا، جہاں ان کا تجارتی مکتبہ اور خواتین کے رسالہ ماہنامہ ''رضوان''

کی ادارت اور خدمت تھی، اور اس کے ساتھ دوسری دعوتی و اصلاحی سرگرمیاں تھیں، مگر والدین کی خدمت کے لیے ان سب کو دوسروں پر چھوڑ کر وہ وطن میں مقیم ہو گئے تھے، اور ''رضوان'' اور مکتبہ کی ذمہ داری ان کے فرزند مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی سلمہ اللہ نے سنبھالی، ان کے رائے بریلی کے قیام سے انہیں والد معظم رحمہ اللہ کی خدمت کی بڑی سعادت ملی جو ہم بھائیوں کے حصہ میں اس طرح نہ آسکی، اس کے ساتھ والدہ معظمہ اور خالہ معظمہ کی خدمت بھی خوب ان کے حصہ میں آئی۔

ان کا یہ وصف بھی قابل رشک تھا کہ جب ندوۃ العلماء میں پچاسی سالہ جشن تعلیمی کا انعقاد ہوا اور اس میں عرب ممالک کی ممتاز دینی و علمی شخصیات اور ملک کی بڑی قد آور دینی و علمی شخصیتوں کا اجتماع ہوا، باوجود اس میں شرکت کی خواہش کے انہوں نے والدہ معظمہ کی خدمت کو ترجیح دی، وہ والدہ معظمہ کی منشاء پوری کرنے میں سبقت لے جانے والوں میں ہوتے تھے، اور وہ جس ضرورت کو کہتیں وہ اس کو بنفس نفیس انجام دیتے تھے، گھر کا سامان خود بازار جا کر لاتے اور دوسرے اعزہ و اقارب کی ضرورتوں کو بھی معلوم کر لیتے، اس لیے کہ بازار جانا اس وقت آسان نہ تھا، دینی اور علمی طور پر ان کی شخصیت ایک مقتدر شخصیت تھی، اور لوگ ان کی خدمت کو اپنے لیے سعادت کی بات سمجھتے تھے، لیکن والدہ مرحومہ کا کام وہ خود اپنے ہاتھ سے کرتے اور دوسرا کوئی وہ کام کرنا چاہتا تو وہ منع کر دیتے کہ یہ کام میری والدہ کا ہے یا والدہ نے کہا ہے۔

رائے بریلی شہر اور مضافات میں دینی مدارس نہیں تھے، یہ سعادت برادر معظم کے حصہ میں آئی کہ انہوں نے ''مدرسہ فلاح المسلمین'' جو شہر رائے بریلی سے ۲۳ رکلومیٹر کے فاصلہ پر قائم ہوا تھا، اس کی اور پھر جب وطن تکیہ کلاں سے متصل میدان پور گاؤں میں ''مدرسہ ضیاء العلوم'' قائم ہوا تو اس کی بھی انہوں نے اس طرح فکر کی جیسے ایک باپ اپنی اولاد کی کرتا ہے، اور وہاں کے طلبہ اور اساتذہ ان میں مادر مشفقہ کی محبت و شفقت محسوس کرتے تھے، جس کا اظہار ان پر لکھے گئے مضامین میں اور

تاثرات میں ہوا، فلاح المسلمین جانے میں راستہ کی دشواری بھی اہم مسئلہ اور رکاوٹ تھی، مگر انہوں نے کبھی اس کو مسئلہ نہیں بنایا اور رکاوٹ کی بات نہیں سمجھی۔

شفقت و محبت ان کا خاص وصف تھا جو ان کے سبھی چھوٹے محسوس کرتے تھے، اور مرض وفات میں اس کا جس طرح اظہار ہوا اس سے وہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی جو مخفی اور مستور تھی، خود راقم کو اس کا غیر معمولی تجربہ ہوا، اور ان کے بھتیجوں اور بھانجوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں اور پھر نواسوں اور نواسیوں نے نہ صرف مشاہدہ کیا، بلکہ وہ محبت و شفقت ان کے دل و دماغ پر ایسی مرتسم ہوئی کہ ان کی وفات کے طویل عرصہ بعد آج بھی اس کے نقوش تازہ ہیں، اس شفقت و محبت کا اثر تھا کہ ان کے ایک عزیز نواسہ مولوی سید محمود حسن حسنی سلمہ کے لیے ان سے اور ان کے لیے بھی ان کی جدائی ان کے لیے بڑی شاق گزرتی تھی، جس کو سب محسوس کرتے تھے، دیگر عزیزوں اور اقارب کی اولاد کے لیے بھی ان کی شفقت ایسی ہوتی کہ وہ یہ محسوس نہ کر پاتے کہ انہیں دوسروں کے بچوں کا خیال نہیں رہتا، وہ دوسرے کے بچہ کا بھی ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کو ساتھ لے چلتے، اسی طرح جیسے انہوں نے اپنے اور اپنے گھر کے بچوں کے لیے دعائیں نظم کیں دوسروں کے لیے بھی کہیں، مولانا کی شفقت خاص بھی تھی اور عام بھی، خاص اپنے عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کی آل و اولاد پر ظاہر ہوتی، کسی کے بچہ کی دعا لکھ کر دے دی، کسی کا لڑکا حافظ قرآن ہوا اس پر منظوم دعا اور تہنیت لکھ ڈالی، بھائیوں ساتھیوں میں کوئی حج سے سرفراز ہوا اس پر تہنیتی نظم کہہ ڈالی، جس کا مجھے خود بھی تجربہ ہوا، اور میرے بھائی جو ان کے بھی بھائی ہیں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب جب حج پر گئے تو ان کو ایک دعائی تہنیت نامہ نظم کر کے بھیجا، جو ہدایات پر بھی مبنی تھا، برادر عزیز محمد میاں کی وفات ہوئی تو ان کی اولاد کے لیے مشفق باپ کی طرح ہو گئے، ان کے چھوٹے فرزند کے لیے ایک منظوم خط لکھا، جس کے لفظ لفظ سے محبت و شفقت کا اظہار ہوتا ہے، ان کی شفقت عام اس طرح تھی کہ کسی نے اپنی ضرورت کی

تکمیل چاہی تو قرض لے کر پوری کرتے، کسی نے شادی کی مناسبت سے اشعار چاہے تو اسے بھی محروم نہیں کیا، اور دیکھتے کہ کوئی بے روزگار تو نہیں ہے، کوئی ایسا نظر آتا تو اسے روزگار فراہم کرتے، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے اور سبھی کے ساتھ بڑے اخلاق اور برتاؤ سے پیش آتے، مہمان نوازی میں پیش پیش رہتے، کھانے پینے اور رہن سہن کے ساتھ مہمان کی عزت اور مزاج کا بھی خیال رکھتے، اکثر مہمان چونکہ بغیر اطلاع کے آتے، اس لیے کھانا دیر سے کھاتے، والدہ کہتیں کہ محمد ثانی کھانا کھالو، وہ کہتے کہ ہوسکتا ہے کوئی مہمان آرہا ہو۔

ان معاشرتی خوبیوں کا جو خیال رہتا تھا، اس میں پیش نظر رسول اللہ ﷺ کی وہ بنیادی سنتیں تھیں جن پر اللہ تعالیٰ اصطفاء اور انتخاب کا معاملہ فرماتا ہے، جس کا حوالہ دے کر اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے آنحضور ﷺ کو تسلی دی تھی کہ "انك لتصل الرحم، وتحمل الكل، وتكسب المعدوم، وتقرى الضيف، وتعين على نه ائب الحق" (رواه البخارى، باب بدء الوحى)

مولانا محمد ثانی حسنیؒ کا ایک اہم وصف تواضع اور فنائیت کا بھی تھا، باوجود شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے اجازت یافتہ اور خلیفہ ہونے کے بیعت وارشاد کی مسند نہیں سجائی، اور حلقہ بندی سے دور رہے، جب کہ ان کے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ انہیں اپنا نائب اور صاحب ارشاد سمجھتے تھے، اور ان کو یہ خیال رہتا تھا کہ ان کے ذریعہ رشد وہدایت کا فیضان عام ہوگا، ان کے بڑے بھائی اور میرے جو بڑے ماموں تھے مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ ان کے رشد وصلاح کو دیکھتے ہوئے اور اس خدشہ کو محسوس کرتے ہوئے کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا اکثر سفر رہتا ہے، یہ وصیت فرمائی کہ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں، مگر جنازہ میں انہوں نے بڑی دینی وعلمی شخصیت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ کو موجود پایا تو خود پیچھے ہوگئے اور ان کو آگے کردیا اور رائے بریلی میں جہاں اہل تعلق کا بڑا مجمع موجود تھا، مشہور عالم دین مولانا محمد

منظور نعمانیؒ سے درخواست کی اور انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

یہ چند مثالیں تھیں جو ذکر کیں، ورنہ ان کے صفات وکمالات کے تذکرہ کے لیے ایک دفتر درکار ہے، ہم عزیزی مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے ان کی شخصیت اور خدمات کو موضوع بنا کر ایک دستاویز تیار کردی، اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے اور قبول فرمائے۔ آمین

محمد واضح رشید حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ
۲۱/ ستمبر ۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات تشکر

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد!

رب کریم کی حمد اور اس کا شکر کن الفاظ میں اور کس طرح بیان کیا جائے، جو بھی نعمت ہے اسی کی طرف سے ہے، جو فضل ہے اسی کی جانب سے ہے، کرنے پر آتا ہے انعام لامحدود کرتا ہے، اور اپنا فضل صبح وشام کرتا ہے، اس عاجز کے لیے یہ دعا صاحب سوانح قدس سرہ کی تھی، اور پیش نظر کتاب اسی کا حصہ اور ثمرہ ہے؛

فالحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ وصحبہ وعلی من والاہ أجمعین.

آج سے ٹھیک ۳۷ رسال پہلے ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ کو منگل کے دن لکھنؤ میں صاحب سوانح حضرت مولانا محمد ثانی حسنی قدس سرہ نے وفات پائی تھی، آج انہیں کے قائم کردہ مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر تیندوا میں جس کے وہ سولہ سال ناظم رہے اور سخت حالات میں اس کی ترقی کے لیے اس طرح فکر مند اور کوشاں رہے جیسے ایک مادر مہربان اپنے بچوں کی پرورش میں اپنی راحت کو پس پشت ڈال کر فکر مند اور کوشاں رہتی ہے، انہیں یہ ادارہ بقول ان کے خال مخدوم و معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اولاد سے زیادہ عزیز تھا، پیش نظر کتاب کی تکمیل پر اپنے رب ذوالجلال کی حمد وشکر بجالانے کے لیے اسی سرزمین کا رب ذوالجلال نے انتخاب کیا، جو انہیں بہت عزیز تھی، انہوں نے مدرسہ اور ملی وتعلیمی اداروں کے لیے ترانے لکھے، مگر اس مدرسہ کے لیے کئی ترانے لکھے۔

اس موقع اور مناسبت پر کن کن محسنوں کو یاد کیا جائے اور کن کن کے لیے الفاظ تشکر پیش کیے جائیں، ایک ایک کا نام لیا جائے تو فہرست طویل ہو جائے گی، ان میں بڑے اور مخدوم بزرگ بھی ہیں اور احباب و رفقاء بھی، اور کچھ خورد سال عزیز بھی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے خلف الرشید حضرت مولانا طلحہ صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم نے تقاضا فرمایا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (أدام الله بركاتهما علينا) نے بھی تقاضا فرمایا اور سرپرستی فرمائی، خال معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے از راہ شفقت رہنمائی فرمائی اور اپنی نظر ڈالی، خال محترم مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے اپنے ادارہ سے اشاعت کی ذمہ داری لی اور توجہ فرمائی، اس کے علاوہ استاذی الجلیل مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور بعض دوسرے حضرات نے بھی تقاضا فرمایا تھا، اور سنین وفات کے سلسلہ میں مولانا سید محمد سالم حسینی مرحوم کی بیاض سے مدد ملی جس کے لیے ان کے فرزند مولوی سید محمد طاہر حسینی کے شکر گزار ہیں، برداران مولوی محمد نفیس خان ندوی، مولوی محمد ارمغان بدایونی ندوی (دار عرفات، رائے بریلی) مولوی عمار عبدالقیوم ندوی (مدرسہ أم المومنین عائشہ للبنات، رائے بریلی) اور مولوی سالم ندوی سے تصحیح و کمپوزنگ کے مراحل میں جو تعاون ملا وہ بھی بڑا لائق قدر تعاون تھا۔

اخیر میں بصمیم قلب بارگاہ ایزدی میں قبولیت و نافعیت کی دعا ہے، اللہ تعالیٰ ناچیز مصنف کے لیے اس عمل کو ذریعہ مغفرت و نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے اور اپنی رضا کا ذریعہ اور حدیث پاک "ان من أبر البر أن يصل الرجل أهل ود أبيه بعد أن يولي" (کہ بڑے نیکی میں یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے تعلق والوں کے ساتھ ان کی وفات کے بعد حسن سلوک کرے) کا مصداق بنائے۔ آمین

محمود حسن حسنی ندوی

نزیل مدرسہ فلاح المسلمین، امین نگر تیندوا، رائے بریلی (حال امیٹھی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ پہلا باب ﴾

خاندان کی ہندوستان آمد

متعدد ادوار میں اس کی شخصیات اور پدری و مادری اجداد

حسینیوں کا دور ابتلاء اور ان کی ہجرت

خلیفہ منصور عباسی کا دور حسینیوں کے لیے سخت ابتلاء اور آزمائش کا دور تھا، جن کے دور میں اس خاندان کے گل سرسبد اور خانوادۂ علم اللّٰہی وقطبی کے مورث اعلیٰ حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ بن عبداللہ المحض شہید ہوئے اور ان کی اولاد کو وطن چھوڑنا پڑا، مدینہ منورہ جن کا موطن ومستقر تھا، وہ خاندان ہندوستان آکر پھر مدینہ منورہ پہنچا، وہاں سے بغداد اور غزنی پھر ہندوستان پہنچا، جب کہ حضرت عبداللہ المحض کی بعض اولاد لیبیا، مراکش وغیرہ مغربی علاقوں میں گئی، مراکش میں اقتدار حاصل ہوا جو آج بھی قائم ہے، ہندوستان میں دینی قیادت کا علم اٹھایا اور نسل درنسل علماء ومصلحین پیدا ہوتے رہے(۱) (متوفی آخر رمضان ۱۴۲۷ھ) جو تاریخ اسلام کے بڑے محقق فاضل ہیں وہ اس کے ابتدائی احوال پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

> ''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے عبداللہ المحض کے پوتے،
> عبداللہ بن محمد ذوالنفس الزکیہ جو عبداللہ الاشتر کے لقب سے
> مشہور تھے، اہل بیت میں سے پہلے شخص تھے جو ہندوستان

---

(۱) ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی رام پوری

آئے، یہ اپنے والد محمد النفس الزکیہ کی انقلابی تحریک کے دوران میں عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کے تیغ خون آشام سے محفوظ رہنے کے لیے اپنے والد کے مشورے سے سندھ آئے تھے، کیونکہ اس زمانہ میں سندھ کا عباسی گورنر اہل بیت کا وفادار تھا، مدینہ اور بصرہ میں عبداللہ الاشتر کے والد اور چچا کی انقلابی تحریک کی ناکامی کے بعد منصور نے سندھ کے گورنر کو عبداللہ الاشتر کی گرفتاری کے لیے لکھا، اس نے محمد ذوالنفس الزکیہ کے خاندان سے اپنی محبت کے سبب ان کو دریائے سندہ کے پار کچھ کے راجا کے پاس بحفاظت بھیج دیا، منصور نے دوسرا گورنر بھیجا اور عبداللہ الاشتر کو گرفتار کرنے کے لیے لکھا اور اس نئے گورنر سے ایک معرکہ میں عبداللہ الاشتر دریائے سندھ کے کنارے شہید ہوگئے، ان کے ساتھیوں نے منصور کے فوجیوں کے ہاتھوں لاش کی بے حرمتی کے خوف سے اسے دریائے سندھ میں بہادیا۔“(۱)

مولانا عبدالحی حسنی مصنف نزہۃ الخواطر نے تاریخ کی مشہور کتاب ”الکامل“ کے حوالہ سے ان کے شیر خوار بچہ محمد بن عبداللہ الملقب بابن الاشتر کے بارے میں لکھا ہے:

”وہ سندھ میں پیدا ہوئے اور جب ان کے والد عبداللہ شہید کردیے گئے تو والی سندھ ہشام بن عمرو تغلبی نے خلیفہ وقت منصور عباسی کے پاس ان کو بھیج دیا، منصور خلیفہ نے مدینہ منورہ کے گورنر کے پاس ان کو روانہ کیا اور ان کی صحت نسب کا رقعہ بھی ساتھ کیا، جس میں یہ تاکید بھی تھی کہ انہیں ان کے کنبہ کے حوالہ کردیا جائے، یہ واقعہ ۱۵۱ھ کا ہے جیسا کہ مورخ ابن اثیر نے

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مرتبہ: ڈاکٹر سفیر اختر، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد پاکستان، ص:۴۷-۴۳

کامل میں بیان کیا ہے"۔(۱)

شیخ الاسلام امیر کبیر سید قطب الدین محمد المدنی کی ہندوستان تشریف آوری اور فتوحات

محمد بن عبداللہ الاشتر کے پانچ صاحبزادے ہوئے جن میں حسن الاعور الجواد سے ان کی نسل چلی، قبیلہ طی کے افراد نے انہیں ذی الحجہ ۱۴۵ھ میں شہید کر دیا۔

شیخ الاسلام امیر کبیر بدر الملۃ المنیر سید قطب الدین محمد المدنی کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تک سلسلہ نسب اس طرح ہے:

مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:

"الامیر الکبیر بدرالملة المنیر شیخ الاسلام قدوة الائمة الکرام قطب الدین محمد بن السیدرشیدالدین احمد بن یوسف بن عیسی بن حسن بن حسین بن جعفربن قاسم بن عبداللّٰہ بن حسن بن محمد بن عبداللّٰہ بن محمد النفس الزکیة ابن عبداللّٰہ المحض بن الحسن المثنی بن الامام الحسن السبط الاکبر علی آبائه وعلیه السلام".

ان کے علم و فضل کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"کان ابن اخت السید الامام عبدالقادر الجیلانی فکان محبوك الاطراف بالسادة والاشراف ومدیح الجوانب بالعلماء الأسلاف، ولد بمدینة بغداد فی سنة احدی وثمانین وخمس مأة واخذ العلم والمعرفة عن فحول

(۱) الاعلام بمن فی تاریخ الھندمن الاعلام (اول) ص:۷۷، ط: دار عرفات، رائے بریلی

العلماء وأساتذته الزوراء، منهم والده العلامة، ومنهم الشيخ عبدالرزاق بن عبدالقادرالجيلانی والشيخ العارف ابی الجناب نجم الدين الكبرى، اخذ عنه بعد ماتوفی عبدالرزاق المذكور، وانتقل من بغداد فی فتنة المغول بعدمااستشهد والده فدخل غزنة وأقام بها زمانا ثم قدم الهند لعله فی ايام قطب الدين ايبك فجاهد معه فی سبيل اللّٰه وفتحت علی يده الكريمه قلعة كڑا ومانكبور وهنسوه وغيرها من القلاع الحصينة المتينة وكان سلطان شمس الدين الالتمش يكرمه غاية الاكرام، قال القاضی شهاب الدين عمر الزاولی الدولة آبادی فی "هداية السعداء" "ان السلطان المذكور كان يجلسه فی صدر المجلس ويقبل يده ويتبرك به"۔انتهی (۱)

ترجمہ:وہ (شیخ الاسلام سید قطب الدین مدنی) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بھانجہ تھے،سادات واشراف اورعلماءسلف کے ممدوح ومحترم تھے، ۵۸۱ھ میں بغداد پیدا ہوئے، اورعلم و معرفت میں ممتازعلماءواساتذہ سےکسب فیض کیا،جن میں ان کے والد ماجد اور ماموں شیخ سیدعبدالرزاق جیلانی کے علاوہ مشہورعارف و بزرگ ہستی شیخ ابوالجناب نجم الدین کبری ہیں، جن کے پاس رہ کرانھوں نے اپنے ماموں شیخ عبدالرزاق کی وفات کے بعدتکمیل علم وسلوک کیا،تاتاریوں کے ہنگامہ کے بعد بغداد سے اس وقت کوچ کیا جب والد ماجد کی شہادت ہوچکی

---

(۱)نزہۃ الخواطر،ط؛دارعرفات:۱/۲۱۱-۲۱۲

تھی، غزنی آئے اور وہاں کچھ مدت رہے، پھر ہندوستان تشریف لائے، یہ زمانہ غالبًا قطب الدین ایبک کا تھا ان کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا، اور کڑا، مانک پور، ہنسوہ کے علاقے ان کے زیر قیادت فتح ہوئے، سلطان شمس الدین التمش آپ کا نہایت اکرام کرتا تھا، قاضی شہاب الدین دولت آبادی ''ہدایۃ السعداء'' میں لکھتے ہیں کہ سلطان مذکور آپ کو مجلس میں صدر نشیں کرتا اور دست بوسی کرتا اور برکت حاصل کرتا تھا۔

قاضی عثمان جوزجانی نے طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ شیخ الاسلام دہلی میں بہرام شاہ کے زمانہ میں تھے، سلطان مذکور نے ۶۳۹ھ میں ایک بڑی بغاوت کو رفع کرنے میں مدد لی تھی، اور ان کو کامیابی ملی تھی۔

قاضی ضیاء الدین برنی نے لکھا ہے کہ شیخ الاسلام قطب الدین سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں اکابر عصر میں تھے۔(۱)

شیخ الاسلام قطب الدین محمد المدنی کی اولاد

شیخ الاسلام قطب الدین محمد المدنی کی اولاد بڑی باکمال تھیں، تین صاحبزادے ہوئے، سب سے بڑے نظام الدین اپنے والد کے قدم بقدم تھے، مگر والد کی حیات ہی میں وفات پاگئے ان کے صاحبزادے رکن الدین کڑا کے قاضی ہوئے، قاضی ضیاء الدین برنی نے اپنی تاریخ میں ان کا اچھا تذکرہ کیا ہے دوسرے صاحبزادے قیام الدین محمود بن قطب الدین تھے، سلطان شمس الدین التمش کو ان سے اتنا تعلق ہو گیا تھا کہ اپنی بیٹی فتحہ سلطانہ کو ان کی زوجیت میں دے دیا تھا، تیسرے صاحبزادے قاضی تاج الدین بھی کڑا کے قاضی ہوئے پھر بدایوں کی قضا ان کو سپرد ہوئی ان کا بھی قاضی ضیاء الدین برنی نے اچھا تذکرہ کیا ہے۔

---

(۱) بحوالہ سابق ۱/۲۱۱-۲۱۲، ط: دار عرفات رائے بریلی

اللہ تعالیٰ نے قاضی رکن الدین بن نظام الدین بن قطب الدین المدنی کی اولاد میں بڑی برکت عطا فرمائی، جن میں سلطان العارفین حضرت شاہ علم اللہ حسنی نقشبندی اور پھر ان کی ذریت میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو اصحاب قلب ونظر مشائخ وعارفین میں جو عزت ومقام ملا، وہ محتاج تعارف نہیں۔

امیر کبیر سید قطب الدین محمد المدنی کی اولاد کی کڑا سے جائس اور پھر جائس سے نصیر آباد منتقلی اور وہاں سکونت کے بارے میں مولانا سید محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

> ''امیر کبیر حضرت سید قطب الدین محمد المدنی کے انتقال کے ایک صدی بعد قطبی خاندان کے ایک بزرگ سید قطب الدین محمد الثانی نے کڑا سے جائس (سابق ضلع رائے بریلی، حال ضلع امیٹھی) نقل سکونت کی، کچھ مدت کے بعد ان کے صاحبزادے سید علاء الدین اور پوتے قاضی سید محمود جائس سے نصیر آباد منتقل ہوئے اور عہدۂ قضاء پر مامور ہوئے اس وقت سے ان کی اولاد نے نصیر آباد کو اپنا وطن بنالیا، ان کی نسل میں سید خواجہ احمد، مولانا ہدایت اللہ اور حضرت سید شاہ علم اللہ اور ان کے اخلاف ہیں اور ان کی اولاد برابر پرگنہ نصیر آباد میں عہدۂ قضاء پر مامور ہوتی رہی، قاضی سید محمود کا انتقال ۸۶۸ھ میں ہوا اور باغ قاضی میں مدفون ہوئے''۔(۱)

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ

(مؤسس تکیہ کلاں رائے بریلی وجد امجد امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ)

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی اپنے عہد کے عالی مرتبت متبع السنت شیخ طریقت اور سلسلۂ مجددیہ کے قوی النسبت بزرگ کی حیثیت سے معروف ہوئے ان کے والد حضرت سید محمد فضیل نصیر آباد سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے پھر واپس نہیں آئے اور

---

(۱) خانوادہ علم اللہی ص، ۲۵

وہیں اسی سنہ میں انتقال کیا جس سنہ میں ان کے یہ فرزند نصیر آباد رائے بریلی میں تولد ہوئے۔ حضرت شاہ علم اللہ حسنی دوشنبہ ۱۲؍ربیع الاول ۱۰۳۳ھ میں پیدا ہوئے وہ ایک سال کے تھے کہ ان کے شیخ الشیخ حضرت مجدد الف ثانی امام احمد بن عبدالاحد سرہندی نے داعی اجل کو لبیک کہا، حضرت شاہ علم اللہ حسنی کو حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ دیوان سید خواجہ احمد نصیر آبادی کی صحبت و تربیت ملی، وہ بڑے ولی مرتاض اور عالم بے بدل تھے اور حضرت شاہ علم اللہ کے برادر عم زاد تھے، معرفت الٰہی، عشق نبوی کی طلب تڑپ کی حد تک تھی اس چیز نے دولت باطنی کے حصول اور ایمان و معرفت سے قلب کو منور و معمور کرنے کے لیے حضرت مجدد کے خلیفہ اعظم حضرت سید آدم بنوری کی صحبت میں پہنچایا، اس وقت ان کی عمر صرف ۱۵؍سال تھی اور تھوڑی مدت میں حضرت سید آدم بنوری نے ان کے احوال رفیعہ اور صفائی باطن کو دیکھ کر اجازت وخلافت سے سرفراز کر دیا۔ اور وطن جانے کو کہا تھا، اس پر حضرت شاہ علم اللہ کو حیرت بھی ہوئی لیکن تعمیل امر مرشد میں وہ چل پڑے۔

مولانا محمد ثانی حسنی اس کیفیت کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''حضرت سید آدم بنوری نے اپنا عمامہ اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی دستار مبارک عنایت فرما کر ان کو رخصت کیا، شاہ علم اللہ نے رخصت ہوتے وقت عرض کیا کہ اودھ میں بہت سے اولیاء اور عالی مرتبہ لوگ ہیں میری ان میں کیا حیثیت ہوگی؟ حضرت سید آدم بنوری نے کچھ دیر مراقبہ کیا پھر فرمایا ان میں تمہاری حیثیت ہوگی جیسے چراغوں میں شمع کی، پھر کچھ دیر اور مراقبہ کر کے ارشاد فرمایا، ''سید خاطر جمع ہو کر جاؤ یعنی جمعیت خاطر کے ساتھ جاؤ، اہل سلوک کے یہاں جمعیت خاطر بڑا اہم وصف ہے وہ یہ کہ ہر طرف سے ذہن کو یکسو کر لیا جائے، اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ،

تمھاری نسبت ان میں ایسی ہوگی کہ جیسے ستاروں میں آفتاب کی، اس ملاقات اور رخصت کرنے کے بعد حضرت سید آدم بنوری کا ارادہ ہجرت کا تھا، رخصت ہوتے وقت حضرت شاہ علم اللہؒ نے بھی ہجرت کی اجازت مانگی، حضرت سید آدم بنوری نے فرمایا: ''ہجرت کرسکتے ہومگر کوئی مرد خدا تم کو روکے تو ٹھہر جانا''۔

شاہ علم اللہ پر مدینہ طیبہ ہجرت کا جذبہ بہت طاری تھا، مرشد سے رخصت ہوکے وطن نصیر آباد پہنچے، اور اپنے اہل وعیال کو لیکر ہجرت کے ارادہ سے وطن چھوڑ کر رائے بریلی شہر آئے اور چند دن اپنے ایک عزیز کے یہاں قیام کیا، دریا کنارے ایک مجذوب اور خدارسیدہ بزرگ شاہ عبدالشکور رہتے تھے، ان سے ایک روز صبح کو ملاقات ہوئی، شاہ عبدالشکور نے ان کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور مرشد کا قول یاد دلایا، شاہ علم اللہ نے قیام پر آمادگی ظاہر کردی، شاہ عبدالشکور ان کو لیکر اپنی قیام گاہ سے چند فرلانگ مغربی جانب ایک جگہ پہنچے اور لب دریا خط کھینچ کر مسجد، مکان، اور مقبرہ کی نشاندہی کی، وہ جگہ شاہ عبدالشکورؒ کے ایک مرید کے ملک میں تھی، انہوں نے بخوشی دس بیگھہ زمین نذر کی، اور شاہ علم اللہ نے جھونپڑی ڈال کر اپنے اہل وعیال کو اس میں ٹھہرادیا، اور قریب ہی میں ایک خس پوش مسجد بنائی، ہر طرف جنگل اور خودرو درخت تھے، اہلیہ صاحبہ کو جنگلی جانوروں کا خوف ہوا تو شاہ صاحب نے خدا کی جناب میں ان سے حفاظت کی دعا کی اور درخت صاف کرکے غیر آباد جگہ کو آباد کیا، چند ہی دنوں میں حضرت سید آدم بنوری کی بشارت کے آثار نمودار ہوئے اور طالبین سلوک کا ہجوم

ہونا شروع ہوا، عزیزوں کی آمد ورفت ہوئی اور وہ جگہ ذکر وشغل سے معمور ہونے لگی، ۱۰۷۵ھ میں شاہ علم اللہ نے پہلا حج کیا، ۱۰۸۲ھ میں دوبارہ حجاز تشریف لے گئے، واپسی پر کعبہ کا نقشہ اور اس کی صحیح پیائش ساتھ لائے اور خام مسجد کی جگہ پر پختہ مسجد بنائی، اور بالکل کعبہ کی شکل پر خدا کا گھر تعمیر کیا، اس وقت کئی صاحبزادے جوان تھے، سعادت مند بیٹوں کی مدد سے خدا کا گھر تیار کیا اور اس کی بنیاد میں آب زمزم ڈالا اور اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی اولاد کو وہیں اس نیت سے آباد کیا۔ ۱۰۹۶ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۶۳ رسال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مسجد کے مشرقی جنوبی گوشہ میں بلند جگہ پر مدفون ہوئے جواب ایک چہار دیواری سے گھری ہوئی ہے، انتقال کی شب کو عالمگیر نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انہوں نے کہا اس رات میں سید شاہ علم اللہ حسنی کی وفات ہوئی ہوگی کہ وہ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم تھے (اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ غلام علی مجددی کے ملفوظات ''درالمعارف میں ہے)۔ بحر ذخار میں ہے عالمگیر نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ اور ارواح مقدسہ کا اجتماع دیکھا اور کسی آزاد مشرب صوفی نے یہ تعبیر دی۔

سید شاہ علم اللہ کے بہت سے ملفوظات مختلف علماء نے نقل کئے ہیں جو اتباع سنت معرفت وولایت، صفائی باطن، صبر کی حقیقت

اور دوسرے مضامین پر مشتمل ہیں اور مختصر مقالہ بھی جو ''قوت عمل'' کے نام سے طبع بھی ہوچکا ہے، سید شاہ علم اللہ کے رسالوں اور تصنیفات میں ''قوت العمل'' اور ''عطیات'' کے علاوہ کوئی چیز محفوظ نہیں''۔(۱)

سید شاہ آیت اللہؒ

حضرت شاہ علم اللہ حسنی کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں، سبھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے، سید شاہ آیت اللہ، سید ابو حنیفہ، سید محمد ہدی، سید محمد جی، سید محمد جی کے دو صاحبزادے، مولانا سید محمد حکم (صاحب تفسیر القرآن الکریم، عربی وفارسی) اور مولانا شاہ سید محمد عدل عرف شاہ لعل تھے دونوں ہی علم وفضل رشد وہدایت میں بہت بڑھے ہوئے تھے، سید محمد جی نے اپنے والد کے طریقہ پر شہر رائے بریلی میں محلہ دائرہ (اندرون قلعہ) کعبہ نما مسجد بنائی اور مدرسہ وخانقاہ آباد کی، اب وہی مسجد دعوت وتبلیغ کا مرکز ہے۔

سید محمد ہدی کے پوتے سید محمد عرفان بن سید محمد نور حضرت سید احمد شہیدؒ کے والد گرامی ہیں، دوسرے پوتے مولانا سید محمد نعمان حسنی مصنف اعلام الھدی بھی بڑے صاحب علم وفضل تھے اور بیت المقدس کے سفر میں وفات پاکر حظیرۂ سیدنا موسی علیہ السلام میں مدفون ہوئے، سید ابو حنیفہ کی نسل نہیں چلی اور ان کا عین جوانی میں اپنے والد کی حیات میں ہی انتقال ہوگیا، حضرت سید شاہ آیت اللہ فرزند اکبر تھے اور وہی اپنے والد کے جانشین ہوئے۔

صاحب ''نزھۃ الخواطر'' علامہ عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

السید الشریف آیة الله بن علم الله الحسنی الحسینی

---

(۱) بحوالہ سابق ص: ۳۶-۳۷، تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو ''تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی'' از مولانا سید محمد الحسنی مطبوعہ مکتبہ اسلام لکھنؤ، اور سید احمد شہید اکاڈمی، رائے بریلی

النصیر آبادی ثم البریلوی احد الرجال المعروفین بالفضل والصلاح، حفظ القران وتفقه علی والده واخذ عنه الطریقة وتولی الشیاخة بعده سنة ست وتسعین والف، وکان رجلا فاضلًا شهماً مقداماً صالحاً ذاقناعة وعفاف وسخاء، زین مسندالارشاد بعد والده عشرین سنة اخذ عنه الشیخ محمد اشرف وخلق آخرون مات فی الثانی عشر من رجب سنة ست عشرة ومأة والف ودفن عند والده کما فی اعلام الهدی۔

(سید شریف آیت اللہ بن علم اللہ حسنی الحسینی نصیر آبادی رائے بریلوی فضل وصلاح میں معروف ومشہور بزرگوں میں تھے، حافظ قرآن تھے، علم فقہ اپنے والد سے حاصل کیا، اور سلوک بھی انہی سے طے کیا اور پھر ان کے بعد ان کی مسند پر ۱۰۹۶ھ میں بیٹھے، بڑے فاضل صاحب شہامت و اقدام بزرگ تھے، صلاح و قناعت، عفت اور جود وسخا ان کے خاص اوصاف تھے، مسند ارشاد کو بیس سال زینت بخشی، ان سے استفادہ کرنے والوں میں مولانا محمد اشرف اور دوسرے حضرات ہیں، ۱۸/ رجب ۱۱۱۶ھ کو وفات پائی، اور اپنے والد (حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ) کے پہلو میں مدفون ہوئے)۔(۱)

شاہ محمد آیت اللہ ۱۰۵۳ھ کو دائرہ شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید بہت اچھا یاد تھا، ایک بار انہوں نے اپنے چچا حضرت دیوان خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کو

(۱) روضہ شاہ علم اللہ میں داخل ہوتے ہی باب الداخلہ پر ان کے پہلو جو جگہ خالی تھی وہ جگہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ہوئی، اور ان کے سرہانے صاحب سوانح مولانا محمد ثانی حسنی مدفون ہیں، پندرہ قبروں کے ساتھ یہ حظیرہ اب مکمل ہو چکا ہے۔

نصیر آباد میں ایک ہی شب پورا قرآن مجید سنا دیا تھا، پھر اس کے بعد اپنے والد کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں اطمینان سے پورا قرآن مجید تراویح میں سنایا۔

شاہ آیت اللہ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ علم وعمل زہد وورع میں اپنے والد کے نقش قدم تھے اور ان سے ہی سلوک کی تعلیم حاصل کی تھی، تیسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ بڑے شجاع اور مجاہد تھے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

''جسمانی قوت اور طاقت بھی خداداد ملی تھی جہاد کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا''۔(۱)

جذبۂ خدمت خلق کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''ایک بار اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ وہ سفر کر رہے تھے، راستہ میں دریائے گنگا پڑا، دریا بڑھا ہوا تھا کشتی موجود نہ تھی، آپ نے اپنے ساتھیوں کا سارا سامان اور کپڑے اپنے سر پر رکھے اور پیرتے ہوئے دریا پار کر لیا''۔(۲)

بہادری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک بار ان کے والد ماجد حضرت سید شاہ علم اللہ کے دست بابرکت پر ایک شخص جو اپنی قوم کا سردار تھا مسلمان ہوا لیکن واپس ہو کر مرتد ہو گیا، حضرت شاہ صاحب کے حکم سے حضرت سید آیت اللہ تن تنہا گئے اور کئی سو جوانوں کے درمیان سے اس چودھری کو گرفتار کر کے لے آئے اور کوئی اس کو چھڑا نہ سکا''(۳)

والد کے بڑے مطیع وفرمانبردار اور معاون ومساعد تھے، ۱۰۸۳ھ میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ علم اللہ کے ساتھ جب انہوں نے مسجد تعمیر کی تو یہ پوری اس تعمیر میں

(۱) خانوادۂ علم اللہی، ص:۴۱ (۲) خانوادۂ علم اللہی، ص:۴۱ (۳) خانوادۂ علم اللہی، ص:۴۱

شریک رہے، ۱۰۹۶ھ میں والد کی جگہ مسند تربیت وارشاد پر بیٹھے، ۱۱۰۱ھ میں سلطان عالمگیر اورنگ زیب نے ایک معافی کی سند عطا کی۔

۱۱۱۶ھ کے شروع میں جنوب ہند تشریف لے گئے اور اورنگ زیب عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) کے لشکر میں شمولیت اور جہاد پیش نظر تھا، راستہ میں وقت موعود آپہنچا اور اس طرح فی سبیل اللہ وفات پائی۔

پانچ صاحبزادے سید محمد احسن، سید محمد ضیاء، سید عظیم الدین شہید، سید محمد فیاض اور سید محمد صابر ہوئے، اہلیہ سیدہ سلیمہ بنت سید قطب عالم بڑی خدا رسیدہ خاتون اور صاحب علم تھیں جنھوں نے اپنے خسر شاہ علم اللہ سے راہ سلوک بھی طے کیا تھا اور ان کی مجاز ارشاد بھی تھیں اور ان کی نسبت خاصہ سے حظ وافر رکھتی تھیں۔

سید شاہ آیت اللہ کے جانشین سید محمد ضیاء ہوئے جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، ان کے دو صاحب علم وفضل صاحبزادے مولانا سید محمد معین اور حضرت شاہ سید ابو سعید حسنی ہیں جو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے اخص الخواص مسترشدین وتلامذہ میں تھے، حضرت سید شاہ ابو سعید حسنی کا اثر ورسوخ جنوب ہندوستان میں زیادہ تھا اور سلطاب ٹیپو شہید اور ان کا خاندان ان سے اور ان کے صاحبزادے مولانا شاہ سید ابواللیث سے متعلق رہا اور ان کی صاحبزادی سیدہ نجیبہ مرحومہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ہیں۔

مولانا سید محمد صابرؒ

مولانا سید محمد صابر حضرت شاہ آیت اللہ کے صاحبزادے اور اپنے بھائی حضرت سید محمد ضیاء کے جانشین تھے(۱) والدہ ماجدہ کے اشارے پر دہلی جا کر حضرت شیخ محمد صدیق فرزند خواجہ محمد معصوم پسر حضرت مجدد الف ثانی سے سلوک طے کیا اور خلافت

(۱) حضرت سید محمد ضیاء کے صاحبزادے حضرت شاہ ابو سعید حسنی پر مولانا نسیم احمد فریدی کی کتاب ''حضرت سید شاہ ابو سعید حسنیؒ'' لائق مطالعہ واستفادہ ہے۔

پائی، اور خاندانی نسبت اپنے بھائی حضرت سید شاہ محمد ضیاء سے حاصل کی اور اپنی والدہ سے بھی کسب فیض کیا جنھیں حضرت شاہ علم اللہ کی نسبت خاص حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے ظاہری وجاہت اور حسن وجمال بھی خوب عطا کیا تھا، بڑے خوش الحان قاری تھے قرآن مجید جوان کے پیچھے سن لیتا بے قابو ہوجاتا اور اس پر رقت وگریہ اور حال طاری ہوجاتا، حسن صورت حسن صوت کے ساتھ حسن کردار کی دولت بھی حاصل تھی، حسن عمل حسن اخلاق، سخاوت وفیاضی عبادت وریاضت زہد وورع فقر واستغناء کی دولت بھی پائی تھی، جو آتا اس کو خالی ہاتھ یا خالی دامن واپس نہ کرتے اور لوگ بامراد ہوکر جاتے، زمین وجائداد جو کچھ تھی اس سے طالبین سلوک، مسافروں محتاجوں کی ضرورتیں پوری کرتے اور خود بقدر کفاف لیتے، ۱۱۶۳ھ میں دائرہ حضرت شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں وفات پائی اور مسجد کے غرب وشمال کے حصہ میں سپرد خاک ہوئے جواب حظیرۂ صابر کہلاتا ہے اور خانوادۂ علم اللہی کے افراد اسی میں مدفون ہوتے ہیں۔

مولانا سید محمد واضح محدثؒ

مولانا سید محمد صابر کے صاحبزادے ہیں، اپنے والد کے جانشین ہوئے اس طرح علم اللہی مسند ارشاد وتربیت کو علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ رونق بخشی، درسیات اپنے والد ماجد اور ملا عبد اللہ امیٹھوی سے پڑھیں اور استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلی کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہے اور استفادہ کرتے رہے، تکمیل علوم ظاہری کے بعد طریقۂ نقشبندیہ احسنیہ اپنے والد سے حاصل کیا اور ان کے ارشاد کے مطابق دہلی حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحاح کی سند خاص طور سے جامع صحیح البخاری کی سند حاصل کی اور سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوکر فیضیاب ہوئے اور اجازت حاصل کرکے صحاح کی تدریس، طلبہ کی تعلیم اور مریدین کی رہنمائی میں ممتاز ہوئے، مولانا عبد الحی حسنی نے علامہ عبد اللہ امیٹھوی، علامہ نظام الدین فرنگی محل صاحب درس نظامی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث سے ان

کے استفادہ کا حال بیان کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"واخذ الحدیث عن الشیخ المسند ولی اللّٰہ بن عبدالرحیم العمری الدھلوی ولبس منہ الخرقۃ القادریۃ ثم رجع الی بلدتہ واجازہ والدہ الشیخ الحلیل السید محمد صابر الحسنی فی الطریقۃ الاحسنیۃ"۔(۱)

والد کے انتقال کے بعد تکیہ کلاں رائے بریلی میں تربیت مریدین ہدایت خلق اور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، تکیہ کی مسجد درسگاہ اور خانقاہ تھی جبکہ ان کے برادرعم زاد شاہ ابوسعید حسنی کی تربیت گاہ قریب ہی میدان پور سے پہلے تھی جہاں اب ان کا مقبرہ اور ایک گاؤں پروا آباد ہے جس سے متصل دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ملحق ایک مشہور تعلیمی ادارہ مدرسہ ضیاء العلوم قائم ہے۔

ان دونوں بزرگوں کا فرق مولانا محمد ثانی حسنی نے اس طرح بیان کیا ہے:

''اس وقت دائرہ شاہ علم اللہ میں دو بزرگوں کا اجتماع تھا ایک شاہ سید ابوسعید حسنی دوسرے مولانا سید محمد واضح حسنی، اور دونوں کا چشمۂ فیض جاری تھا، شاہ ابوسعید حسنی جودوسخا، مہمان نوازی اور فیاضی کے مصدر تھے اور مولانا محمد واضح زہد وقناعت اور ایثار وتوکل کے پیکر تھے، والد ماجد کے انتقال کے زمانہ میں بھی اور ان کے انتقال کے بعد بھی اپنے استاد ومرشد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے مکاتبت کا سلسلہ جاری رکھا اور فیوض باطنی کا اکتساب کرتے رہے''۔(۲)

''نزہۃ الخواطر'' میں ہے: "واثنی السید الامام احمدبن عرفان الشھید علی قوتہ الباطنیۃ"، وقائع احمدی میں ہے کہ دائرہ شاہ علم اللہ کی مسجد میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے مولانا شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحی بڈھانوی اور دوسرے اہل علم

(۱) نزہۃ الخواطر جلد:۷ص:۵۱۰ (۲) خانوادۂ علم اللّٰہی، ص:۸۰

حضرات کے سامنے مولانا محمد واضح صاحب کا بڑے بلند الفاظ میں تذکرہ کیا اور ان کا ایک واقعہ بیان کیا جس میں ان کے کشف وکرامات خرق عادت اور تصرف باطنی کا حال تھا۔ وقائع احمدی کے نسخہ مخطوطہ میں اس کی تفصیل موجود ہے جس کا عکس حضرت شاہ سید نفیس الحسینی سید احمد شہید اکاڈمی لاہور سے طبع کرا چکے ہیں۔(۱)

مولانا سید محمد واضح کے محاسن کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے لکھا ہے کہ:

> ''اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد واضح کو عمل وتقویٰ و پرہیزگاری اور شخصیت کے ساتھ خودداری وخود اعتمادی اور اپنے مسلک یعنی سنت پر عمل، توحید پر سختی سے کاربند رہنے اور شرک وبدعت سے نفور میں تصلب عطا فرمایا تھا۔ وہ اظہار حق کی راہ میں بڑے سے بڑے صاحب اقتدار اور علماء ومشائخ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے''۔(۲)

مولانا سید محمد واضح کے کئی صاحبزادگان ہوئے، مولانا سید محمد جامع، مولانا سید غلام جیلانی، مولانا سید قطب الہدیٰ محدث، اور سید معصوم احمد، سید معصوم احمد کو یکہ بعد دیگرے حضرت سید احمد شہید کی دو بہنیں منسوب ہوئیں، سید معصوم احمد کا داعیانہ کردار تھا، ان کے ہاتھ پر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔(۳)

مولانا سید قطب الہدیٰ بڑے جلیل القدر عالم ومحدث اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد اور شاہ غلام علی دہلوی کے مرید تھے، ان کے انتقال کے وقت ان کے

---

(۱) تین جلدوں میں مولانا سید سحبان ثاقب ندوی بھٹکلی کی تحقیق کے ساتھ یہ کتاب مکتبۃ الشباب العلمیۃ، لکھنؤ سے طبع ہوئی ہے۔

(۲) مولانا محمد واضح (خانوادہ علم اللہی)

(۳) مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے تکیہ سے متصل گاؤں میدان پور میں واقع مدرسہ ضیاء العلوم کی تعارفی تحریر میں وہاں آباد مسلمانوں کے مورث وجد اکبر کو انہیں کے ہاتھ پر داخل اسلام ہونے کی بات تحریر فرمائی ہے۔

پاس حضرت سید احمد شہید موجود تھے۔

مولانا سید محمد جامع سب سے بڑے صاحبزادے اور اپنے والد کے جانشین تھے باوجود یہ کہ حضرت سید احمد شہید سے عمر میں خاصے بڑے تھے لیکن جب وہ حج کو تشریف لے جارہے تھے تو ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے اور ان کے بھائی مولانا سید غلام جیلانی بھی بیعت ہوگئے، حضرت نے خصوصیت سے ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی، حضرت سید احمد شہید کے دور میں جب تکیہ کی خانقاہ مرجع خلائق بنی تو مولانا سید محمد جامعؒ مسجد کے متولی، خانقاہ کے منتظم تھے، اور حکومت وقت کی جانب سے تولیت نامہ بھی ان کو حاصل تھا۔

مولانا سید غلام جیلانیؒ

حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی محدث رائے بریلوی کے صاحبزادے ہیں، اور انہی کے واسطہ سے حضرت مولانا محمد واضح صاحب کی نسل آباد ہے، جب حضرت سید احمد شہید حج کو تشریف لے جارہے تھے تو یہ تینوں بھائی مولانا سید محمد جامع، سید معصوم احمد اور مولانا غلام جیلانی دریائے سئی کے ایک کنارے ایک باغ میں بیعت وارادت سے مشرف ہوئے، ۱۱۷۵ھ میں دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے،، غلام جیلانی تاریخی نام ہے، درسیات کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، پھر علمائے لکھنؤ سے کچھ پڑھا اور دہلی جا کر حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں کچھ وقت گزارا، نحو وصرف میں بڑی مہارت حاصل کی، عمر بھر تدریس کو مشغلہ بنائے رکھا، حضرت سید احمد شہید سے عمر میں ۲۵ر سال بڑے تھے لیکن بڑا احترام اور محبت کا معاملہ کرتے تھے، ۱۹ر شوال ۱۲۳۶ھ کو دوشنبہ کے دن بعد مغرب حضرت سید احمد شہید کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے، قرآن شریف بہت اچھا یاد تھا اور بکثرت تلاوت کرتے تھے، حق گو اور نہایت جری تھے، بڑے عبادت گذار صابر ومتوکل زاہد وقانع تھے،، خط بڑا پاکیزہ تھا، ایک بیاض لکھی جو نسخہ جات شعر وادب تصوف، سلوک، فتاوی اور تاریخ کا ایک کشکول تھا، افسوس کہ وہ ضائع

ہوگیا، باغبانی کا بڑا شوق تھا، خود اپنے ہاتھوں درخت لگاتے، اور اس کی دیکھ بھال اور پرورش کرتے، جب ضعف بڑھ گیا تو ایک خچر تھا جس پر سوار ہوتے ارد گرد شاگرد اور خدام رہتے، ۱۲۵۴ھ یا ۱۲۵۵ھ میں اسی (۸۰) سال کی عمر میں انتقال کیا، دو عالی مرتبت صاحبزادے مولانا سید سعید الدین اور مولانا سید محمد ظاہر تھے۔

مولانا سید سعید الدین اور مولانا سید محمد ظاہر حسنی

مولانا سید غلام جیلانی کے دونوں صاحبزادے مولانا سید سعید الدین اور مولانا سید محمد ظاہر دینی علم وصلاح اور صاحب رشد وفلاح تھے، دونوں کا ارادت واسترشاد کا تعلق امیر المومنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور موخر الذکر مولانا سید محمد ظاہر حسنی حضرت کے خلیفہ بھی تھے۔

مولانا سید محمد ظاہر ۱۱۹۸ھ میں دائرہ شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے اپنے عم بزرگوار مولانا سید قطب الہدیٰ محدث سے درسیات پڑھیں اور حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلوک کی تکمیل کی خلافت حاصل کی، آپ کی معیت میں حج بھی کیا اور طویل صحبت اٹھائی، ایک اچھے خطیب اور واعظ تھے، آپ کی اس خصوصیت سے حضرت سید صاحب شہید قدس سرہ فائدہ اٹھاتے تھے، فقہ کے جزوی مسائل پر گہری نظر تھی، لیکن متفق علیہ مسائل کو بیان کرتے، محقق عالم تھے، مسائل کی تنقیح اور احادیث کی تحقیق کا اہتمام تھا اور آپ کے فتاویٰ کا مشرقی اضلاع اعظم گڑھ، جون پور، غازی پور وغیرہ میں بڑا اعتبار تھا اور آپ کے فیصلے بے چوں چرا تسلیم کئے جاتے تھے، حضرت سید احمد شہید نے آپ کو طرق خمسہ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، مجددیہ، محمدیہ میں خلافت دی تھی، سلوک میں ''خیر المسالک'' رسالہ ترتیب دیا، اس کے علاوہ عقیدہ، فقہ، اور تصوف میں دوسرے رسائل بھی ہیں، حضرت سید صاحب کے رفقاء میں مولانا شاہ اسمٰعیل شہید سے بڑی مناسبت تھی، انہی کے ساتھ برابر اٹھنا بیٹھنا رہتا، حضرت سید صاحب کے ملفوظات ''صراط مستقیم'' کو جب ترتیب دیا جارہا تھا تو اس کی تسوید وتبییض کے وقت

مولانا شاہ اسماعیل شہید کے ساتھ مولانا محمد ظاہر حسنی بھی تھے، وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے، ان کے اشعار فارسی، ہندی، اردو تینوں زبانوں میں مقبول ہوئے، ان کا یہ وصف ان کی صحبت وشاگردی میں رہ کر بھرپور استفادہ کرنے والے عزیز نواسہ مولانا سید فخر الدین میں منتقل ہوا اور انہوں نے سلوک میں بھی آپ سے استفادہ کیا اور مجاز بھی ہوئے۔

مولانا سید محمد ظاہر حسنی فنون سپہ گری خصوصا بانک بنوٹ بندوق نشانے میں اساتذہ وقت میں تھے ۲۲/محرم الحرام ۱۲۷۸ھ کو اپنے حجرہ (متصل روضہ شاہ علم اللہ) میں وفات پائی اور حظیرہ مولانا محمد صابر میں مدفون ہوئے، کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی دو بیٹیاں ہوئیں جو یکے بعد دیگر مولانا سید عبدالعلی نصیرآبادی کو منسوب ہوئیں دوسری صاحبزادی بی بی فاطمہ مولانا سید فخر الدین خیالی کی والدہ تھیں۔

جہاں تک مولانا سید سعید الدین کا تعلق ہے وہ اپنے بھائی مولانا سید محمد ظاہر سے ۱۵/سال چھوٹے تھے ۱۲۱۳ھ میں دائرہ حضرت شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے، محمد صابر نام تھا، ان کا عنفوان شباب تھا، جب تکیہ میں حضرت سید احمد شہید کی خدمت میں علماء واصفیاء کا اجتماع تھا اور اہل فضل وکمال سمٹ کر یہاں جمع ہوگئے تھے، ان تمام لوگوں میں مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید سے گہرا ربط وتعلق تھا اور وہ ان کی علمی مجلسوں میں برابر شریک ہوتے اور علمی استفادہ کرتے،، ''صراط مستقیم'' بہت پسند تھی۔ اور وہ اسے اکثر پڑھتے اور دوسروں کو سناتے، وہ کہتے کہ مولانا اسماعیل شہید خود مجھ سے فرماتے تھے کہ میں نے ''صراط مستقیم'' اس طرح لکھی ہے کہ حضرت جو مضمون بیان فرماتے میں لکھ لیتا پھر حضرت کو سناتا، جہاں وہ ترمیم فرماتے میں اپنے لکھے ہوئے کو کاٹ دیتا اور وہ لکھ لیتا، واقعہ یہ ہے کہ مولانا سید سعید الدین نے حضرت سید احمد شہید کی کیمیا اثر نظر اور اہل کمال کی صحبت سے بڑا فائدہ اٹھایا، حضرت کی شہادت کے بعد انہوں نے تکیہ سے نکل کر حیدرآباد (آندھرا) کلکتہ (بنگال) مظفر پور (بہار) کا سفر کیا، اور اعلی دینوی تعلیم حاصل کر کے دین ودنیا دونوں کے جامع بنے، اللہ نے فضل فرمایا، زمینیں خریدیں، باغات لگائے، اور اس کے نفع سے بیواؤں، یتیموں، بیکسوں،

قرابت داروں کے ساتھ بڑی فیاض دلی سے معاملہ کیا، دوصاجبزادے تھے، مولانا سید رشید الدین، مولانا سید شاہ ضیاء النبی، دونوں میں جائداد اپنی حیات میں تقسیم کردی، اور بروز جمعہ بعد غروب آفتاب ۲۳/ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ کو اسّی (۸۰) سال کی عمر میں وفات پائی۔

مولانا سید عبدالحی حسنی نے بڑے بلند الفاظ میں ان کا تذکرہ لکھا ہے:

”کان عالما فقیھا صالحا دینا عفیفا صدوقا ذاسخاء وکرم لم یکن فی زمانہ مثلہ فی حسن المعاملہ والصدق والاحتراز عن السمعة والریاء والکبر والخیلاء“.(۱)

(عالم، فقیہ، صالح، دین دار، پاکباز، راست گو، سخی، کریم النفس بزرگ تھے، حسن معاملہ، صداقت قول وفعل میں ان کا جیسا ان کے زمانہ میں دوسرا نظر نہیں آتا تھا، شہرت، ریا، تکبر، غرور سے کوسوں دور تھے)

مولانا سید رشید الدین ومولانا سید شاہ ضیاء النبی حسنی

مولانا سید سعید الدین محمد صابر حسنی کے دو صاجبزادے مولانا سید رشید الدین اور مولانا سید وحید الدین (شاہ ضیاء النبی حسنی) تھے مولانا سید رشید الدین ۱۲۳۹ھ میں دائرہ حضرت شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے، ابتدائی درسیات اپنے جدامجد مولانا سید غلام جیلانی سے پڑھیں اس طرح بیک واسطہ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد بھی ہوئے، بقیہ تعلیم مولانا نور احمد خاں شاگرد مولانا غلام جیلانی سے اور پھر لکھنؤ جاکر مولانا عبدالرزاق فرنگی محلی سے صرف ونحو اور علوم عالیہ کی تعلیم حاصل کی، پھر جائداد کا نظم ونسق سنبھالا، لہو ولعب سے بہت پرہیز کرتے، خلاف شرع حرکت برداشت نہ

(۱) نزھۃ الخواطر جلد سابع

کرتے، نگاہ نیچی رکھتے، اسراف وتبذیر سے اجتناب کرتے، باوجود کہ سخی اور خرچ کرنے والے تھے، تلاوت قرآن کے بڑے پابند، باجماعت مسجد میں نماز ادا کرنے والے تھے، چاہے اندھیری رات ہو یا برسات کی کیفیت، آخر عمر میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے، حج کے بعد عبادت میں یکسو ہوگئے تھے اور زمین وجائداد و باغات کی نگرانی اور نظم وانصرام اپنے فرزند مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی کے سپرد کردیا تھے۔

مولانا سید عبدالعلی نصیرآبادی کی صاحبزادی سیدہ فخرالنساء سے نکاح ہوا، پانچ صاحبزادے، سید ظہیرالدین، سید کبیرالدین، سید ضیاء الدین، مولوی سید خلیل الدین احمد اور سید امین الدین احمد ہوئے اور چار صاحبزادیاں۔

مولوی سید خلیل الدین احمد اور مولوی سید امین الدین احمد حسنی کا نکاح اپنے بھائی حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی کی صاحبزادیوں سے کیا، اول الذکر تینوں صاحبزادے زیادہ عمر نہ پاسکے، سب مولانا شاہ ضیاء النبی حسنی کے بھتیجے اور مولانا حکیم سید فخرالدین خیالی کے بھانجے تھے۔

حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ لیکن حضرت سید احمد شہید اس وقت تکیہ رائے بریلی سے ہجرت فرماکر صوبہ سرحد پاکستان میں جہاد میں مشغول تھے، اپنے وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرکے دہلی گئے، جہاں مولانا احمد سعید مجددی اور مولانا عبیداللہ اور مولانا حبیب اللہ برنی سے استفادہ کیا اور تعلیم حاصل کی، پھر لکھنؤ آکر مفتی سعداللہ مرادآبادی سے پڑھا، رائے بریلی آکر حضرت خواجہ احمد نصیرآبادی سے بیعت ہوئے اور ان کی صحبت میں رہے پھر ان کے خلیفہ خواجہ فیض اللہ سے تکمیل سلوک کیا اور خلافت پائی، ۱۲۹۲ھ میں حج کیا، ان کے ساتھ ان کے بھتیجے سید خلیل الدین صاحب تھے جو ان کی زمین وجائداد کی دیکھ بھال بھی کرتے تھے۔ نماز سے ان کو خاص مناسبت تھی راقم الحروف نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے سنا ان سے حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف

علی تھانویؒ نے فرمایا کہ میں نے آپ کے نانا حضرت شاہ ضیاء النبی صاحب سے اچھی نماز پڑھتے کسی کو نہیں دیکھا۔

مولانا محمد ثانی حسنی ان کی نماز کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں:

''پاؤں میں سخت رعشہ تھا لیکن جب نماز کو کھڑے ہوجاتے قدم کو جنبش نہ ہوتی ایک مرتبہ محراب میں کھڑے ہوگئے سارے کھڑے ہونے والے ہمت ہار گئے نوجوان گرگر گئے اور آپ نے پورا قرآن مجید سنا، ایک مرتبہ قرآن مجید پڑھ رہے تھے جوان بیٹی کے انتقال کی خبر آئی صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور پھر پڑھنے لگے''۔(۱)

مصنف نزہۃ الخواطر جو آپ کے داماد بھی ہیں آپ کو "برکة الدنیا، سر الوجود ولب لباب العرفان" سے یاد کرتے ہیں، آپ کے چند خلفاء کے نام اس طرح ہیں۔ مولانا سید محمد امین نصیر آبادی، مولانا ابراہیم آروی (صاحب طریق النجاۃ) مولانا محمد ابوبکر شیث فاروقی ناظم شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ مولانا ابوالخیر بن مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا محمد مکی جون پوری مولانا محمد علی موَوی، مولانا عبدالقادر بن شیخ عبداللہ المہ ی اور آپ کے داماد مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی (صاحب سوانح کے نانا)۔

جمعہ کے دن ۱۶ر ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ کو تکیہ کلاں رائے بریلی میں اپنے آبائی مکان دیوان خانہ میں وفات پائی۔ سید احمد سعید حسنی اور حافظ عبید اللہ صاحب دو صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں بڑی صاحبزادی سیدہ طاہر النساء زوجہ مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی صاحب سوانح کی دادی اور چوتھی صاحبزادی سیدہ خیر النساء بہتر صاحبہ صاحب سوانح کی نانی ہیں ان بہنوں میں دو بہنیں سیدہ صالحہ بی اور خیر النساء

---

(۱) خانوادہ علم اللہی ص:۲۲

بہتر صاحبہ قرآن مجید کی جید حافظہ تھیں، سید احمد سعید حسنی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے خسر اور سید سراج النبی حسنی کے والد ہیں، حافظ سید عبید اللہ کے صاحبزادے مولانا سید ابوالخیر برق بڑے علماء اور محدثین میں سے ہیں تیس ہزار احادیث ان کو زبانی یاد تھیں اور اردو وعربی کے بڑے ادیب وشاعر بھی تھے دوسرے صاحبزادے سید حبیب الرحمٰن مرحوم جید حافظ قرآن اور تکیہ کی نئی نسل کے اتالیق ومربی تھے۔(۱)

اہلیہ حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ:

جہاں تک حضرت شاہ ضیاء النبی کی اہلیہ سیدہ طیب النساء مرحومہ (والدہ ماجدہ مخدومہ خیر النساء بہتر) کا تعلق ہے ان کے متعلق ان کی بلند مرتبت صاحبزادی لکھتی ہیں:

> "والدہ ماجدہ ایک نہایت صالح اور اہل علم خاتون تھیں، انہیں سے میں نے قرآن ناظرہ پڑھا، انہوں نے سوائے ایک مرتبہ کے کبھی نہ جھڑکا نہ مارا، چوں کہ خود مجھے فطری طور پر کھیلنے کودنے کا شوق نہ تھا اور نہ بچوں میں اٹھنے بیٹھنے کا، اس وجہ سے اس کا موقع بھی آنے نہ دیا، والدہ محترمہ نے مجھ کو قرآن مجید کا ترجمہ بھی پڑھایا، اس وقت اس کا رواج ہی یہ تھا کہ بچے ترجمہ والا قرآن پڑھتے تھے"۔(۲)

والدہ سیدہ خیر النساء بہتر اپنے تین بھائیوں سید محمد نعیم، سید محمد یقین، سید محمد یامین میں ایک بہن تھیں، ان کے والد مولانا سید محمد معین حسنی حضرت مولانا محمد ظاہر حسنی (خلیفہ حضرت سید احمد شہیدؒ) کے خلیفہ اور عالم وعامل تھے، حضرت سید محمد امین اگھامیاں کے پوتے اور عظیم مصلح حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی (متوفی

(۱) ان سب کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: خانوادۂ علم اللہی، از: مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ، مطبوعہ سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی

(۲) میری بے زبان استانیاں، ماہنامہ رضوان اپریل ۱۹۶۷ء

۱۹۳۰ء) کے بڑے ماموں زاد بھائی تھے۔(۱)

مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی:

مولوی سید رشید الدین صاحب کے دو فرزند مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی اور سید امین الدین احمد حسنی بڑے ہو کر صاحب حیثیت وصاحب جائداد ہوئے، رئیس تکیہ اور زمیندار تھے، سید خلیل الدین احمد صاحب کو اللہ نے گوناگوں صفات وخصوصیات سے نوازا تھا وہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور ان دونوں بھائیوں میں آپس میں بڑی محبت تھی، دہلی اور اس کے اطراف کا جب مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے سفر کیا تو ان کی رفاقت میں کیا تھا ان کا گنگوہ جاکر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت کا ارادہ تھا جو اس سفر میں پورا ہوا انہوں نے اپنے صاحبزادے کا پیغام مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کو ان کی صاحبزادی سیدہ امۃ اللہ العزیز کیلئے بھیجا جو منظور ہوا اور یہ رشتہ بڑا مبارک ثابت ہوا کہ ان سے جو اولاد ہوئی وہ صاحب علم وفضل اور صاحب رشد وصلاح ہوئی جس میں مولانا سید محمد ثانی حسنی اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اپنی کتابوں دینی وعلمی خدمات اور دعوتی کارناموں اور ظاہری وباطنی کمالات میں معروف ومقبول خاص وعام ہیں۔مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے دادا سید خلیل الدین مرحوم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

۱۲۷۲ھ ۱۹۵٦ء کو تکیہ شاہ علم اللہ میں پیدا ہوئے، ۲۱ سال کی عمر میں اپنے عم مکرم مولانا شاہ ضیاء النبی کے ساتھ حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور والد کے انتقال سے پہلے والد کے حکم سے جائیداد کا انتظام سنبھالا، نہایت متین وحلیم اور منتظم تھے، اوائل عمر ہی سے علم کا شوق اور اہل علم ودین کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شوق تھا۔خاندان کے انساب اور حالات وواقعات پر گہری نظر رکھتے تھے، طبیعت میں وقار ومتانت بہت

(۱) حالات کے لیے ملاحظہ ہو: خانوادۂ علم اللہی

تھی، ان کی مجلس میں رعب رہتا، اطراف وجوانب میں بڑا اثر تھا عمائد اور حکام میں بھی کافی رسوخ تھا، آخر میں رائے بریلی میں آنریری مجسٹریٹ بھی ہو گئے تھے اور مقدمات فیصل کیا کرتے تھے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ سے قلبی تعلق تھا اور اپنی ہر مجلس میں حضرت سید احمد شہید کا بڑا ذکر کرتے، خواہش تھی کہ ان کے سلسلہ میں بیعت ہوں ان کی نظر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی محدث پر پڑی، اپنے برادر عزیز مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب کے ہمراہ گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت کی خواہش ظاہر کی، حضرت مولانا گنگوہی نے استخارہ کروایا اور حضرت سید احمد شہید کے سلسلہ احمدیہ محمدیہ میں ۱۲/ شعبان ۱۳۱۲ھ کو بعد نماز عصر بیعت ہوئے۔

حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ کی بڑی صاحبزادی سے نکاح ہوا، خاندان کے ایک مربی واتالیق کی حیثیت رکھتے تھے، مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر مرحومہ نے انہیں اپنے محسنوں میں شمار کیا ہے۔

شرک وبدعت سے بڑی نفرت کرتے، ۱۳۲۳ھ میں جب دائرہ شاہ علم اللہ کی آبائی مسجد شکست ہوگئی تو خاندانی بزرگوں نے اس کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا، آپ کی امانت ودیانت اور استغناء کے پیش نظر سب نے متفقہ طور پر آپ کو مسجد کا خازن بنایا اور آپ کے انتظام وانصرام میں مسجد کی تعمیر وترمیم پایہ تکمیل کو پہنچی۔ مولانا سید محمد ظاہر حسنی کی کتاب خیر المسالک آپ ہی نے طبع کرائی تھی ۷۶ سال کی عمر میں شعبان ۱۳۵۲ھ نومبر ۱۹۳۲ء کو دائرہ شاہ علم اللہ میں انتقال کیا اور مسجد کے شمال مغربی کونے کے متصل مدفون ہوئے۔ ایک فرزند سید رشید احمد (جن کا نام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی پر رکھا تھا) اور ایک دختر بتول بی بی (زوجہ حافظ سید عبداللہ حسنی ووالدہ سید حسن مجتبیٰ وسید حسن مثنیٰ وسید محمد مسلم حسنی) یادگار چھوڑا۔(۱)

جہاں تک سید امین الدین احمد صاحب کا تعلق ہے انہوں نے سرکاری ملازمت کی تھی لیکن پھر اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور خانہ نشیں ہو گئے۔ حضرت شاہ ضیاء

(۱) خانوادہ علم اللہی ص: ۲۵۴-۲۵۵

النبی کی صاحبزادی سیدہ عاصمہ سے نکاح ہوا، ایک صاحب زادے بیرسٹر سید محمد احمد حسنی مرحوم (کراچی) ایک دختر سائرہ بی زوجہ سید صدیق احمد مرحوم ہوئیں ۴؍۱۳۵۵ھ ۱۹۳۵ء میں تکیہ رائے بریلی میں وفات پائی راقم نے اپنے دادا سید محمد مسلم حسنیؒ سے سنا وہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ دم واپسیں کے قریب وہ فرمانے لگے، اگر عقیدہ پر فیصلہ ہوگا پھر تو بیڑا پار ہے اور اگر اعمال پر فیصلہ ہونا ہے تو اللہ غفورٌ رحیمٌ ہے وہ کہتے ہیں کہ چند ہی لمحات کے بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

جد مادری مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی کے خلف ارشد حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی کے خلیفہ اور داماد اور ان دونوں بزرگوں کے روحانی جانشیں اور خاندان کے علمی و دینی میراث کے حامل و امین حضرت سید احمد شہید کے خصوصی فیض یافتہ اور مرید مولانا سید عبدالعلی نصیر آبادی کے حفید اور دوسرے تربیت یافتہ اور مجاز مولانا سید سراج الدین ہنسوی کے نواسہ اور عارف باللہ حضرت مولانا سید شاہ عبدالسلام ہنسوی کے فیض یافتہ اور بھانجے اور استاذ العلماء مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے تلمیذ ارشد، مصنف، محدث، مورخ ادیب، داعی، منتظم، مربی و معلم گوناگوں صفات وکمالات کی حامل شخصیت تھے۔ جب ندوۃ العلماء کی تحریک شروع ہوئی تو اس کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنی خدمات اس کے لیے وقف کیں، یہاں تک کہ بہ اتفاق آراء ۱۹۱۵ء میں اس کے ناظم منتخب ہوئے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔

مولانا سید عبدالحی حسنی نے اپنے عہد کے مرجع خلائق مشائخ واساتذہ سے بھی استفادہ کیا، مشائخ میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا سید رشید احمد گنگوہی، کا نام نامی کافی ہے اور اساتذہ عصر میں حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور علامہ محدث شیخ حسین بن محسن انصاری خزرجی یمانی (مقیم بھوپال) کا نام سرفہرست ہے۔

ملی اور تعلیمی کاموں میں آپ کا جن اہم شخصیتوں کو تعاون حاصل ہوا ان میں حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم ندوۃ العلماء اور علامہ شبلی نعمانی اول معتمد تعلیم ندوۃ العلماء کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

اور آپ کو جن حضرات کا خصوصیت سے تعاون حاصل ہوا ان میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی والا جاہ نواب سید نور الحسن خاں حسینی قنوجی (مقیم لکھنو) اور ان کے بھائی نواب سید علی حسن خاں صاحب کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ اعزہ و اقارب میں آپ کے پھوپھی زاد بھائیوں مولانا سید خلیل الدین تکیوی، مولانا سید ابوالقاسم ہنسوی اور مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی (والد مولانا سید ابوبکر حسنی صاحب) نے آپ کا بہت ساتھ دیا اور آپ کو ان سے بڑی مناسبت رہی۔

پہلا نکاح ماموں مولانا سید عبدالعزیز ہنسوی کی صاحبزادی سیدہ زینب سے ہوا جن سے فرشتہ صفت انسان مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی پیدا ہوئے۔ ان کی وفات پیش آجانے سے آپ کی طبیعت بجھ گئی جس سے آپ کے والد مولانا حکیم سید فخر الدین صاحب بڑے متاثر تھے۔ دوسرا نکاح ان کی خواہش کے احترام میں حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی کی صاحب رشک خاندان صاحبزادی مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر سے کیا اور ان کے بطن سے اللہ نے آپ کو بڑی صالح اولاد عطا کی۔ پہلے دو صاحبزادیاں سیدہ امۃ العزیز مرحومہ اور سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ ہوئیں اور پھر ایک صاحبزادے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تولد ہوئے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی کا نام سید احمد رکھا گیا۔ ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ۔ ۲۲ دسمبر ۱۸۶۹ء کو دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں میں پیدا ہوئے اور لکھنو میں اپنی رہائش گاہ میں ۵۵ سال کی عمر میں ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ۲ فروری ۱۹۲۳ء کو جمعہ کا دن گزار کر سنیچر کی شب میں انتقال فرمائے اور رائے بریلی میں روضہ شاہ علم اللہ میں حضرت شاہ علم اللہ کے پائینتیں مدفون ہوئے۔ تصنیف میں نزہۃ الخواطر جو

مشاہیر مسلمانان ہند کے تذکرے پر مشتمل ہے۔گل رعنا جواردو زبان کے مسلمان شعرااوران کے احوال وکلام پر ہے۔''الھند فی العہدالاسلامی'' جو ہندوستان میں مسلم حکمرانی اوراس کے آثارونقوش پر ہے۔''الثقافۃ الاسلامیۃ'' جو ہندوستان میں اسلامی علوم وفنون کے تعارف میں ہے''تہذیب الاخلاق جواحادیث کا بہترین مجموعہ اوراس کی شرح جواب تنویرالآفاق کے نام سے طبع ہوئی ہے اوراس کے علاوہ فقہ،تصوف، ادب،تاریخ،اوردوسرے موضوعات پر کتابوں کا بیش بہاذخیرہ چھوڑا۔

ان کے خلفاءاورمجازبین میں دونام ملتے ہیں جوفرزنداکبرمولاناحکیم ڈاکٹرسیدعبد العلی حسنی اوردوسرے تلمیذارشدصوفی محمدافضل علی تھلواروی ان دونوں کوآپ نے اپنی جملہ اجازات عطاکردی تھیں۔آپ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد مولاناڈاکٹرسیدعبدالعلی حسنی کے بیعت واصلاح کاتعلق شیخ الاسلام حضرت مولاناسیدحسین احمدمدنی سےاوراور صوفی محمدافضل علی مرحوم نےحکیم الامت مولانااشرف علی تھانوی سے قائم کیا۔

نانی مخدومہ خیرالنساءبہتر (والدہ ماجدہ حضرت مولاناسیدابوالحسن علی ندویؒ)

سیدہ خیرالنساءبہتر مرحومہ ایک رابعہ سیرت اورصاحب شعروتصنیف اوراعلی تربیتی واصلاحی مزاج کی خاتون تھیں جن کی آغوش تربیت سے نکلنے والی ان کی اولاد اوراولادکی اولادکےکام اورمقام سے دنیاواقف ہے،اورپورے خاندان اورسماج پر ان کاسایہ رحمت سایہ فگن تھاجس کےانواروبرکات سے سبھی مستفید ہورہے تھے،اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوان کی سیرت وحالات پر مشتمل کتاب''ذکرخیر''مصنفہ حضرت مولاناسیدابوالحسن علی حسنی ندوی مطبوعہ مکتبہ اسلام لکھنؤ۔افسوس کہ ۱۳۸۸ھ کو ۹۳؍سال کی عمرمیں وفات پاگئیں۔

والدہ ماجدہ حضرت مولاناسیدابوالحسن علی ندوی کو بہت سی خصوصیات موروثی طور پراوراپنے والدین ماجدین کی تربیت وتعلیم سے وہ حاصل ہوئی تھیں جوتعلق مع اللہ، ذوق عبادت،دعاومناجات سے شغف اورصبرورضا،ایثاروقناعت کی صنف سے ہیں،

اس کو ان کی ہی بڑی صاحبزادی سیدہ امۃ العزیز مرحومہ (والدہ مولانا سید محمد ثانی حسنی وغیرہ) کی اس تحریر سے سمجھا جا سکتا ہے جو انہوں نے ان کے ایثار و تربیت سے متعلق اپنے تعلق سے لکھی ہے، وہ رقم طراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے میری والدہ ماجدہ کو صبر و عزیمت، تسلیم و رضا کے صفات و کمالات سے پوری طرح نوازا تھا، میرے نانا حضرت شاہ ضیاء النبی علیہ الرحمہ نے اپنی ان بیٹی کی ایسی تربیت کی تھی کہ زندگی بھر انہوں نے ان کمالات کا مظاہرہ کیا اور کسی وقت بھی ان کے پایہ ثبات کو لغزش نہیں ہوئی، ان کی زندگی میں ایسے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ تسلیم و رضا میں فرق آ سکتا تھا، مگر خدا کی مدد سے انہوں نے فرق نہیں آنے دیا۔

میں اس مضمون میں صرف ایک ہی واقعہ کو پیش کرتی ہوں جس کا مجھ سے تعلق ہے جو اگرچہ ایک معمولی واقعہ ہے، مگر اس میں عبرت و موعظت کے بڑے سامان پوشیدہ ہیں، خصوصاً ان ماؤں کے لیے بڑا سبق ہے جو اپنی اولاد کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر ظاہری شان و شوکت کے پیش نظر ان کی شادیاں کر دیتی ہیں، اور ان کی نظر عاقبت اور انجام پر نہیں ہوتی، میری عمر ۱۴-۱۵ سال کی تھی، میرے لیے کئی جگہ سے پیغام آئے ان میں کئی بڑے خوش حال اور کھاتے پیتے گھرانے تھے، اور جن سے گھر کے تعلقات بھی تھے، ظاہری عقل و دانائی کا تقاضہ تھا کہ میرا رشتہ ان گھرانوں میں سے کسی گھرانے میں کر دیا جاتا، لیکن میری والدہ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اسی درمیان میری خالہ کے یہاں سے بھی پیغام آیا، میری خالہ کا انتقال ہو چکا تھا، خالہ کے جس لڑکے کا پیغام

میرے خالو نے دیا وہ پیدائشی طور پر قوت گویائی اور قوت سماعت سے محروم تھے، نہ وہ بالکل سن سکتے تھے نہ بول سکتے تھے، ہاں لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لیکن میرے والدین نے ان ظاہری موانع کا بالکل خیال نہیں کیا، بلکہ اس خیال سے کہ اگر ہم لوگ یہ رشتہ منظور نہیں کرتے تو اس معذور لڑکے کا رشتہ کہیں اور نہیں ہوسکتا اور اگر ہوگا بھی تو بڑی دشواریوں کے ساتھ ہوگا اور شادی کے بعد یہ گھرنا اتفاقیوں کا مرکز بن سکتا ہے، انتہائی قربانی اور ایثار کا معاملہ کیا، ان کے اس عمل سے میری خالہ کی روح کو جو تسکین پہنچی ہوگی اس کو خدا ہی جانتا ہے، ایک پرچہ لکھ کر ایجاب وقبول کرایا، شادی کے بعد میری والدہ ماجدہ بڑے بے چین ہوگئیں، یہ مشکل کام تو انہوں نے کرلیا، مگر محبت مادری جوش میں آئی، اور مستقبل میں نظر کرکے پریشان سی رہنے لگیں، اور پھر میرے لیے خدا کی جناب گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگیں، میری طبیعت دو وجہ سے بہت آزردہ ہونے لگی (۱) کم عمری میں شادی (۲) رفیق حیات کی معذوری۔

والدہ ماجدہ میری آزردگی اور پژمردگی کو دیکھتیں تو اپنا دل کڑا کرکے مجھ کو سمجھاتی رہتیں، اور محبت ورأفت سے تسلیم ورضا کا سبق دیتیں، اور ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْراً﴾ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، اور ﴿عَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس کو تم برا سمجھتے ہو وہ تمہارے لیے بہتر ہوتا ہے، ان آیات کی روشنی میں تسکین دیتی رہیں، چونکہ میرے والد مولانا حکیم سید عبدالحی لکھنؤ میں مطب کرتے تھے، اور وہیں مقیم تھے، اس لیے لازماً والدہ ماجدہ بھی لکھنؤ میں رہتی تھیں، وہ

برابر خطوط کے ذریعہ نصیحتیں لکھتی رہتیں، اور اکثر آکر میرے پاس رہتیں کہ دل بستگی رہے، نیز تحائف برابر بھیجتی رہتیں کہ میں اپنی نگاہ میں سبک نہ ہو"۔(۱)

ان کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر دعا تھا، وہ خود کہتی ہیں:

"دعاؤں کی طرف دل پھر گیا، مین چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے دعا کرتی، میں ہر وقت ذوق وشوق سے مناجاتیں پڑھتی، جب بے چینی بہت بڑھ جاتی رو رو کر عرض کرتی، سجدہ میں گر جاتی، اور رو رو کر خدا سے دعا مانگتی، میری اکثر دعائیں مناجاتوں کی شکل میں نکلتی تھیں"۔(۲)

پھر تو ان کا حال یہ ہو گیا تھا کہ بقول خود ان کے کہ:

"جیسے خزانۂ رحمت کے دروازے کھل گئے ہوں، اور میں خزانۂ رحمت لوٹ رہی ہوں"۔(۳)

---

(۱) زندگی کیسے گذاریں، ص: ۲۰-۲۱ (۲) رضوان، اپریل ۱۹۶۷ء

(۳) بحوالہ سابق، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: "دعا اور تقدیر" مصنفہ: خیر النساء بہتر مرحومہ

دوسرا باب

شخصیت کے تشکیلی عناصر

ولادت ونشو نما

مولانا سید محمد ثانی حسنی اپنے آبائی وطن دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں بروز جمعہ ۲۵/ دسمبر ۱۹۲۵ء ۹/ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے، دادا مولانا سید خلیل الدین حسنی نے محمد نام رکھا، چونکہ بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے اس لیے محمد ثانی کہلائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ مولانا محمد ثانی حسنی کے نام وولادت اور خاندان کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> عزیز مرحوم اپنے بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے، ان کے دادا صاحب عم محترم مولوی سید خلیل الدین صاحب کو جو خاندان کے سب سے باوجاہت اور صاحب املاک فرد تھے اور جن کو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور نام نامی سے ایسی عقیدت اور ربط قلبی تھا کہ وہ اپنے سب پوتوں کے نام اسی نام نامی پر رکھنا چاہتے تھے، ان کے سب سے بڑے پوتے جو سید محمود حسن کے نام سے مشہور ہوئے اور عین عنفوان شباب میں ان کا انتقال ہوگیا، کا اصلی

نام بھی محمد تھا، اس لیے دوسرے پوتے کا نام انھوں نے امتیاز کے لیے محمد ثانی رکھا، ان کی ولادت پر ان کی والدہ نے (جو میری حقیقی بڑی بہن ہیں بارک اللہ فی حیاتہا) خواب میں میرے والد صاحب کو جن کے انتقال کے تقریباً تین سال کے بعد یہ بچہ تولد ہوا تھا دیکھا کہ وہ بچہ کو گود میں لیے ہوئے تھیں والد صاحب نے اس کے ایک پاؤں کے تلوے پر "مبارک قدم لکھ دیا" بچپن ہی سے رشد وصلاحیت اور غیر معمولی سنجیدگی اور متانت کے آثار نمایاں تھے"۔(۱)

والد ماجد سید رشید احمد حسنیؒ

سید رشید احمد حسنی مرحوم حضرت شاہ علم اللہ کی اولاد میں ان کی نسل کے ایک علمی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، مولانا سعید الدین (جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے رشتہ میں ماموں زاد بھائی اور مرید تھے) کے پر پوتے اور مولانا سید رشید الدین کے پوتے تھے۔

پیدائش ۲۰؍صفر المظفر ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۱۸۹۲ء بروز منگل میں ہوئی، مولوی سید خلیل الدین احمد آنریری مجسٹریٹ کے صاحبزادے تھے، مولوی سید خلیل الدین احمد مولانا سید عبدالحیؒ ناظم ندوۃ العلماء کے پھوپھی زاد بڑے بھائی اور مولانا سید فخر الدین خیالی کے بھانجے اور حضرت مولانا شاہ ضیاء النبیؒ کے معتمد علیہ بھتیجے تھے، مولوی سید خلیل الدین احمد ۱۳۱۲ھ میں گنگوہ جا کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے۔

سید رشید احمد صاحب کا نام حضرت مولانا گنگوہی کے نام پر رکھا، سید رشید احمد پیدائشی طور پر قوت سماعت اور قوت گویائی سے محروم تھے لیکن والد ماجد نے ان کے لیے ایک مستقل استاد رکھا جس نے ان کو اردو انگریزی اور قرآن شریف کی تعلیم دی، ابتدائی تعلیم دینے میں مولانا فخر الدین خیالی نے بھی اہتمام کیا اور ان کو خود پڑھایا، ۱۵ سال کی عمر تھی کہ حضرت شاہ ضیاء النبی جو ان کے حقیقی نانا بھی تھے اور دادا کے حقیقی بھائی

---

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم ص ۳۴۵ طبع سوم

بھی، نیز مولانا فخر الدین خیالی کا انتقال ہوگیا۔ بچپن ہی میں والدہ ماجدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس طرح وہ اپنے نانا حضرت شاہ ضیاء النبی پھر اپنے والد کی پرورش میں رہے، ۲۷ سال کی عمر میں شادی مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی اور وہ زیادہ تر لکھنؤ میں رہنے لگے، علمی مجلسوں اور بڑے لوگوں کی صحبتوں نے ان کے دل ودماغ میں روشن خیالی بھر دی وہ علم آشنا رہے، خدا نے دنیاوی وجاہت بھی دی تھی اور علم ودین کی دولت بھی، اس لیے وہ گونا گوں خصوصیات کے مالک تھے نماز باجماعت کے بڑے پابند، قرآن شریف کی تلاوت اکثر کرتے، مسجد کی خدمت کا اہتمام کرتے، نماز کی سورتیں تسبیحات زبان سے ادا کرتے، جماعت شروع ہونے سے بہت پہلے مسجد پہنچتے اور اپنے عزیز دوستوں کو اٹھاتے بلاتے اور ساتھ لیتے اور مسجد جاتے، بڑھاپے میں جب قوی مضمحل ہو گئے تھے اندھیری راتوں کو مسجد جاتے اور کہتے کہ نماز باجماعت کے لیے تکلیف اٹھا کر جانا بڑے ثواب کی بات ہے۔ اولاد کی نماز میں تساہلی نہ برداشت کرتے اور سخت تنبیہ کرتے، امیروں اور غریبوں سے یکساں تعلق رکھتے، بڑے مہمان نواز تھے دستر خوان پر ایک ایک مہمان پر نظر رکھتے، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے اور ذکر وتسبیح کا اہتمام کرتے، حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا محمد یوسفؒ کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے، دینی جلسوں میں ضرور جاتے اگر چہ نہ سن سکتے نہ بول سکتے مگر صرف شرکت کرنا ثواب جانتے اور آخر تک شریک رہتے جو لوگ ان سے بات کرتے تو اشارے سے کرتے یا کسی کاغذ پر لکھ کر پوچھتے وہ لکھ کر جواب دیتے، انتظامی قابلیت بہت تھی والد کے انتقال کے بعد جائداد کا انتظام خوب کیا، جائداد بڑھائی اور گھٹائی نہیں، باغ لگوائے اور آخر تک ان کا شوق رکھا۔

آخر عمر میں حج کی توفیق ہوئی اپنے منجھلے بیٹے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی معیت میں حج کیا، دوبارہ حج کرنے کا ارادہ تھا اس ارادہ کو

لے کر خدا سے جا ملے، بڑے تیراک، تیر انداز شکاری تھے، آخر آخر تک پیدل چلتے رہتے، بڑے خوش طبع، ہنس مکھ اور پر مزاح تھے، کچھ سمجھاتے یا کسی کا ذکر کرتے تو مثالوں سے اور اشاروں سے نقشہ کھینچ کر رکھ دیتے، جو ان سے ملتا، ان کے اخلاق، باتوں اور خوش طبعی سے متاثر ہو کر رہتا، خدا نے دو نعمتیں لے کر (سماعت و گویائی) بے شمار اوصاف عطا فرمائے، آخر عمر ۱۹۷۶ء میں موتیا بن کا آپریشن کرایا، اسکے بعد اضمحلال آ گیا اور پھر بیماریوں کا شکار ہو گئے، بدن میں درد، ٹانگوں میں کمزوری ہوئی، اور جولائی ۷۴ء سے علیل ہو گئے، جولائی ۷۵ء میں صاحب فراش ہو گئے اور سخت علیل ہو گئے، زبان پر کلمہ طیبہ برابر جاری رہتا، تسبیح پر درود شریف استغفار بکثرت پڑھتے، کہتے کہ دن میں کئی کئی سو مرتبہ پڑھ لیتا ہوں، نماز کا ایسا اہتمام تھا کہ شروع بیماری میں جمعہ کو سائیکل پر مسجد جاتے، پھر اس سے بھی معذور ہوئے اور آخر وقت تک نماز کا اہتمام کیا، بعض بعض دفعہ ایک وقت کی نماز کئی کئی بار پڑھی، سخت تکلیف کے باوجود نماز کا تقاضا کرتے اور تیمم کرتے اور دیر تک نماز پڑھتے رہتے، خدا کا خوف بہت تھا آخرت کے حالات معلوم کرتے رہتے اور جنت کے ذکر پر خوشی کا اظہار کرتے، جنت کا ذکر کرتے رہتے اور دوزخ سے پناہ مانگتے۔

۴۲ء میں جوان بیٹے مولوی سید محمود حسن حسنی، ۲۱ رسال کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا، اس کے بعد زندگی میں نمایاں فرق ہو گیا ان کا اکثر ذکر کرتے، اور ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے، اور جنت کی زندگی جنت والوں سے ملاقات کا ذکر تفصیل سے سنتے۔ دین کی کتابیں خود پڑھتے اور پوچھتے کیا لکھا ہے، ۱۲ راگست ۱۹۷۵ء، ۱۰ بجے دن کو انتقال ہوا، انتقال سے پہلے اپنے بڑے صاحبزادے مولانا محمد ثانی حسنی صاحب سوانح کو بہت سی وصیتیں کیں اور نیک زندگی گذارتے رہنے کی تلقین کی، غریبوں سے حسن سلوک، عزیزوں اور بھائیوں سے صلہ رحمی کا حکم دیا انتقال سے دو روز قبل کہا گواہ رہو کہ مجھے اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے، اور میں غریبوں سے محبت رکھتا ہوں، آخر میں وہ

زندگی سے مایوس ہو گئے تھے اور خدا کی طرف پوری طرح رجحان ہو گیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے غایت درجہ محبت تھی، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی جو ہم عمر بھی تھے اور بے تکلف دوست وعزیز دونوں کو ایک دوسرے سے بہت تعلق تھا ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد وہ اپنے کو یکہ وتنہا سمجھنے لگے تھے، اور برابر ان کا ذکر کرتے، انتقال کے وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی برابر قریب رہے اور قرآن کی تلاوت کرتے رہے، ۱۰ ربجے انتقال ہوا ساڑھے پانچ بجے اپنے والد مولانا سید خلیل الدین احمد حسنی اور فرزند اکبر مولوی سید محمود حسن مرحوم کے درمیان مسجد تکیہ شاہ علم اللہ کے شمال مغربی جانب خاندانی قبرستان میں جنوبی مشرقی حصہ میں مسجد کے قریب مدفون ہوئے۔

جنازے میں بکثرت لوگ شریک ہوئے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، اساتذہ اکابر اور دوسرے اہل علم نے شرکت کی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی ۸۴ سال کی عمر پائی۔ تعزیت میں مختلف شہر کے علماء و فضلاء اور تعلق رکھنے والے آئے جن میں عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پھولپوری، مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب خلیفہ وجانشین حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور ان کی جماعت قابل ذکر ہیں، اپنے پیچھے تین صاحبزادے چھوڑے، مولانا سید محمد ثانی حسنی صاحب سوانح، مولانا سید ۔رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مولانا سید محمد واضح حسنی ندوی معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ (۱)

والدہ ماجدہ

والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئیں، مولانا سید محمد ثانی حسنی کی والدہ ماجدہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی بڑی صاحبزادی عارف باللہ بر

(۱) تفصیلات تعمیر حیات لکھنؤ شمارہ ۲۵ راگست و ۱۰ ر ستمبر ۱۹۷۵ء سے لی گئی ہیں، اس سلسلہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق استاذ تفسیر مولانا محمد عارف سنبھلی کا مضمون بھی بڑا مؤثر اور معلومات افزا ہے۔

کتہ العصر حضرت شاہ سید ضیاء النبی کی نواسی اور مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بہن تھیں اور ایک برگزیدہ خاتون کو جن صفات وخصوصیات سے آراستہ ہونا چاہئے اس سے آراستہ اور ذاکر شاغل خاتون تھیں، اللہ کے معاملے میں بہت ڈرنے والی اور اس کے بندوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھنے والی اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دینے والی اور مہمان نواز، خوددار فیاض ہمدرد، غمگسار خیر خواہ رقیق القلب خاتون تھیں، عقیدہ میں پختہ اور مضبوط اور نماز میں مستعد خشوع خضوع رکھنے والی خاتون تھیں، دیر تک مصلی پر رہتیں، پرہیزگار محتاط زبان سے بھی اور جسم کے سبھی اعضا سے اور ہر ایک کا خیال رکھنے والی بی بی تھیں اچھی عمر پائی اسلامی قمری تقویم کے اعتبار سے ۹۳ سال کی عمر میں ۲۳ رمضان المبارک کی شب کو ۱۴۱۶ھ میں وفات پائی، اللہ اللہ کے ذکر کے ساتھ اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہوئیں، سر ان کا ان کی پوتی سیدہ امامہ حسنی مرحومہ دختر مولانا سید محمد ثانی حسنی کی گود میں تھا، اور بھی پوتیاں (صاحبزادیاں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) اور گھر کی خواتین بہو اہلیہ مولانا محمد واضح حسنی ندوی اور صاحبزادگان حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی وہاں موجود تھے اسی وقت عزیز از جان بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی پہنچ گئے تھے دیر تک بیٹھے رہے ان کے سامنے یا چند سکنڈ پہلے ہی روح پرواز ہوئی تھی سکینت کا عالم طاری تھا جیسے انوار کی بارش ہو رہی ہے، بقول حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ جیسے شب قدر ہو حضرت نے تدفین کے لیے اپنے اور ان کے والد کے پہلو میں خالی جگہ کو اختیار کیا اور تدفین کے آخری لحمہ تک وہاں تشریف فرما رہے اور بعد میں اپنی قیام گاہ میں حضرت مرحوم نے اس کا اظہار فرمایا کہ مقبولیت عنداللہ کے کھلے آثار دیکھے حضرت کو راحت پہنچانے کے لیے ڈاکٹر سید قمر الدین صاحب (اورنگ آباد، مہارشٹر) اور انجینئر محمد عثمان صاحب (حیدرآبادی) پیش پیش رہے، قرب وجوار اور لکھنو وغیرہ کے اہل تعلق کی بڑی تعداد نے آکر محبت کا اظہار کیا، اور حضرت حکیم افہام

اللہ انہونوی علیہ الرحمہ (والد ماجد طبیب الامت حضرت الحاج حکیم محمد کلیم اللہ علی گڑھی مدظلہم) اشعار کے ساتھ جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے تعزیت کے لیے اپنے صاحبزادہ حکیم نعیم اللہ صاحب کے ساتھ تشریف لائے تو اشعار سناتے اور روتے رہے وہ اشعار پیش خدمت کئے جارہے ہیں؛

....

قطعہ تاریخ رحلت

ہمشیرہ مرحومہ مخدومنا حضرت مولانا علی میاںؒ

از؛ حضرت حکیم افہام اللہ انہونوی علیہ الرحمہ

شیخ کامل نائب ممتاز ختم المرسلیں — ''بوالحسن'' زوشمع روشن دردیا رم علم دیں
ہست اواز خانوادہ سید احمد شہیدؒ — درعزائم مثل ''او'' ودر فضائل جانشیں
شہرت او ہست در اقطار عالم بے شمار — در ادب فخر عرب ودر عجم صوفی دیں
واقف تاریخ عالم، کاتب جستہ قلم — او مؤرخ او مصنف، عالم صفہ نشیں
''در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق'' — باخبر ن، آموخت او، از صوفی (۱) صفہ نشیں
در تواضع بے بدل ودر ضیافت بے مثل — ثانیٔ شیخ الحدیث (۲) او بود ہم صفہ نشیں
''کل مولود علی الفطرۃ'' مراد اسلام ہست — مادر و خواہر برائے طفل، مکتب اولیں
خواہرش در عہد طفلی کرد او تاسیس دیں — باذہانت گشت او، از عالمان عالمیں
مشفقہ خواہر چوں رحلت کرد از دارالفنا — شیخ وقت، از رحلتش افسردۂ واندوہ گیں
بہر تعزیت چوں نزد شیخ آمد ایں غریب — آنچہ دیدہ، دیدہ گوید باخُرا اے ہم نشیں

---

(۱) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ۔
(۲) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ

ساکت وصامت نشستہ بود زیر آفتاب چہرہ زرد وچشم تر، علی میاں را خود بہ بیں
ثانی مرحوم کرد استقبال مادر در بہشت رابع وواضح ادیب اند واز علمائے دیں
آنچہ ہست زیر زمیں یا بر زمین و آسمان کل شیء ہالک جزء ذات رب العالمین
سال تاریخش چوں جستم ملہم غیبی بگفت شعر آخر را بخواں این است سن عیسویں

ہاتف غیبی ندا زد از ید قدرت بگو

۱۹۱۴

عالمہ را حوریاں بر دند در خلد بریں

۱۹۸۲+۱۴=۱۹۹۶ء

مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے اپنی والدہ کی صفات وخصوصیات اور امتیازات وکمالات پر اللہ رب العزت کا شکر بجالاتے ہوئے ایک حمد بھی کہی تھی جو پہلے ماہنامہ ''رضوان لکھنؤ'' کے ''ماں نمبر'' میں شائع ہوئی تھی وہ بھی نظر ناظرین کی جارہی ہے۔

اے خدا بندوں پہ تو ہے ماں سے زیادہ مہرباں

لائق حمد وستائش ہے تو ہی پروردگار
تیرے احسانات ہم پر بے حساب و بے شمار
کیا زمین وآسماں کیا مہر وماہ وانس وجاں
ہر جگہ تیری حکومت، سب پہ تیرا اقتدار
ایسی ایسی نعمتیں بخشی ہیں تونے اے خدا
جن کو پاکر حق تو یہ ہے جان ودل سے ہوں نثار
نعمتوں میں تیری یارب ایک نعمت ''ماں'' بھی ہے
ہے متاع بے بہا سرمایۂ صد افتخار

صرف تیرا ہے کرم خالص ترا احسان ہے
ورنہ اس قابل کہاں ہم کمترین وخاکسار
تیری رحمت کے تصدق، تیری شفقت کے نثار

ایسی ماں جس نے مصیبت جھیل کر پالا ہمیں
ایسی ماں جس نے دیا ہر ہر قدم پر اپنا پیار
ایسی ماں جس نے ہمیں اخلاق کی تعلیم دی
ایسی ماں جس نے بنایا حق شناس وحق شعار
علم کی راہیں ہمارے واسطے ہموار کیں
کی دعائیں لی بلائیں لحہ لحہ بار بار
مختصر سے لفظ ''ماں'' میں کتنی عظمت ہے نہاں
ہے عیاں کیسی وفا کتنی محبت آشکار
صرف تیرا ہے کرم، خالص ترااحسان ہے
ورنہ اس قابل کہاں ہم کمترین وخاکسار
تیری رحمت کے تصدق، تیری شفقت کے نثار

ماں کی چشم مہرباں ہے دلنواز وجاں فروز
ماں کا ہر موج تبسم ہے نسیم ِمشک بار
ماں کا دل سرچشمۂ رحم وکرم مہر ووفا
ماں کے میٹھے بول میں پوشیدہ تسکین وقرار
ماں کے قدموں کے تلے جنت کی نہریں ہیں رواں
ماں کی آغوش محبت میں ہے جنت کی بہار
جو ملی عزت ہمیں ماں کی دعاؤں سے ملی
ماں کے صدقے سے ہوئے ہم ہر خوشی سے ہمکنار
صرف تیرا ہے کرم خالص ترااحسان ہے

ورنہ اس قابل کہاں ہم کمترین وخاکسار
تیری رحمت کے تصدق، تیری شفقت کے نثار

تو نے بخشی اے خدا! اپنے کرم سے ہم کو ماں
نیک خو، پاکیزہ رو، ہمدرد ومشفق غمگسار
ایسی مشفق ماں کو یارب تو جزائے خیر دے
ہر دم ولحظہ ہو ان پر تیری رحمت نور بار
اے خدا اپنے کرم سے تو ہمیں توفیق دے
زندگی بھر ہم رہیں ماں باپ کے خدمت گزار
ہم تری شان کریمی کے تصدق اے کریم
ہم ترے لطف وعنایت پر فدا پروردگار
صرف تیرا ہے کرم خالص ترا احسان ہے
ورنہ اس قابل کہاں ہم کمترین وخاکسار
تیری رحمت کے تصدق، تیری شفقت کے نثار

اے خدا بندوں پہ تو ہے ماں سے زیادہ مہرباں
ماں سے زیادہ تو ہے مشفق ماں سے زیادہ غمگسار
تو ہے اللہ تو ہے رحماں تو ہے والی تو رحیم
تو ہے رب العالمین تو مالک یوم القرار
حمد تیری ہم کریں کرتے رہیں شام وسحر
ہو نہیں سکتا ادا حق ہم کریں کوشش ہزار
ہم صفت تیری بیاں کرتے رہیں گے رات دن
ہم زبان شکر سے کہتے رہیں گے بار بار
صرف تیرا ہے کرم خالص ترا احسان ہے
ورنہ اس قابل کہاں ہم کمترین وخاکسار
تیری رحمت کے تصدق، تیری شفقت کے نثار

مولانا سید سلمان حسینی ندوی (نواسہ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی برادر اکبر سیدہ امۃ العزیز مرحومہ) اس کا خلاصہ اپنے تاثرات میں یوں رقم طراز ہیں:

”وهى من النساء الفضليات الطيبات السخيات تحب جميع أحفادها وحفيداتها وتتألم لألم أى واحد أو منهن أو أى قريب، وهى البقية الباقية من النساء اللاتى كن فخر هذه الأسرة الحسنية وجمالها، كوالدة السيد أبى الحسن التى كانت رابعة عصرها، ثم أخت السيد أبى الحسن المرحومة عائشة التى كانت عالمة فاضلة ثقة قانتة، ثم أمة العزيز هذه التى تحدث عنها“.

(یہ سخی، پاکیزہ سیرت کی حامل صاحب فضل و صلاح بزرگ خاتون ہیں، اپنی اور اپنے بھائی کی سبھی اولاد اور اولاد کی اولاد کو چاہنے والی اور ان کے دکھ و درد میں بے چین ہونے والی خاتون ہیں، جو کسی بھی عزیز رشتہ دار اور تعلق والے کی تکلیف سے تکلیف محسوس کرنے والی بزرگ بی بی ہیں، اور ایسے بزرگوں کی یادگار ہیں، ان خواتین میں سے ایک ہیں جن پر یہ حسنی خاندان فخر کرتا ہے، جیسے خود ان کی اور ان کے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدہ اور ان کی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بہن سیدہ امۃ اللہ تسنیم عرف عائشہ بی، جو کہ عالم فاضل، مستند اور صالح خاتون تھیں، پھر یہی بزرگ خاتون سیدہ امۃ العزیز ہیں جن کے بارے میں میں نے اظہار خیال کیا)(۱)

(۱) تذکراتی: ۱۰/۲۳۲، جمعیۃ شباب الاسلام، لکھنؤ

خال اکبر ومربی ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی فکر وتوجہ اور سرپرستی

مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اوران کے سبھی بھانجوں کے سرپرست ومربی اور فکری معلم تھے۔ مولانا محمد ثانی حسنی بھی انہی کی سرپرستی ورہنمائی میں پروان چڑھے تھے، مولانا محمد ثانی حسنی نے ان کی وفات کو اپنے اور اپنے خاندان اور ادارہ رضوان کے لیے بڑا سانحہ قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''ادارۂ رضوان کے لیے ایک بڑا سانحہ:

اخبارات کے ذریعہ یہ روح فرسا خبر آپ تک پہنچ چکی ہوگی کہ ۷؍مئی ۱۹۶۱ء مطابق ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ بروز اتوار ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا انتقال ہوگیا "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون" اس حادثہ نے تمام علمی حلقوں پر اور خصوصاً ادارہ رضوان پر رنج وغم کا جو سیاہ پردہ ڈالا ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں اسلاف کی زندہ مثال تھے۔ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے، اپنے والد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور ندوہ میں پڑھا اور بعد میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے دیوبند میں حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد طب کی مکمل تعلیم حاصل کی اور بعد میں لکھنؤ میڈیکل کالج میں ڈاکٹری کی تعلیم کی تکمیل کی، اس لحاظ سے وہ پورے عالم کامل طبیب حاذق ترین ڈاکٹر تھے۔ ان کا مطب مرجع خاص وعام تھا، بلا تفریق مذہب وملت ہر ایک ان کا گرویدہ تھا، ۲۵ سال کے لگ بھگ انہوں نے مطب کیا، تیس سال تک ندوۃ العلماء کے ناظم

رہے، ان کا دور نظامت طویل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت کامیاب اور ندوہ کی دینی اور علمی ترقی کا شاندار دور رہا، عالم اسلام سے ان کو بڑی دلچسپی تھی، شروع سے انہوں نے اپنی وضع اور لباس اسلام کے نمونہ پر رکھا، اور تیز سے تیز دھارے میں نہ بہے، ناموافق حالات میں بھی شکل وصورت اور لباس میں ادنی سے ادنی سا تغیر بھی نہ ہونے پایا اور آخر لمحہ تک اس پر قائم رہے، سنت نبوی سے اتنا تعلق تھا کہ زندگی کا ایک لمحہ بھی اس کے خلاف نہ گزر سکا، علم دین اور طلباء سے ان کو حد درجہ تعلق رہتا ان کا گھر دین کے طلباء کا مرجع تھا، خاندان کے موجودہ نسل کی دینی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز ان کی شخصیت تھی۔

اور ادارہ رضوان اس حادثہ سے سب سے زیادہ متاثر اس لئے ہے کہ اس کا مرحوم سے ایک دوسرا خونی رشتہ بھی تھا، ڈاکٹر صاحب مرحوم مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے شفیق اور مربی بھائی تھے، اور والد کی سی حیثیت رکھتے تھے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی ساری تعلیم وتربیت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے زیر سایہ ہوئی ہے۔ اسی طرح محترمہ امۃ اللہ تسنیم معاون مدیر ''رضوان'' کے شفیق بھائی تھے۔ مدیر رضوان کے ماموں اور والد کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد اور خاندان کے دوسرے بچوں کی جس طرح دینی اور علمی تربیت کی ہے، وہ دوسروں کے لئے قابل تقلید ہے۔

''رضوان'' سے ان کو حد درجہ تعلق تھا، اور سب سے پہلے انہوں نے ہی اس کی ہمت افزائی کی، اور برابر اس کے حالات سے باخبر رہے۔ اور ہمت افزائی کرتے رہے، ان کے ایک

صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہیں، صاحبزادے مولانا
سید محمد الحسنی ایک عربی رسالے ''البعث الاسلامی'' کے مدیر--
ہیں، غرض کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی زندگی دین ودنیا کی جامع او
رہر ایک کے لئے مثال اور نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت
الفردوس کے اعلیٰ مقام پر پہنچائے، اور دوسروں کو ان کی زندگی
اپنانے کی توفیق دے۔(۱)

مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کی شخصیت ایک محبوب و دلآویز اور فرشتہ خصلت انسان کی تھی جو خاندان میں اور خاندان سے باہر دینی حلقہ اور غیر دینی حلقہ میں بھی بہت پرکشش اور مقناطیسیت رکھنے والی شخصیت تھی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو ان کی والدہ سیدہ خیر النساء بہتر مرحومہ نے خطوط میں ان کی منشا کو سمجھنے اور ان کی اطاعت کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور ان پر پورے اعتماد کا اظہار کیا ہے، جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب 'ذکر خیر' اور 'خواتین اور ان کی دینی خدمت میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان کی حسن تربیت، تعلیمی بصیرت ایمانی فراست عالم اسلام کے مسائل، حالات سے مکمل آگہی، اور عالم عرب کو درپیش خطرات سے واقفیت اور اس کے مقابلہ کے لئے مردانہ کار کی تربیت کی بہت تعریف فرماتے اور ان کو اپنا سب سے بڑا محسن سمجھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ہم جو ہیں وہ والد ماجد کا اخلاص، والدہ صاحبہ کی دعاؤں اور بھائی صاحب (یعنی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی) کی تربیت اور اساتذہ ومشائخ کی شفقت کا نتیجہ ہے۔

ان کو مولانا محمد ثانی سے حسنی سے بھی بڑا تعلق تھا ایک موقع پر ان سے فرمایا کہ علی اکثر سفر پر رہتے ہیں، ہمارا انتقال ہو جائے او وہ نہ ہوں تو تم ہماری نماز جنازہ پڑھانا، .....انہوں نے از راہ تواضع لکھنؤ میں .... اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقیؒ کو اور رائے بریلی میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کو ترجیح دی، اور خود نماز جنازہ پڑھائی۔

---

(۱) ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ جون، ۱۹۶۱ء

نانی محترمہ سیدہ خیر النسا بہتر مرحومہ (والدہ ماجدہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کا مولانا محمد ثانی حسنی کی شخصیت کی تشکیل میں بنیادی اور بڑا حصہ اور اولاد کی تعلیم و تربیت اور خاندان پر اس کے اثرات

پہلے مولانا محمد ثانی حسنی کا خود تاثر سنتے چلیے، وہ ان کی وفات پر ماہنامہ 'رضوان' لکھنؤ میں لکھتے ہیں:

> "اِنّا للّٰہ و انا الیہ راجعون" ہم سب اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف ہم سب کو لوٹ کر جانا ہے، دنیا میں جو آیا ہے وہ جانے کے لئے آیا ہے کیا ہم اور کیا آپ بھی اس راہ پر چلنے والے ہیں ان چند لفظوں کے بعد ہم نہایت افسوس اور رنج کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ۶، جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ مطابق ، ۳۱ اگست ۱۹۶۸ء کو بعد نماز عصر تقریباً ۶ بجے محترم اور بزرگ ہستی خیر النساء بہتر صاحبہ والدہ ماجدہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف منتقل ہو گئیں، اس حادثہ کو ایک ماہ گذر چکا ہے، اخبارات اور خطوط کے ذریعے اطلاع ہو چکی ہے اور کثیر التعداد حضرات نے دلی تعزیت کا اظہار کیا، اور ان کی جدائی کا غم دور دور اور گہرے طور پر محسوس کیا گیا، ہر ایک نے اس حادثہ کا اپنا ذاتی حادثہ جانا، ادارہ "رضوان" ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے اپنے قلبی حزن و ملال کا اظہار کیا اور خطوط کے ذریعے نیز اپنی آمد کے ذریعے زبانی تعزیت کر کے ہمارے غم میں شرکت کی۔

میری نانی محترمہ کے انتقال سے پورے خاندان پر سے برکت و رحمت کا سایہ اٹھ گیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ اس کی عزیز ترین متاع کھوگئی خصوصاً ادارہ ''رضوان'' کو جو صدمہ پہونچا وہ بیان سے باہر ہے۔ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ان کی صاحبزادی اور ناچیز مرحومہ کا نواسہ ہے، اس غم وافسوس کے ساتھ ہم یہی کہیں گے کہ ہم سب اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں۔ مرحومہ کا انتقال جس مبارک حالت اور کیفیت کے ساتھ ہوا ہے، وہ سب کے لئے قابل رشک ہے۔ آخر کے تین گھنٹے مسلسل ذکر میں گزرے۔ اس مبارک موت کو دیکھ کر سب ہی کو تمنا ہوئی کہ جب موت آئے اسی حالت میں آئے۔

ہمارے پاس کئی خط آئے اور بعض اخبارات میں اس کی خواہش کی گئی کہ چونکہ مرحومہ اپنے اندر خاص صفات وکمالات رکھتی تھیں-- جو سارے ناظرین کے لئے نمونہ زندگی بننے کے لائق ہیں۔ اس لئے ''رضوان'' میں ان کی زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی جائے ہم اس خواہش کا احترام کرتے ہیں، اور آئندہ ماہ ان کے حالات زندگی پر رضوان کی خاص اشاعت پیش کریں گے، یہ خاص اشاعت نومبر اور دسمبر کا مشترکہ شمارہ کی خاص حامل ہوگی۔ امید ہے کہ سب کے لئے مفید ہوگی، دعا کریں کہ ہم کامیاب ہوجائیں۔''

سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ نے اپنی والدہ کی تعلیم وتربیت کی نگرانی جوان کی اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لئے تھی اس طرح تذکرہ کیا ہے:-

''ہم لوگوں کی تعلیم ہمارے چچا سید عزیز الرحمٰن صاحب کے سپرد کردی تھی لیکن عشا بعد جب تمام کاموں سے فراغت ہوجاتی

تھی تو ہم لوگوں کو بٹھا کر سکھاتی تھیں، قرآن شریف کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور حدیث کی دعائیں یاد کراتی تھیں۔ وہ دعائیں اب تک ہم لوگوں کو یاد ہیں اور دعاؤں کی فضیلتیں بتاتی تھیں۔ اللہ کے رسول کے قصے ایسے خوبی سے بتاتی تھیں کہ دل میں اتر تے چلے جاتے تھے۔ صحابہ کرام اور صحابیات رضی اللہ عنہم کے حالات اور بزرگوں کے واقعات بھی سناتی رہتی تھیں، شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی سچائی کا واقعہ پہلی مرتبہ انہیں کی زبانی سنا اور اسی طرح کے بیسوں واقعات۔''(۱)

تربیت کے تعلق سے یہ بات بھی لکھی ہے:

''صبح چار بجے انگیٹھی جلا کر رکھ دیتی تھیں، اور خود نماز میں مصروف ہوجاتی تھیں، دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، نماز پڑھ کر سب کو جگانا شروع کردیتی تھیں جو اٹھنے میں تساہلی کرتا تو بہت ناراض ہوتی تھیں، اور جو نماز کے بعد سوجاتا تھا تو اس پر بھی خفا ہوتی تھیں، کہتی تھیں، جو ہمارے گھر میں سوئے وہ نماز کو ضرور اٹھے ورنہ یہاں نہ سوئے۔''(۲)

محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ اپنی ان عظیم والدہ مرحومہ کے معمولات کے تعلق سے رقمطراز ہیں:

''رمضان شریف میں والد صاحب کی خدمت کے باوجود دن میں اپنے بھتیجے سید حبیب الرحمٰن صاحب سے (قرآن پاک کا) دور کرتیں اور رات کو تراویح میں سناتی تھیں والد صاحب کی وفات کے بعد ہمہ تن خدا کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ گرمی میں

(۱) ذکر خیر، ص ۹۸ (۲) ذکر خیر، ص ۹۹-۱۰۰، مکتبہ اسلام لکھنؤ

ڈھائی بجے سے اور جاڑوں میں تین بجے سے اور رمضان شریف میں گرمی میں ایک بجے سے اور جاڑوں میں ڈیڑھ بجے سے تہجد کے لئے اٹھ بیٹھتی تھیں، اور بڑی لمبی لمبی سورتیں پڑھتی تھیں، مثلاً، سورہ حدید، سورہ حشر، سورہ دخان، سورہ یٰسین شریف، الم سجدہ، حم سجدہ، سورہ طور، سورۃ النجم، سورہ رحمٰن، سورہ قاف، سورہ ذریٰت۔ تہجد میں اس قدر روتی تھیں کہ آنسوؤں سے جانماز تر ہوجاتی تھیں اور کبھی اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے دنیا کی خواہش نہیں کی، بس اللہ، رسول کی محبت دینی خوبیاں، دینی خدمت کی توفیق۔''(۱)

....ان کے معمولات کے متعلق لکھتی ہیں:

''تہجد کے بعد صبح کی نماز تک 'لا الٰہ الا اللہ' کی ضرب لگاتی تھیں'' پھر صبح کی نماز کے بعد تسبیحات میں مشغول ہوجاتی تھیں اشراق کی نماز پڑھ کر ناشتہ سے فارغ ہوکر کلام پاک کی تلاوت کرتیں اور کچھ گھر کے کام انجام دیتیں، پھر چاشت کی نماز کے بعد مناجاتیں لکھنا شروع کردیتیں، پھر ظہر کے کھانے کا وقت آجاتا، کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتیں، پھر اذان سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جاتیں، اور جانماز پر بیٹھ کر تسبیح میں مشغول ہوجاتی تھیں، جب ظہر کی اذان ہوجاتی تھی تو نماز پڑھ کر سورہ فتح اور سورہ نباء پڑھتی تھیں، پھر تسبیح پڑھنا شروع کردیتی تھیں، حتی کہ عصر کا وقت آجاتا تھا، عصر کی نماز پڑھ کر پھر کلام پاک کی سورتیں مغرب تک پڑھتی رہتی تھیں۔ (اور) ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کا انتظار

(۱) ذکر خیر، ص ۹۹، مکتبہ اسلام لکھنؤ

شروع ہوجاتا تھا۔

جب تک قوت و ہمت رہی گھر کی دیکھ بھال بھی کرتی رہیں، مگر جب میرے چھوٹے بھائی علی سلمہ، کی شادی ہوئی تو پورا گھر ان کی اہلیہ کے سپرد کر کے خود فارغ ہوگئیں، رمضان شریف میں تراویح میں کلام پاک برابر سناتی رہیں، جب ضعیفی کا عالم ہوا تو بیٹھ کر سنانے لگیں، جب اس کی بھی طاقت نہیں رہی تو مجبوراً چھوڑنا پڑا، بصارت نے بھی جواب دے دیا تھا، یہ بات بھی قابل تحسین ہے کہ آنکھوں کی بصارت عرصہ سے ختم ہوگئی تھی، لیکن ہم لوگوں کے سوا خاندان کے کسی فرد نے نہ جانا، اس حدیث قدسی کے مصداق بن گئیں، جب میں اپنے بندے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں یعنی اس کی آنکھیں لے لیتا ہوں اور وہ ان پر صبر کرتا ہے تو میں ان دونوں کے بدلے اس کو جنت دوں گا، آنکھوں کی روشنی ختم ہونے کے بعد دن رات نماز، تسبیح اور تلاوت کلام پاک ہی کام رہ گیا اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ نماز وقت سے بے وقت نہ ہوجائے، گھڑی سرہانے رکھی رہتی تھیں، ہر آنے جانے والے سے پوچھتی رہتی تھیں، کیا بجا ہے؟ میں ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی، گھڑی بھر کو بھی کمرے سے نکل جاتی تھی تو پکارنے لگتیں، اکثر میں کہتی کہ میں پاس بیٹھی ہوں بتادوں گی کہ وقت آگیا مگر اطمنان نہ ہوتا تھا، ہر دس منٹ پر پوچھتی تھیں کہ کیا بجا ہے، اور مغرب کے وقت تو دروازہ پر ایک آدمی کو بٹھا دیتی تھیں کہ اذان سن کر فوراً بتاؤ، رات کو تاکیدی حکم تھا کہ گھڑی کوک دو، الارم لگادو، پھر اطمنان نہ ہوتا تو پوچھتی تھیں کہ الارم لگا دیا، اگر اتفاق سے کبھی بھول ہوجاتی گھڑی

نہ بجتی آنکھ نہ کھلتی تو بہت ناراض ہوتیں، اور سارے دن اس کا رنج رہتا، عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاتی تھیں، لیکن تھوڑی دیر میں آنکھ کھل جاتی تھی، اور گھبرا کر پوچھتی تھیں، ہم نے عشاء کی نماز پڑھی ہے، جو ہم کہتے ہاں پڑھی ہے تو کہتیں خوب یاد ہے، تم نے دیکھا ہے، پھر خود کو بھی یاد پڑ جاتا، اور کہتیں کہ ہاں پڑھ لی ہے، پھر سو جاتی تھیں۔

عرصہ سے ایک کام یہ اپنے ذمہ کر لیا تھا کہ ناشتہ سے فراغت کے بعد سورہ فاتحہ، الم سے مفلحون تک، آیۃ الکرسی، آمن الرسول، سورہ یسین شریف، لقد جائکم، سے عظیم تک سورہ کہف کی اول آخر دس دس آیتیں، اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حسنیٰ، سورہ اَلَم نشرح، سورہ فلق، سورہ ناس، یکا والذین بمجنون، قل من یصیبنا سے مو منون تک، وَاِنْ یَمْسَسْكَ اللهُ بِضُرٍّ فَلَا كاشِفَ، الا هو وَ اِنْ یرِدْكَ بخیر فلا رادّ لفضله یُصِیبُ من یشاء واللہ غفوررّحیم۔ رب اشْرح لی صدری سے یَفْقَهُوا قولی تک، اللهم اجعل فی قلبی نورا الی اخرہ اور حزب الاعظم کی چند مخصوص دعائیں اور درود شریف تُحیناً پڑھ کر پانی پر دم کر دیتیں، اور وہ پانی گھر کے کل افراد کو پلاتی تھیں، پھر تو یہ ہوا کہ مریضوں کے لئے جانے لگا، دور دور سے لوگ آتے اور پانی لے جاتے، سارے افراد اپنے اوپر دم کرانے لگے تھے، اور ہر ایک کو اتنی شفقت و محبت سے ہاتھ پھیر پھیر کر دم کرتی تھیں کہ مزا آجاتا تھا، آنے جانے والی والی عورتیں بھی اپنے اوپر دم کراتی تھیں۔

خوراک بالکل کم ہو گئی تھی، صبح کو ایک بسکٹ ایک پیالی چائے،

دوپہر اور شام کو ایک پھلکے کا چھلکا اور دو لقمے چاول، پتہ نہیں کس طرح جی رہی تھیں۔

عرصہ سے دل بہت بے چین رہنے لگا تھا، اکثر کہتیں کہ اختلاج بہت ہے، اس کا یہ انتظام کیا کہ انکی مناجاتیں سنانے لگیں اس سے انہیں بہت سکون ملنے لگا چونکہ اپنی مناجاتیں بھول چکی تھیں اب جو سنیں تو انہیں مزا آ گیا، بہت خوشی ہوئی کہ یہ سب دعائیں کر چکے ہیں، بھلا ایسا مانگنے والا محروم ہوسکتا ہے، اس خیال نے ان کو بہت تسکین بخشی روزانہ تین چار مناجاتیں سنائی جاتی تھیں۔

مرض الموت میں پکانے والی نے بہت خدمت کی ان کو یہ نصیحت کی کہ دیکھو حلیمہ سورہ واقعہ روز پڑھنا کبھی تمہیں فاقہ نہ ہوگا اور اپنے سب بچوں پر نماز کی تاکید رکھو، ورنہ تم سے پوچھ ہوگی اور ہر فرض نماز کے بعد انیس انیس بار بسم الرحمٰن الرحیم، پڑھ کر دعا کیا کرو قبول ہوگی۔

دنیا سے بے رغبتی ہمیشہ سے تھی، لیکن اب تو نفرت ہوگئی تھی کہتی تھی کہ ہم سے دنیا کی بات نہ کرو، فیشن سے قلبی عداوت تھی، ہم لوگوں سے کہتی تھیں کہ اگر تم نے فیشن کی کوئی بات اختیار کی تو تم سے نفرت ہو جائے گی''۔(۱)

مولانا سید محمد حسنی کی شخصیت کی تشکیل میں چوں کہ ان کی نانی صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر (والدہ مرحومہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کا بڑا اور بنیادی حصہ ہے کہ ان کا بچپن ان کے سایہ عاطفت میں گزرہ اور ان کی شخصیت اس روحانی نورانی مشک بار فضا اور ماحول سے معطر ہوئی جو ان کی فکر وتوجہ اور درد وسوز سے بنا تھا اس لئے

(۱) ذکر خیر، ۹۷۔۱۰۳۔ تصنیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مضمون امۃ اللہ تسنیم مرحومہ

کچھ تفصیل سے ان کا یہاں ذکر کیا گیا چوں کہ ان کی عمر اچھی ہوئی اس طرح نہ صرف مولانا محمد ثانی حسنی کو ان کی شفقت کا تادیر حصہ ملا بلکہ ان کی اولاد نے بھی ان کی برکات اور توجہات حاصل کیں۔

حضرت مفتی سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین سے ملاقات اور ان کا خوش آئند تأثر

حضرت مفتی سید امین الحسینی فلسطینی اپنے عہد کی عالم اسلام کی بڑی قد آور شخصیت تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے کہ

"میں جب مفتی صاحب کی نورانی صورت دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا ہے، ان کے اندر محبوبیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی شرافت خاندانی پیشانی سے جھلکتی، بلکہ ابلتی تھی، جذبہ جہاد کا نور ان کی ہر ادا سے اور ہر پہلو سے ظاہر ہوتا تھا۔" (۱)

اور ایک دوسری جگہ ان کی مبارک اور دلنواز زندگی کو اس صحیفہ سے تعبیر کیا ہے کہ جس کا ہر صفحہ نورانی اور ہر ورق زریں ہے۔ (۲)

اور اس میں اپنی ملاقات سے پہلے کا تأثر یوں بیان کیا ہے کہ

"میں اپنی طالب علمی کے آخری دور میں تھا، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی اور کئی رفقاء مفتی صاحب کا ذکر اس طرح سنتے اور عربی اور اسلامی اخبارات میں پڑھتے تھے، جیسے کوئی آدمی گزشتہ صدی کے بزرگوں کے متعلق سنتا اور پڑھتا ہے جو دنیا سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے کر رخصت ہو گئے، یا افق پر کوئی بڑا درخشاں ستارہ دور سے دیکھتا ہے مگر وہ اس کو پا نہیں سکتا لیکن وہ اس کو چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔" (۳)

---

(۱) پرانے چراغ، جلد دوم صفحہ ۹۷ (۲) بحوالۂ سابق ۹۷/۲ (۳) بحوالۂ سابق

پھر وہ ان کی خدمات، کارناموں، قربانیوں کا خلاصہ اپنے مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ اور حقائق کی روشنی میں یوں بیان کرتے ہیں:

''وہ عمر بھر مسلمانوں کی ایک محبوب و مقدس سرزمین فلسطین اور ان کے قبلہ اول بیت المقدس کے لئے سینہ سپر رہے، ایک ایسی سرزمین جس کی خدمت کے لئے تقدیر الٰہی نے ہمیشہ اولوالعزم سلاطین اور جانباز اور جاں فروش مجاہدین کا انتخاب کیا ہے، وہ فہرست (سیدنا) فاروق اعظمؓ سے شروع ہوکر: صلاح الدین ایوبیؒ سے لے کر خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید پر ختم ہوتی ہے، اس فہرست میں ناموں کا اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ آخری دور میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ مفتی امین الحسینیؒ پر ختم ہوئی۔''(۱)

۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں حضرت مفتی صاحب (مفتی اعظم فلسطین) کی ہندوستان تشریف آوری محمد علی علوبہ پاشا مصری سابق وزیر اوقاف حکومت مصر کے ساتھ ہوئی تو اس وقت کے ناظم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (وفات، ۱۹۶۱ء) نے ان کی لکھنؤ آمد کی مسرت افزا خبر سن کر اپنے بھائی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف آوری کی دعوت دینے کے لئے حضرت گنج (لکھنؤ) میں برلنگٹن ہوٹل بھیجا جہاں ان کا قیام تھا، اور بغیر کسی توقف کے اور کشادہ پیشانی سے اس دعوت کو انہوں نے قبول فرمایا، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء تشریف لائے، اور استقبالیہ میں اپنے جوابی خطاب میں یہ شعر پڑھا:

کانت محادثة الركبان تخبرنا

(۱) بحوالہ سابق، ۲/۷۹۔۸۰

عـن جـعـفـر بـن فـلاح أطيـب الـخبـر
حتـىٰ التـقـيـنـا فـلا والـلـه مـا سـمـعـت
ادنـى بـأحسـن مـمـا قـد رأى بـصـرى

(ترجمہ) واپس ہونے والے قافلوں کے ہم سفر جعفر بن فلاح کی تعریف کرتے تھے اور ہم ان کی تعریفیں سن سن کر نادیدہ ان کے عاشق بن گئے تھے، یہاں تک کہ جب ہم ان سے ملے تو قسم خدا کی میرے کانوں نے اس سے بہتر نہیں سنا تھا، جو میری آنکھوں نے دیکھا تھا۔(۱)

دیکھا جائے تو حضرت مفتی صاحب کے حسب حال یہ شعر ان سے ملنے والوں کے لئے تھا جو انہوں نے اپنے ملنے والوں کے لئے پیش کیا۔اس موقع پر مولانا محمد ثانی باوجود اپنی کم سنی کے موجود تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

"مفتی صاحب نے ندوۃ العلماء اور دارالعلوم کے متعلق یہ شعر خلوص سے پڑھے اور واقعی ان کو مسرت حاصل ہوئی تھی، لیکن حقیقۃً وہ ہمارے حسب حال تھے کہ واقعی ہم جس جعفر بن فلاح کے متعلق سنتے تھے ہماری اس سے ملاقت ہوئی تو ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جو کچھ سنا تھا اس سے زیادہ پایا، ان کی تقریر کے بعد محمد علی علوبہ پاشا کی تقریر ہوئی، پھر جب وہ یہاں سے نکلے تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا یہ بچے عربی سمجھتے ہیں، تو میں نے کہا کہ سمجھتے ہیں، اتفاق سے ایک بچہ ان کے سامنے آگیا، اس نے اس زمانہ میں غالباً عربی سنی بھی نہیں تھی، اس سے انہوں نے پوچھا: مااسمك ؟ میں ڈرا کہ یہ

---

(۱) بحوالہ سابق صفحہ ۲،۸۱

بچہ کیا جواب دے گا، لیکن اس نے برجستہ جواب دیا کہ:

"اسمی محمد الثانی"

وہ ہمارے بڑے بھانجہ محمد ثانی حسنی مدیر "رضوان ہیں" مفتی صاحب بہت خوش ہوئے اور جاتے ہوئے بھی انہوں نے اس کا ذکر کیا اور ۱۹۵۱ء میں مصر میں جب ان سے ملاقات ہوئی تو ان کو یہ واقعہ یاد تھا۔(۱)

اس واقعہ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے پرانے چراغ حصہ سوم میں مولانا محمد ثانی حسنی کے تذکرہ میں یوں بیان کیا ہے؛

"ان کی ابھی باقاعدہ عربی تعلیم شروع نہیں ہوئی تھی کہ ۱۹۳۲ء میں مؤتمر اسلامی فلسطین کا ایک موقر وفد جس کی قیادت زعیم فلسطین اور مجاہد اسلام الحاج سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین فرما رہے تھے، اور اس کے رکن رکین استاذ محمد علی علوبہ پاشا (سابق وزیر اوقاف مصر اور وہاں کی ایک مشہور سیاسی پارٹی "حزب الاحرار الاستوریین کے صدر و لیڈر") تھے مفتی صاحب اور علوبہ پاشا نے ندوۃ العلماء کو بھی اپنے قدم سے نوازا اور ان کے اعزاز اور استقبال میں ایک بڑا جلسہ ندوہ کے وسیع ہال میں ہوا، استقبالیہ اور جوابی تقریروں کے بعد یہ حضرات فارغ ہوکر جب چلنے لگے تو انہوں نے مجھ سے (جو ان کی آمد اور جلسہ کے سلسلہ میں پیش پیش تھا) کم سن بچوں کو جو تماشائی کی حیثیت سے شریک تھے، دیکھ کر پوچھا کہ کیا یہ عربی سمجھتے ہیں؟ میں نے ہمت کر کے کہہ دیا کہ ہاں، ان کے سامنے ایک کمسن بچہ جس کی عمر

---

(۱) بحوالہ سابق، جلد دوم، ص، ۸۱۔۸۲

اس وقت آٹھ سال کی تھی، پڑ گیا انہوں نے اسی سے عربی میں فرمایا: ما اسمك ؟ خلاف توقع اس بچہ نے جس نے ابھی عربی شروع نہیں کی تھی برجستہ جواب دیا:

"اسمی محمد الثانی"

وہ بڑے خوش ہوئے، انہوں نے اس کو یاد رکھا اور بعض موقعوں پر اس کا ذکر کیا، یہ ان کی زندگی میں پہلا اہم واقعہ تھا جس پر فارسی کا یہ شعر پڑھا جا سکتا ہے۔

بالائے سرش زہوشمندی

می تافت ستارۂ بلندی(۱)

مغربی نظام تعلیم کے اثرات، دینی تعلیم سے عمومی بے توجہی کا ماحول اور علماء کی اصلاح کی کوششیں

ہندوستان میں برطانوی نظام اقتدار نے اس حقیقت کو ثابت کر دیا تھا کہ

"الناس علی دین ملوکھم"

(لوگ اپنے حکمرانوں کے طور وطریق پر ہوتے ہیں)

یہاں تک کہ حکمرانوں کی پسند، فکر، شوق کا اثر بھی عوام پر پڑنا ایک تاریخی حقیقت ہے، مؤرخین نے اموی دور کے تین بڑے خلفاء ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز پر دینی فکر غالب تھی اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، زہد وقناعت، انفاق فی سبیل اللہ، ایثار، ہمدردی کی باتیں گھر گھر ہوتی تھیں، جبکہ ان سے قبل ادوار میں اور بعد کے ادوار میں دوسرے چرچے ہوتے تھے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے دور حکومت میں ان کی زبان، ان کی تہذیب اور

(۱) پرانے چراغ ۳/۳۴۵-۳۴۶، مکتبہ الشباب العلمیہ لکھنؤ

ان کی ثقافت وتعلیم کا چرچا اوران سے مرعوبیت کا گھر گھر اظہاراوراس کے لئے تنافس اوراس کی کوشش کہ خاندان کا ہونہار فرد مغربی مما لک میں جا کراعلیٰ تعلیم حاصل کرے، یا ملک کی وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرے جس سے وہ اعلیٰ عہدہ پر پہونچ سکے۔ حضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندوی نے اس سلسلہ میں اپنے خاندانی اعزہ کی بعض مثالیں دی ہیں۔ لیکن یہ اپنی جگہ واقعہ ہے کہ خاندان کے افراد کو دنیوی ترقی کی یہ اعلی تعلیم کبھی راس نہیں آئی، اور ہمیشہ دینی ترقی کے لئے حاصل کی جانے والی تعلیم راس آئی۔ اسی طرح دنیوی کاروباراوراس میں انہماک راس نہیں آیا، بلکہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا جبکہ دینی اموراور تعلیم وتبلیغ میں لگنا بڑی ترقی کا ذریعہ بنا۔

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی (م ۱۹۴۴ء) نے رائے بریلی کے سفر ۱۹۴۳ء میں خاندان کے افراد سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ سادات ہیں، دین ودعوت کے کام میں لگیں گے یہ کام زیادہ پھیلے گا اورآپ کو بھی ترقی ہوگی ورنہ آپ کو نقصان ہوگا۔

بڑے مرکزی دینی تعلیمی اداروں میں طلباء کی تعداد کا اس دور میں جائزہ لیا جائے تو بہت کم نظر آئیں گے، دارالعلوم دیوبند جیسے ادارہ میں دورۂ حدیث میں طلباء کی تعداد پچاس سے کم ملتی ہے جہاں آج ۷۰۰ ارسو طلباء صرف ایک دارالعلوم میں زیر تعلیم ہیں باقی دوسرے اداروں میں سیکڑوں کی تعداد الگ ہے، خود دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عالمیت کے آخری سال میں ایک ہزار کے قریب تعداد پہونچ چکی ہے، جہاں آپ کے رفقاء کی تعداد دس سے پندرہ کے درمیان تھی۔ مدرسی یا خالص دینی تعلیم حاصل کرنے کو اپنے اوراپنی اولاد کے لئے سعی لاحاصل اور ایک ناکام تجربہ خیال کرتے تھے، اوراس کو محتاجگی کا ذریعہ سمجھتے تھے، اورایسے جملے اورفقرے کہہ دینے میں حرج نہیں سمجھتے کہ جس سے دینی جذبہ سرد پڑ جائے اور دوسرا شرما کر اپنی اولاد کو دینی تعلیم سے ہٹا کر عصری تعلیم کے نظام کے حوالہ کردے اور یہ سب کچھ اس عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے تھا جو رزق کی توقعات مخلوق سے قائم کر لی گئی تھیں اور خالق ورازق

حقیقی سے نگاہ ہٹالی گئی تھی، ان حالات میں حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے اہل تعلق اور افراد خاندان کے لئے یہ راہ اختیار کی اور ان کی بہن سیدۃ امۃ العزیز مرحومہ اور بہنوئی سید رشید احمد حسنی مرحوم نے اپنی اولاد کو ان کے مکمل حوالہ کر کے انہیں آئیڈیل کے طور پر پیش کیا۔

اگرچہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت وفکر ان کے خلفاء اور خلفاء کی جماعت اور حلقہ اثر لوگوں نے سامراج کے خلاف مزاج بنانے کا کام کیا تھا اور دین کی طرف جوع کو بہت عام کر دیا تھا، اور اس کے اثرات کے نتیجہ میں بڑے دینی مدارس قائم ہوئے جن میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور سلفی مدارس اور ان مرکزی مدارس سے متعلق مدارس کا ایک جال برصغیر ہندوستان پاکستان بنگلہ دیش، اور نیپال میں پھیلا، اور دینی تعلیم کو خوب رواج ملا، اور بڑے علماء اور داعی تیار ہوئے، اور تبلیغی تحریک کے تعلق سے خود حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کا یہ فرمانا تھا کہ ہم لوگ آج بھی حضرت سید صاحب کی تجدید کے سایہ میں ہیں، لیکن اس خاندان علم اللہی میں حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے بعد ان کے نواسوں، مولانا سید محمد عرفان اور مولانا سید محمد مصطفیٰ اور دوسرے بزرگ ومربی حضرات حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادی، حضرت مولانا فخر الدین خیالی حضرت مولانا شاہ ضیاء النبی حسنی کے بعد، حضرت مولانا سید محمد امین حسنی نصیر آبادی، مولانا سید محمد طلحہ حسنی ندوی، مولانا سید عبدالحی حسنی اور ان کے صاحب زادگان مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کا جھنڈا اٹھایا، اور مغربی تہذیب وتعلیم کے اثرات کا مقابلہ کیا، اور اپنے افراد خاندان کے لئے خالص دینی تعلیم کو اختیار کیا، اور جو افراد خاندان واقارب دوسری طرف جانے لگے تھے، ان کے لئے دعوت وتبلیغ کی راہ اختیار کی۔

مولانا محمد ثانی حسنی کے بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی اپنے والد ماجد سید رشید احمد حسنی مرحوم کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''معاشی اور دنیاوی زندگی کو انگریزوں کے اقتدار واثر کی بنا پر اس وقت کے شرفاء کے خاندان کے اکثر افراد زیادہ اہمیت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور دینی تعلیم کو دنیاوی اعتبار سے ناکامی کی علامت سمجھا جاتا تھا، والد ماجد سننے اور بولنے کی صلاحیت نہ ہونے کی بنا پر اولاد کی دنیاوی اور معاشی بہتری کے زیادہ قائل ہونے کے لائق تھے اور ہر باپ اپنی اولاد کے مستقبل کے کامیابی کا خواہش مند ہوتا ہے، اور اگر اس کی کچھ معذوری ہو تو اس کا یہ چاہنا بڑھ جاتا ہے، لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی، اور دینی تعلیم جو اس زمانہ میں دنیوی اعتبار سے ناکامی کی علامت سمجھی جاتی تھی، اپنے اولاد کے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی (جوکہ اس وقت ندوہ کے ناظم بھی تھے، اور ان سے بے تکلف اور ہم عمر تھے) اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (جو اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اہم استادوں میں تھے) کے اختیار میں دے دی اور اس طرح مجھ کو اور میرے بھائیوں کو دینی تعلیم کی راہ اختیار کرنے کی سعادت ملی''۔(۱)

مولانا سید محمد واضح حسنی ندوی نے بھی اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ والد مرحوم کے حقیقی چچازاد و خالہ زاد بھائی بیرسٹری کی تعلیم لندن سے حاصل کر کے آئے تھے اور حقیقی ماموں زاد بھائی امریکہ سے تعلیم حاصل کر کے آئے تھے، اور ان کا چرچا تھا، وہ ہم لوگوں پر بڑے شفیق بھی تھے اور اس تعلیم سے دنیا جڑی ہوئی تھی، اور باوجود زمین و جائیداد کے، بڑی تنگی او پریشانی تھی عصری تعلیم حاصل کرنے والے ملازمت حاصل کر کے خوش حال ہو جاتے تھے، کچی عمر میں اس کی طرف رجحان اور میلان حیران کن بات نہیں تھی، ہمارے والد مرحوم جو سنتے بولتے نہیں تھے مگر تعلیم حاصل کی تھی اور

---

(۱) یادوں کے چراغ جلد اول، ص ۳۸۲ مکتبۃ الشباب العلمیہ لکھنؤ

مطالعہ کرتے تھے اس کے ساتھ دینی مزاج تھا ایک دن مجھ سے صاف طور پر کہا کہ ''علی'' (یعنی حضرت مولانا سدی ابوالحسن علی ندوی) کونمونہ بنانا۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اپنی والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ کی تربیت وفکر کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ اپنی اولاد و اخصاد کے لئے پوری توجہ قلبی سے دعائیں مانگتیں، ان کی فکر زیادہ تر ان کی دینی ترقی وکامیابی صلاح ونیک شہرت کی رہتی، مال ودولت اور دنیاوی منافع کا زیادہ حصول ان کی نظر میں ترجیحی بات نہ تھی، ان کو اپنے ماں باپ کے گھر میں اسی طرح کی تربیت ملی تھی، اپنی اولاد سے بہت زیادہ محبت کرنے کے باوجود ان کے کسی غلط کام میں پڑجانے پر بہت سخت انداز اختیار کرلیتیں، کسی کے ساتھ زیادتی کرنے یا بڑوں کی اطاعت میں کوتاہی کرنے پر رحم ومحبت کا جذبہ ظاہر نہ ہوتا، اور کوئی عزیز کسی غلطی پر ان کو تنبیہ کرتا تو اس پر ذرا بھی ناپسندیدگی ظاہر نہ کرتیں، بعض مرتبہ ان کے کسی بیٹے کو اس کے معلم نے اس طرح مارا کہ زخم ہوگیا لیکن انہوں نے ذرا بھی ناگواری ظاہر ہونے نہ دی بلکہ اس کو تربیت کی مصلحت سمجھا۔

انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت اعلیٰ قدروں پر کرنے کی کوشش کی اوران کے مستقبل کی کامیابی کے لئے اپنی زندگی بے راحت رکھی اوراپنے آرام کو نظر انداز کیا، اوروہ اس گھرانہ سے جس میں علم دین اوردین کی فضا ہر طرح قائم تھی شادی کرکے اس گھر میں آئی تھیں، جہاں زمین داری تھی اور زمین داری کے اثر سے دنیاوی ترقی کی راہیں کھلی ہوئی تھیں اوران کے ہم چشموں میں

اس کا رواج بھی تھا، لیکن امۃ العزیز مرحومہ نے اپنے لڑکوں کو
اس راہ پر چلنے نہ دیا اور اس کے برخلاف اپنے عالم و فاضل
بھائیوں کے سپرد کیا جہاں ان کو دینی تعلیم ہی کی لائن پر چلنا
پڑتا۔ یہ وہ دور تھا کہ دینی تعلیم کی طرف جانے والے کو دنیاوی
لحاظ سے بالکل ناکام اور دنیاوی وسائل سے محروم ہو جانے والا
سمجھا جاتا تھا، یہ دنیاوی لحاظ سے وہ قربانی تھی جو ایک شفیق ماں
آسانی سے نہیں دے سکتی تھی۔'' (۱)

مولانا محمد ثانی حسنی نے اس عصر اور ماحول میں جہاں دینی تعلیم سے عمومی بے توجہی اور غفلت تھی اور لوگ مغربی نظام کی طرف لپک رہے تھے، یا تعلیم پر جہالت کو ترجیح دے رہے تھے، اور پھر کمیونزم کے اثر کی وجہ سے دین اور دینی تعلیم کا اور دین والوں کا تمسخر عام بات تھی۔ اپنے ماموں کا خالص دینی طرز زندگی اور مکمل اسلامی نظام وتربیت اختیار کیا، اور صرف یہی نہیں اس کے اثر سے ماحول اور سماج سے بہت سی خرابیوں، خلاف سنت وشریعت باتوں اور کاموں کو ختم کیا اور رسوم وخرافات کی اصلاح بھی کی۔

اس کے ایک دو بڑے سبب نظر آتے ہیں ایک تو کمیونزم یعنی لا دینیت جو ۱۹۱۲ء میں روس میں اشتراکیت کے ساتھ آیا تھا اور ایک فکر ونظریہ کے طور پر دنیا میں پھیل رہا تھا اور عصری تعلیم گاہیں اور دانشور طبقہ اس کے ظاہری مساوات کے نعرہ کی وجہ سے زیادہ متاثر تھا، دوسرے مغربی نظام تعلیم اور سامراج کا تسلط جس سے دنیوی کامیابی اور ترقی وابستہ کر لی گئی تھی۔ البتہ مغربی تعلیمی نظام کے نظریہ کی ناکامی، اور دوسری طرف اہل دین کی عزت اور ان کی فتوحات و برکات کا کھلا مشاہدہ، اور علماء حق کی قربانیوں کے اثرات جن کی وجہ سے عزت کی زندگی حاصل کرنا آسان ہوا، اور تبلیغی جماعت کے ذریعہ دین پر عمل کا جذبہ پیدا ہونے کے نتیجہ میں لوگوں کا اپنے متعلق

(۱) یادوں کے چراغ اول، ص ۲۱۶

بچوں کو دینی تعلیمی اداروں کی نذر کرنا عام ہونے لگا، جس میں خود مولانا محمد ثانی حسنی کی تبلیغی جدوجہد اور ان کی تحریری اور صحافتی خدمات کو بھی بڑا دخل ہے جو انہوں نے اپنے ماہنامہ ''رضوان'' اور دارالاشاعت مکتبہ اسلام کے ذریعے دین کی طرف لانے کے لئے چھوٹے بڑے رسائل کی اور کتابوں کی اشاعت کے ذریعے پیش کی تھیں، البتہ ان کا جو زمانۂ تعلیم تھا اس میں ان کے عصر کے لوگ مغربی نظام تعلیم کی طرف لپک رہے تھے، یا تعلیم پر جہالت کو ترجیح دے رہے تھے۔

تیسرا باب

لکھنؤ، لاہور اور سہارنپور کی درسگاہوں سے استفادہ اور تعلیم وثقافت

دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ اور قیام، عربی زبان و ادب سے دلچسپی اور علمائے عرب سے استفادہ

ثقافت علمی ودینی اور تعلیم وتربیت اپنی نانی مخدومہ خیر النساء بہتر والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز اور خالہ محترمہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ''زادسفر'' و ''قصص الانبیاء'' و مثنوی مجموعے ''باب کرم'' و ''موج کوثر'' وغیرہ، اور پھوپھی صاحبہ سیدہ بتول بی بی (والدہ سید حسن مجتبیٰ، سید حسن مثنیٰ، سید محمد مسلم حسنی رحمہم اللہ) کے زیر سایہ وشفقت اور ماموؤں مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) ومولانا سید ابوالحسن علی ندوی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) اور دوسرے خاندانی اصحاب علم وفضل بزرگوں مولانا سید طلحہ حسنی، مولانا سید عزیز الرحمٰن حسنی، مولانا سید ابوالخیر برق حسنی اور مولانا حبیب الرحمٰن حسنی کی فکر وتوجہ اور رہنمائی میں حاصل کی، مکتبی تعلیم رائے بریلی میں اپنے ان بزرگوں کے زیر سایہ پائی جن میں خاص طور پر مولانا عزیز الرحمٰن حسنی قابل ذکر ہیں، جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بھی ابتدائی استاد تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ان کی تعلیم وتربیت، ثقافت اور عربی

زبان وادب میں استفادہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مکتبی تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ ۱۹۳۴ء میں میرے ساتھ جب ان کی عمر ۹ سال تھی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اسی کمرے میں اپنے بڑے بھائی سید محمود حسن مرحوم کے ساتھ رہنے لگے جس میں میرا اور مولانا مسعود عالم ندوی کا قیام تھا، اور اسی طرح وہ معنیٰ عربی رسالہ ''الضیاء'' کا دفتر اور عربی زبان وادب کا ذوق رکھنے والے اساتذہ اور ہونہار طلبہ کا مرکز بن گیا، جہاں ہر وقت علمی وادبی گفتگو ہوتی تھی، کتابوں اور شخصیتوں پر تبصرے اور عالم اسلام کے حالات پر اظہار خیال اور اظہار تاثر ہوتا تھا، مولانا مسعود عالم صاحب مرحوم ان کی سنجیدگی اور شائستگی اور میرے برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کے تعلق کی وجہ سے ان دونوں بھائیوں کا بہت پاس ولحاظ رکھتے تھے۔

جب وہ عربی پڑھنے کے قابل ہوئے تو دارالعلوم میں باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا یہ وہ ابتدائی دور تھا جس میں ہمارے استاد ڈاکٹر علامہ تقی الدین بلالی مراکشی ندوہ میں رونق افروز اور مصروف افادہ تھے، کچھ عرصہ وہ دارالعلوم کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوکر ہمارے محلے کی مسجد میں رضا کارانہ طریقہ پر بچوں کو عربی سکھانے کا کلاس جاری کیے ہوئے تھے، اس میں مرحوم بھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ شریک ہوتے تھے، ہلالی صاحب کی تربیت میں ایک نوعمر مدنی شریف زادہ عطیہ نامی تھے، وہ عمر کی مناسبت اور مزاج کی شگفتگی کی وجہ سے ہمارے خاندان کے بچوں سے بہت جلد مانوس ہوگئے، وہ رائے بریلی

بھی آئے، اور چھٹیوں میں طویل قیام کرتے، محمد ثانی مرحوم نے ان سے بھی استفادہ کیا، ان کے علاوہ علامہ ہلالی کے چھوٹے بھائی شیخ محمد العربی المراکشی ہمارے رفیق کار اور ہم عمر دوست تھے وہ بھی رائے بریلی آتے اور قیام کرتے، محمد ثانی مرحوم نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا، اور وہ بھی خصوصیت کے ساتھ ان پر شفقت کرتے تھے"۔(۱)

عربی زبان وادب اور اس کے متعلقات کی تعلیم

جہاں تک عربی زبان وادب کی تعلیم کا تعلق ہے تو بلا شبہ اس میں سب سے بڑا حصہ خود ان کے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا دکھائی دے گا، جس میں انہوں نے سخت تعلیمی اصول اختیار کئے تھے اور اپنے استاد اور پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب کا طریقہ کار بھی کسی حد تک اختیار کیا تھا اور اس کو انہوں نے زیادہ قوت کے ساتھ اپنے اولین اور ان شاگردوں پر اختیار کیا، جن پر ان کا اوروں کے مقابلے میں زیادہ اختیار تھا، ان میں مولانا محمد ثانی حسنیؒ اور ان کی جماعت اور مولانا محمد رابع حسنی اور ان کی جماعت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔خود مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا طلحہ صاحب کا طریقہ تعلیم یہ ذکر کیا ہے:

وہ غلطی کو بہت مشکل سے معاف کرتے تھے اور کئی کئی روز تک اور بعض اوقات ہفتوں تک اس پر ملامت اور تکلیف کے اظہار کا سلسلہ جاری رہتا تھا، اس کی وجہ سے دوبارہ غلطی کی ہمت نہ پڑتی اور بہت چوکنا رہنا پڑتا۔

مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی سے خود ان کی کتاب مختارات من ادب العربی، اور بعض دوسری کتابیں

---

(۱) پرانے چراغ حصہ ص ۳۴۵، ۳۴۶ طبع سوم

پڑھیں۔ اور ان کی سرپرستی و رہنمائی میں منفلوطی کی عبرات اور نظرات اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں''۔

خالص دینی وایمانی ماحول میں تربیت اور نشو ونما

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی لکھتے ہیں:

''جو لوگ میری طرح ناواقف ہیں ان کو یہ خیال ہوگا کہ مولانا محمد ثانی مرحوم کی طبیعت موزوں تھی، نعت ومناجات کے اشعار کہا کرتے تھے، لیکن بات صرف اسی قدر نہیں، ان کی طبیعت میں بلا کی روانی تھی، جوش تھا احساسات کا ابال تھا جو شعر بن کر ان کی زبان سے نکلا کرتا تھا، جاحظ نے بڑے پتے کی بات کہی جب ان سے پوچھا گیا کہ شعر کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا "شیء یجیش فی صدری ویلفظه لسانی" (ایک چیز میرے سینے کے اندر کھولتی ہے اور زبان اس کو باہر پھینک دیتی ہے) مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے سینے میں جو دردمند دل تھا اس کا خمیر ایمان سے اٹھا تھا، انہوں نے ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں اللہ کا نام رات دن لیا جاتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جہاں سنا اور سنایا جاتا ہو، جہاں سنت کو زندہ رکھنے اور اس کی پیروی کرنے کا شوق بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اور مردوں سے لے کر خواتین تک سب پر طاری ہو بلکہ سب کا حال بن گیا ہو، جہاں کی فضا میں دینی آداب کی پرورش ہوتی ہو، مولانا محمد ثانیؒ اسی ماحول میں پلے اور بڑھے، ان کا گھرانہ ایک چھوٹی سی بستی میں آباد ہے جس کے پہلو میں سئی نام کی ایک ندی بہتی ہے، اس ندی کو مولانا محمد ثانیؒ کے خاندان کی سعی وجفاکشی کی داستان

زبانی یاد ہے، شاہ علم اللہ کی بستی، حضرت سید احمد شہیدؒ کی پرورش گاہ اور بہتیرے اولیاء اللہ کے ذکر و وعظ سے ہمیشہ جگمگاتی رہی اور ابھی کل کی بات علم و تصوف کا عطر مجموعہ خاصان خدا کی دعاؤں کا مظہر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بستی اہل دل کے لیے رحمت کدہ حق بنی ہوئی تھی، وہاں ایک نوجوان کی زندگی ہی نہیں بلکہ ہر سانس صدق و احساس اور ذکر الٰہی میں بسر ہوئی ہو اس کی شاعری معنی کے لحاظ سے، الفاظ کی نشست کے لحاظ، ردیف و قوافی کے برمحل اور بے ساختہ پن کے لحاظ سے اردو ادبیات میں ایک اضافہ ہے"۔(۱)

ان کے عربی ادب کے مطالعہ کے متعلق وہ رقم طراز ہیں:

"مولانا محمد الثانی حسنی (ندوی مظاہری) رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۵۸ھ میرے ہم درس تھے، (میں نے غلط کہا، میں ان کا ہم درس تھا،) تعلیمی سفر میں ان کا کئی سال ساتھ رہا، میں ان کا ہم سر نہیں تھا، وہ خاموش زبان، رواں طبیعت اور شروع سے ولی اللہ قسم کے آدمی تھے، سب کے ساتھ پڑھتے اور سب سے جدا، ایک کنارے کی سیٹ پر بیٹھتے، عبارت صاف صحیح پڑھتے، بہت مشکل سے مسکراتے، سنجیدہ باوقار زیادہ رہتے تھے، درجہ پنجم جہاں میرا انکا ساتھ تھا سال کے ختم ہوتے ہی یہ نوعمر بزرگ کی اس وقت تک داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی، نظروں سے غائب ہو گئے، جب ہم لوگ ساتویں درجہ میں پہنچے جس میں "تاریخ الادب العربی" پڑھائی جاتی تھی، یہ حضرت بھی نمودار ہوئے، معلوم کیا: اتنے دنوں کہاں تھے؟ بتایا: وہ سہارنپور میں شیخ الحدیث مولانا ذکریا قدس سرہ

(۱) مقدمہ "میزاب رحمت" (یعنی کلام ثانیؒ) مطبوعہ مکتبہ اسلام، لکھنؤ

سے خصوصی استفادہ کررہے تھے، اسی زمانہ میں کسی نے بتایا یہ
حضرت شاعر بھی ہیں، تعجب ہوا کہ مولانا محمد ثانی اور شاعر، نہ اختر
شماری کرتے، نہ دامن چاک، نہ گریباں پر کوئی شکن، نہ دامن پر
کوئی داغ، نہ خنجر پہ کوئی چھینٹ، شاعروں سے یہ دور، بیت بازی
سے کنارہ کش، ہاں مصطفی لطفی منفلوطی کے افسانے، العبرات اور
اسلامی مضامین، النظرات پڑھا کرتے تھے، پڑھا ہی نہیں ان
کتابوں کے پیچھے ان کی آنکھیں کمزور ہوگئیں، جب چہرے پہ
ریش سیاہ نمودار ہوئی عینک بھی لگ گئی"۔(۱)

علوم آلیہ، صرف ونحو

اور صرف علوم آلیہ ونحو میں انہوں نے زیادہ تر استفادہ مولانا طلحہ حسنی ٹونکی سے کیا جن سے اس میں خود مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے استفادہ کیا تھا، اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنے اور ان کے استفادہ کو اس طور پر بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

مولانا کو صرف ونحو کی تعلیم میں ملکہ راسخ حاصل تھا، ان کی تعلیم
میں نظری مسائل وجزئیات سے زیادہ علمی مشق اور قواعد کے
اجراء پر زور تھا، انہوں نے صرف ونحو کے علمی مسائل کا جن کی
روزمرہ کی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے، ایک مختصر سا نصاب اور
فہرست تیار کرلی تھی، اور پہلے وہ انہیں کو مشق کراتے تھے میری
صرف ونحو کی محدود علمی صلاحیت زیادہ تر انہیں کی رہین منت
ہے، میرے علاوہ ان کے حقیقی بھانجہ برادر عزیز احمد الحسنی (جن
کو عربی انگریزی میں یکساں قدرت ہے اور جو عربی اہل زبان
کی طرح بولتے ہیں) اور (میرے) خواہر زادہ عزیز محمد ثانی

(۱) مقدمہ "میزاب رحمت" (یعنی کلام ثانیؒ) مطبوعہ مکتبہ اسلام، لکھنؤ

سلمہ کو صرف ونحو میں ان سے استفادہ کا خاص موقع ملا۔

علم فلکیات ونجوم میں استفادہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے مولانا طلحہ حسنیؒ کی علمی مجالس اور تعلیمی وتربیتی مزاج کا ذکر کرتے ہوئے اپنے تعلق سے لکھا ہے:

''مجھے ان کی کتابی تعلیم سے زیادہ ان کی علمی صحبتوں سے نفع پہنچا اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ میرے ذہن کی تربیت وتشکیل اور میرے ذوق ومعلومات میں جس کو ایک مفرد لفظ ''ثقافت'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، ان کا بہت بڑا حصہ ہے۔(۱)

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھ اس خصوصیت میں اپنے خواہر زادہ عزیز مولانا محمد ثانیؒ کو بھی شریک کیا ہے اور لکھا ہے:

''عزیزی مولوی محمد ثانی سلمہ پر وہ بہت شفیق تھے، اور ان کی سعادت وصلاحیت سے بہت متاثر تاریخی سنین وفرائض اور نجوم وغیرہ میں ان کو ان سے بہت فائدہ پہنچا اور بہت سے چٹکلے انہوں نے ایسے یاد کرائے جو بڑی کتابوں میں نہیں ملتے''۔

علم فلکیات ونجوم کے تعلق سے لکھا ہے:

''اگر کوئی نیا ستارہ طلوع ہوجاتا تو بھری رات ہوتی اور ان کو کسی ضرورت سے باہر آنا ہوتا تو وہ اپنے ہمنشینوں کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے اور ان ستاروں سے واقف ہونے پر اصرار کرتے ان مجلسوں میں وہ جن لوگوں سے زیادہ مانوس ہوتے ان کو شریک کرنے اور دیر تک اپنے پاس بیٹھنے پر اصرار کرتے، یہ خصوصیت عزیزوں میں مجھے اور خواہر زادہ عزیزی محمد ثانی سلمہ،

---

(۱) بحوالہ پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۴۳ پانچواں ایڈیشن

محترمی سید عقیل صاحب (جو ان کے پھوپھی زاد بھائی تھے) اور
عزیزی سید عامر حسنی کو حاصل تھی''۔(۱)

مولانا سید طلحہ حسنی کی شفقت وعنایت

مولانا سید طلحہ حسنی (ٹونکی ثم کراچی) کا شمار اپنے عصر کے ممتاز ماہرین تعلیم وماہرین فلکیات وادبیات اور فخر عہد مؤرخین میں ہوتا ہے، جن کی نظیر خال خال ملتی ہے، مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی خوش بختی تھی کہ ان پر انکی نگاہ ایسی پڑ گئی تھی جس کے لیے دوسروں کو بڑی قربانی دینی پڑتی ہے، اور جانفشانی سے کام لینا پڑتا ہے چنانچہ انہوں نے ان کو علم وثقافت کے زیور سے آراستہ کرنے میں بڑی دلچسپی لی اور اپنے مستقر لاہور جہاں وہ اورینٹل کالج میں بلالیا اور مولانا سید محمد ثانی صاحب نے ایک عرصہ وہاں بھی گذارا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں ہمارے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب حسنی ایم اے استاد اورینٹل کالج لاہور مولانا محمد ثانی مرحوم کی سلامت طبع بے نفسی اور سعادت مندی دیکھ کر ان پر بہت شفیق ہو گئے، وہ اکثر ان کو اپنے ساتھ رکھتے، اور شہر سے آنے جانے میں اپنے ساتھ لے جاتے، ان کی صحبت اور شفقت خصوصی سے مرحوم کو بڑا علمی فائدہ پہنچا، اور ذہنی نشو ونما، علمی مناسبت اور معلومات عامہ میں بیش بہا اضافہ ہوا، کہ مولانا سید طلحہ صاحب ایک زندہ اور متکلم دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تھے، اور تاریخ تراجم وسوانح اور طبقات رجال پر تو ان کو ایسا عبور تھا کہ ہندوستان میں چند ہی آدمی مشکل سے ان کے ہم سر ہوں گے ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں کو ایک وسیع اسلامی ثقافت کا حصہ ملتا تھا، جس میں

---

(۱) پرانے چراغ حصہ دوم ص ۲۴۴ تذکرہ مولانا طلحہ صاحب

تاریخ بھی داخل تھی، حدیث بھی، تصوف بھی، شعر و شاعری کا ذوق بھی اور صحتمند اور مہذب تنقید بھی، اسلاف اور علمائے متقدمین کا احترام ان کی مرتبہ شناسی بھی، اور فلسفہ واعتزال اور قدیم ترقی پسند اور ملحدانہ سطحی وخام خیالات وافکار سے بیزاری بھی، خود راقم الحروف کو بھی ان کی تعلیم اور اس سے زیادہ ان کی مجالس سے وہ فائدہ پہنچا جو سو پچاس کتابوں کے پڑھنے سے بھی مشکل سے حاصل ہوتا، مولانا طلحہ صاحب محمد ثانی مرحوم کی نیک مزاجی اور سلیم الطبعی سے خاص طور پر متاثر تھے، بعد میں بھی بڑے معنی خیز انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ علی نے تو کتابوں کے مطالعے، قصد وارادے، اور غور فکر سے اپنی اصلاح کی، اور اپنے اندر صلاح پیدا کرنے کی کوشش کی، لیکن محمد ثانیؒ کو پیدائشی طریقہ پر بلا ارادہ ومحنت یہ بات حاصل ہے، مولانا طلحہ صاحب نے اسی زمانے جب محمد ثانی کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی تھی، ابھی ابتدائی درجوں میں پڑھتے تھے، خاص طور پر تین چیزوں میں ان کو تیار کیا، ایک فرائض علم المیراث اور سہام (ترکے کے حصے) نکالنا، دوسرے ضروری نحوی وصرفی مسائل، تیسرے مشاہیر اسلام کے سنین وفات، اس میں انہوں نے ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا تھا کہ مماثل سنین میں جن لوگوں کی وفات ہوئی اس کو یاد کراتے تھے، مثلاً امام غزالیؒ کا سنہ وفات ۵۰۵ھ امام رازی کا سنہ وفات ۶۰۶ھ وقس علیٰ ذالک، اس طرح اس نوعمری میں انکے اندر تاریخی شعور پیدا ہوا، اور سوانح لکھنے کا وہ سلیقہ جس کا پورے طور پر اظہار سوانح مولانا محمد یوسف اور حیات خلیل میں

ہوا، غالبا وہ دار العلوم کے چھٹے ساتویں درجے میں پڑتے تھے، کہ مولانا سید طلحہ صاحب نے جن کا قیام لاہور میں تھا، لاہور کی دعوت دی، جس کو ہم سب کے مربی مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب نے اس شرط پر قبول کر لیا کہ وہ ان کو کوئی مشرقی امتحان (مولوی، عالم فاضل وغیرہ) نہیں دلائیں گے، جس کی اس زمانے میں ایک ہوا چلی ہوئی تھی، اور اس کے ذریعہ سے لوگ انگریزی کے امتحانات دے کر سرکاری ملازمتوں میں فائز ہوتے تھے، بھائی صاحب مرحوم اصولا اس لائن کو غلط اور دینی و علمی صلاحیتوں کے ضیاع کے مرادف سمجھتے تھے، محمد ثانی مرحوم لاہور گئے، اور اس ابتلاء سے نہیں بچ سکے، مولانا سید طلحہ صاحب کے ایماء سے جن کے مدنظر اس میں بہت سے فوائد تھے، انہوں نے مولوی عالم کا امتحان دیا اس میں وہ آسانی سے کامیاب ہو گئے۔

لاہور کے قیام میں مولانا سید طلحہ کی وساطت سے بڑی بڑی شخصیتوں سے ملے جن میں سر شیخ عبد القادر صاحب کا خاص طور پر ذکر کرتے تھے، حضرت مولانا احمد علی صاحب کی مجالس اور مواعظ سے بھی فیض یاب ہوئے اور لاہور سے جو اس وقت سب سے بڑا ثقافتی مرکز تھا انہوں نے علمی و ادبی فائدہ اٹھایا۔(۱)

دار العلوم ندوۃ العلماء میں

درجہ پنجم عربی (شوال ۱۳۵۸ھ تا شعبان ۱۳۵۹ھ، مطابق ۳۹-۱۹۴۰ء)

مولانا محمد ثانی حسنی دار العلوم ندوۃ العلماء میں پہلے سے پڑھ رہے تھے اس لیے ان کے اساتذہ میں مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا محمد اویس نگرامی وغیرہ کے بھی نام لیے

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم ص ۳۴۷-۳۴۸ طبع سوم

جاسکتے ہیں، جو پھر دوسری جگہوں پر چلے گئے تھے، اور مولانا حیدر حسن خان ٹونکی مہتمم وشیخ الحدیث تھے جو ۱۹۴۰ء میں ٹونک چلے گئے تھے، جہاں ۱۹۴۲ء میں وفات پائی۔

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنا داخلہ درجہ پنجم عربی (۱۳۵۸ھ-۱۹۳۹ء) کا بتایا ہے، اور اس میں مولانا سید محمد ثانی حسنی کی رفاقت کا ذکر کیا ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

> "۱۳۵۸ھ میں شوال کا مہینہ نومبر ۱۹۳۹ء میں پڑا تھا، راقم کا داخلہ درجہ پنجم عربی میں ہوا تھا، جس میں مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دو گھنٹے تھے، ایک عربی نثر کا، جس میں "مختارات" خود مولانا کی تالیف پڑھائی جاتی تھی، اور اس وقت تک مختارات طبع نہیں ہوئی تھی، قلمی مسودہ سے ہم لوگ اسباق نقل کرتے تھے اور دوسرا گھنٹہ قرآن کریم کے ترجمہ وتشریح کا تھا، ۷/ شوال کو میرا داخلہ ہوا، قرآن کریم کا گھنٹہ نماز ظہر سے پہلے ہوا کرتا تھا، میں نے مولانا کو پہلی بار اس درجہ میں دیکھا، اور پہلا سبق ۱۴/ شوال ۱۳۵۸ھ کو ہوا، سب ق سے پہلے تمہیدی تقریر میں مولانا نے جو ارشاد فرمایا تھا، وہ یہی تھا، جو اوپر نقل کیا گیا"۔(۱)
>
> "دینی تعلیم کے لیے کسی مدرسہ میں آنا ایک قربانی ہے، سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں کو جو دنیوی منافع کی توقع رہتی ہے وہ مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ کو نہیں ہوتی، زمانہ کا رخ جس بہاؤ پر ہے اس کے مخالف رخ پر چلنا آسان نہیں ہے، اس کے لیے عزم کی ضرورت ہے، اور سب

---

(۱) مولانا عبداللہ عباس ندوی صاحب نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی لکھی ہے کہ "خشیت، انابت الی اللہ، حضور ﷺ کی محبت میں جان دینے کی تمنا، جہاد کی عظمت نئے سرے سے ذہن نے قبول کیا"۔ (سفرنامہ حیات: ۴۷)

سے پہلے نیت کی تصحیح ضروری ہے، مدرسے قربانی کی چھاؤنیاں ہیں، اگر کوئی ان مدرسوں میں بغیر عزم ونیت کے اور بغیر جذبہ ایمانی کے جاتا ہے، اور اس کے نزدیک ترقی کا معیار وہی ہے، جو سرکاری کالجوں کے طلبہ کے نزدیک ہے تو اس کے لیے خسارہ کا بڑا خطرہ ہے"۔(۱)

"...........منطق میں قطبی پڑھانے والے ایک استاد تھے، جن کا نام مولانا محمد زماں خاں تھا، قطبی کی الجھی ہوئی عبارت اور بعض عبارتوں کی کثرت کی وجہ سے زیادہ محنت کرنا پڑتی تھی،......ایک کتاب اردو میں عقیدہ کی تھی، جس کا نام "ترجمہ شرح عقائد" تھا......، مختارات اس وقت تک چھپی نہیں تھی، اس کی تصنیف کے بعد یہ دوسرا سال تھا جب درجہ پنجم میں ہم لوگ پڑھ رہے تھے، اور خود مولانا پڑھا رہے تھے، ایک دو طالب علم جو اسی درجہ میں پہلے پڑھ چکے تھے اور فیل ہوگئے تھے، وہ آسانی سے پڑھ لیتے تھے، دوسرے مولوی محمد ثانی مرحوم کو دیکھا کہ اس کی عبارت پڑھ رہے ہیں، اس وقت ان کا چھوٹا سا قد اور کالی مخمل کی ٹوپی یاد ہے، اس وقت تک ہماری یا ان کی داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی، اور وہ لڑکے جن کی داڑھی مونچھ نکل چکی تھی اس میں ایک طالب علم میسور کے تھے، جو اپنے کو انقلابی شاعر کہتے تھے۔

ہمارے اور ساتھیوں میں اسی سال داخل ہونے والے "مجیب اللہ" تھے، جن کا وطن غازی پور ضلع میں تھا، جس گاؤں کے رہنے والے تھے اس کا نام "کسمی خورد" تھا، "کسم" لال رنگ کو کہتے ہیں، اسی لیے ایک زمانہ میں وہ اپنا نام مجیب اللہ احمری لکھتے تھے،

---

(۱) بحوالہ: میر کارواں

اور ندوہ آنے سے پہلے کئی مدرسوں میں پڑھ چکے تھے، ندوہ سے فارغ ہونے کے بعد دارالمصنفین سے متعلق ہوئے، بعد میں اپنا ایک مدرسہ قائم کیا، اور اس سے ہمیشہ کے لیے وابستہ ہوگئے۔

دوسرے ساتھی محمد شبیر سلطان پوری تھے، جن سے زندگی بھر تعلق قائم رہا، ان کی کتاب دیار شوق میں ان کی خودنوشت سوانح حیات موجود ہے۔

انہیں میں تشفی حسین ٹیلہ شاہ پیر محمد کے متولی شاہ واعظ حسن کے چھوٹے بھائی پھر شاہ تسلی حسن بھی داخل ہوئے۔(۱)

ایک اور پیرزادہ غازی پور کے تھے، شاہ فصیح الدین بلخی سب کے علیحدہ کردار تھے، سب مرحوم ہو چکے، میسور کے عبدالستار، لکھنؤ کے طیب خاں، اور ایک خاص لکھنوی انداز کے......عبدالعلی فوق تھے"۔(۲)

کتابوں میں درجہ پنجم عربی میں فقہ میں شرح وقایہ حصہ دوم کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ:

"ندوہ میں آنے کے بعد اس درجہ میں شرح وقایہ ثانی سے سابقہ پڑا، استاد درس مولانا مفتی محمد سعید صاحب اعظمی تھے"۔(۳)

اپنے ان محترم استاد کی صفت وخصوصیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"فقہ میں اس وقت کے استاد مولانا مفتی محمد سعید صاحب ندویؒ تھے، جو صورت مسئلہ کی تشریح کرکے احکام سمجھا دیتے، اور اپنے محاورہ میں کبھی کہہ دیا کرتے، لو سنو! ہندی کی چندی کرتا ہوں، مسلک کے لحاظ سے حنفی تھے، مگر مناظرانہ رنگ نہیں تھا، وسعت

---

(۱) شاہ تسلی حسن ندوی مرحوم ابن حضرت شاہ سید وارث حسن مرحوم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے ہم درس تھے (محمود) (۲) سفرنامہ حیات: ۴۸-۴۹ (۳) بحوالہ سابق: ۴۳

فکر میں ندوی کامل تھے"۔(۱)

ادب کے اساتذہ میں مولانا نے مولانا محمد ناظم ندوی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جو بعد میں شیخ الجامعہ بھاول پور (پاکستان) ہوئے، وہ لکھتے ہیں:

"حماسہ میں باب الحماسہ حضرت مولانا محمد ناظم صاحب سے پڑھی، اس طرح الفاظ کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے، کہ پتہ چل جاتا تھا کہ اس مبتدا کی خبر کہاں ہے، لغت و مفردات پر حاوی تھے، علامہ عبدالعزیز میمن کے بعد پورے ملک میں لغت پر عبور رکھنے والا کوئی اور نظر نہیں آیا"۔(۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے گھنٹہ مضامین قرآن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب ہم لوگ درجہ ششم میں پہنچے تو وہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے یہاں "مضامین قرآن" (۳) کا گھنٹہ تھا، اور ان کی تقریروں سے دل پسیج جایا کرتا تھا، اس وقت وہ زبانی تقریر کیا کرتے تھے، اور طلبہ لکھ لیا کرتے تھے، وہ خطاب کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں"۔(۴)

اگر مولانا سید محمد ثانی حسنی اسی زمانہ میں لاہور اپنے بزرگ معلم مولانا سید محمد طلحہ

---

(۱) سفرنامہ حیات:۵۰ (۲) سفرنامہ حیات:۵۱ (۳) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ خصوصی گھنٹہ مسلسل رہا، جب تک وہ تدریسی طور پر دارالعلوم ندوۃ العلماء سے وابستہ رہے، (۱۹۴۹ء-۱۹۵۰ء) میں مولانا سید محمد طاہر منصور پوری نے جب تعلیمی غرض سے ندوہ میں قیام کیا تو ان محاضرات کو لکھنے کا اہتمام کیا جس پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے نظر ثانی فرمائی، اور حضرت مولانا محمد ثانی حسنی نے اس کو اپنے دارالاشاعت مکتبہ اسلام سے شائع کیا۔ (محمود)

(۴) سفرنامہ حیات: ۵۰-۵۱ (یہ مضامین قرآن "الندوہ" میں چھپے ہیں جس میں حضرت مولانا شریک ادارت تھے، جنھیں الگ الگ رسالہ کی صورت میں ان کے ایک بڑے ہی محب و قدرداں جناب عثمان حیدرآبادی اپنے ادارے "ایچ-یم حسین ٹرسٹ" سے شائع کر رہے ہیں۔

حسنی ٹونکی (پھوپھا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کی خدمت میں گئے ہیں، اور وہاں اورینٹل کالج میں کچھ عربی و فارسی کے امتحانات دیئے تو پھر ششم کے اس سال میں شرکت نہیں رہی۔

۱۹۳۹ء (۵۸-۱۳۵۹ھ) میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی علمی فضا کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت سید صاحب علامہ سید سلیمان ندوی تشریف لاتے ہیں طلبہ کو ہدایات دیتے، اوران کا تعلیمی جائزہ لیتے، یہ سلسلہ ان کا بعد میں بھی بحیثیت معتمد تعلیم جاری رہا، اور اساتذہ میں اس وقت کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی، نائب شیخ الحدیث مولانا شاہ حلیم عطا صاحب اور دیگر اساتذہ تفسیر وحدیث، فقہ و ادب و تاریخ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، مفتی محمد سعید ندوی اور معقولات کے استاد مولانا محمد زماں صاحب انگریزی کے استاد ماسٹر عبدالسمیع صاحب تھے، اور مہتمم مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی تھے، رواں تعلیمی سال کے وسط میں مولانا محمد عمران خاں ندوی ازہر مصر سے آگئے تو وہ نائب مہتمم بنادیئے گئے تھے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی نے ان سب کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

> ''مولانا حیدر حسن خاں صاحب سے ہم لوگوں کو استفادہ کا موقع نہیں ملا، مگر دوسرے تمام اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا، علمی اعتبار سے سب سے زیادہ فائدہ راقم الحروف کو مولانا شبلی فقیہ مرحوم، شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم اور مولانا ناظم صاحب مرحوم سے پہنچا، اور عملی زندگی پر سب سے زیادہ اثر مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا پڑا، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب علم کا پہاڑ تھے، ان کو حدیث و تاریخ کی صفحہ بہ صفحہ عبارتیں زبانی یاد تھیں، ان کی صحبت میں رہ کر ندوہ کے کتب خانہ کی ہر فن کی امہات

الکتب سے واقف ہوگیا تھا، ۱۹۴۲ء میں مولانا حمید الدین صاحب کا استاد حدیث کی حیثیت سے تقرر ہوا، مولانا شاہ انوار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، ترمذی شریف ہم لوگوں نے انہیں سے پڑھی تھی''۔(۱)

زبان وادب کی فضا کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''کئی سال پہلے ندوہ سے مولانا تقی الدین ہلالی جا چکے تھے، مگر ان کے عربی ادبی ذوق کا چرچا جاری تھا، اور ان کے کئی شاگرد ندوہ میں استاد تھے، مولانا عبدالرحمٰن کاشغری اور مولانا مسعود عالم صاحب ایک سال پہلے یہاں سے جا چکے تھے، مگر ان کا ذکر اب بھی ندوہ کی فضا میں گونج رہا تھا، ندوہ میں اس وقت اچھے اساتذہ موجود تھے، اور پڑھنے پڑھانے کا ماحول بھی تھا۔(۲)

ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا نظام تعلیم وتربیت

''مولانا سید محمد ثانی حسنی اور ان کے بھائیوں کی پوری تعلیم و تربیت اس نقشہ کے مطابق انجام پائی جو ان کے لیے ان کے ماموؤں مولانا ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی حسنی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بنایا تھا، وہ سند (شہادت، ڈگری) کو اہمیت نہیں دیتے تھے، تعلیم وتربیت کے نظام اور علوم وفنون کے اس کے ماہر سے سیکھنے کو زیادہ پیش نظر رکھتے تھے، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی نے یہی طریقہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ اختیار کیا اور ان دونوں نے اپنے بھانجوں کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا، چنانچہ مولانا محمد ثانی حسنی کو تین بڑے مراکز

---

(۱) نقوش حیات، ص:۹۰، از: مولانا مجیب اللہ ندوی (۲) بحوالہ سابق: ۴۰

علم لکھنؤ، لاہور، اور سہارنپور میں تعلیم دلائی، اور اسی طرح مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو بھی لکھنؤ، لاہور، اور دیوبند میں تعلیم دلائی تھی، چونکہ تحریک آزادی کی سرگرمیوں کی وجہ سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کا قیام دارالعلوم دیوبند میں اس زمانہ میں بہت کم رہتا تھا، جو زمانہ تعلیم مولانا محمد ثانی حسنی کا ہے اس لیے ان کا انتخاب سہارن پور میں مظاہر علوم کا علم حدیث میں استفادہ اور اصلاح باطن میں کسب فیض کے لیے وہاں کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا کیا، اس کے ساتھ ان دونوں مربیوں نے اپنے ان عزیز بھانجہ کے لیے دوسرے علوم وفنون سے استفادہ کے لیے راہیں ہموار کیں، اور خود بھی ان کو مستفید کرتے رہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تعلیم وتربیت میں رعایت ومروت کے بالکل قائل اور اس پر عامل نہ تھے، غلطی پر سخت سرزنش فرماتے، اور اس میں مار کو مفید سمجھتے، اس کے حدود میں رہتے ہوئے اس میں کام لیتے، یہاں تک کہ اس کو سخت ندامت، خجالت، شرمندگی ہوتی اور آنسو رواں ہوجاتے، اس میں مولانا محمد ثانی حسنی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ تو زیادہ سختی کا معاملہ رہا، پھر ان میں نرمی آگئی تھی، جو مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی پر ظاہر ہوئی، مولانا عبداللہ عباس ندوی نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے تعلق سے لکھا ہے کہ ”مرحوم اپنے ماموں جی کی آغوش تربیت کا در نایاب تھے“۔(۱)

---

(۱) مقدمہ سفر نامہ ”لبیک اللہم لبیک: ۱۴

اور مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے تعلق سے لکھا ہے کہ:

''مولانا محمد ثانی مرحوم ڈاکٹر صاحب کے خصوصی تربیت یافتہ تھے''۔(۱)

مولانا سید محمد ثانی حسنی کی والدہ ماجدہ سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوگی، وہ رقم طراز ہیں:

''میرے بچوں کی تعلیم کا انتظام میرے دونوں بھائیوں ڈاکٹر سید عبدالعلی اور عزیزی ابوالحسن علی نے اپنے ہاتھ لیا، اور اس خوبی سے انجام دیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی، ان کو خالص دینی تعلیم دی، بہترین تربیت کی، اور اس محبت وشفقت کا معاملہ کیا جیسا معاملہ کوئی باپ اپنے بیٹے سے نہیں کرتا، خدا نے میری والدہ کے ایثار (یعنی رشتہ کرنے میں ایثار) اور میری پریشانیوں کا ایسا بدلہ دیا کہ سر شکر میں گر جاتا ہے۔(۲)

چنانچہ جیسا یہ حضرات نظام بناتے مولانا کے والدین اسی کو پسند کرتے اور مولانا بغیر چوں چرا اسی پر عامل ہوتے۔

درجہ ششم عربی میں حاضری اور لاہور کا سفر

لاہور کا تعلیمی سفر خاندان کے بزرگ معلم مولانا سید طلحہ صاحب لکھتے ہیں:

''راقم سطور کو بھی مولانا کی خدمت میں تقریباً ایک سال رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، مولانا نے جس طرح میری تعلیم وتربیت کا انتظام کیا، اس نے میرے لیے علم کا دروازہ کھول دیا، مولانا کی شفقت ومحبت اور فکر و دردمندی نے میرے ذہن و دماغ پر

(۱) سفر نامہ حیات: ۸۹

(۲) زندگی کیسے گذاریں: ۲۱-۲۲، مطبوعہ مکتبہ امامہ حسنی مدرسہ عائشہ بڑا کنواں، رائے بریلی

گہرے نقوش ثبت کئے، مولانا ہر علم وفن کے ماہر علماء سے ملاقات کراتے ان کی مجلسوں میں بٹھاتے تھے، چونکہ مولانا کے تعلقات وسیع تھے ایک طرف ان کو مشائخ اور علماء کا اعتماد حاصل تھا تو دوسری طرف اہل وجاہت وحکومت اور اصحاب علم وفن سے تعلق رکھتے تھے، لاہور کی علمی اور ادبی مجلسیں ان کی وجہ سے آبادی تھیں، علامہ اقبال سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرتے، شعروسخن میں دلچسپی لیتے، اسی طرح سر عبدالقادر سے اکثر ملاقات رہتی، نیز مولوی محمد شفیع اور دوسرے ادباء واہل علم سے گہرا ربط وضبط رکھتے تھے، مختلف مسلک کے علماء اور مشائخ ان کے یہاں آتے جاتے تھے، مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا داؤد غزنوی سے بڑی عقیدت ومحبت کا تعلق تھا، مولانا ہی کے دولت خانہ پر سب سے پہلے راقم سطور کو مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا داؤد غزنوی اور دوسری ممتاز شخصیتوں سے نیاز حاصل ہوا......"۔(۱)

بھائی سید محمود حسن حسنی کا سانحہ انتقال (۱۹۴۲ء)

سید محمود حسن برادر اکبر مولانا سید محمد ثانی حسنی (۱۹۲۱ء) میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے، دادا مولانا سید خلیل الدین حسنی نے اپنے سبھی پوتوں کے نام محمد رکھے تھے، ان سے اس مبارک کام کا آغاز ہوا، نانا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) نے سید محمود حسن نام رکھا(۲) ان کی اور مولانا محمد ثانی حسنی کی تربیت وتعلیم

(۱) خانوادہ علم اللہی: ۲۸۴ (۲) یہ بات راقم کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس طرح بتائی کہ جانتے ہو تمہارا نام ہمارے بابا (یعنی والد ماجد مولانا حکیم عبدالحی حسنی) نے رکھا ہے، پھر وضاحت فرمائی کہ انہوں نے محمد ثانی کے بڑے بھائی کا نام حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن پر محمود حسن رکھا تھا، اسی پر ہم لوگوں نے تمہارا نام رکھا ہے۔

ساتھ ساتھ چلی، دار العلوم ندوۃ العلماء مین اپنے ماموں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ اس کمرہ میں رہے، جب ان کی مکتب کی تعلیم تھی اور اس کمرہ میں مولانا مسعود عالم ندوی بھی رہتے تھے، جس کا تذکرہ گذر چکا ہے، مگر ان کی طبیعت برابر ناساز رہتی تھی، اور ان میں اضمحلال رہتا تھا، ذہین تھے بعض چیزیں ایجاد کیں، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ان سے بڑا تعلق تھا، ان کی تیمارداری میں ان کے ساتھ اسپتال میں بھی رہے، اور اس سے ان کا جو قلب متاثر ہوا اس نے ان کی زندگی میں گہرا اثر ڈالا، جسے انہوں نے اپنے ایک مضمون میں بھی بیان کیا ہے، افسوس کی ۲۱/ سال کی عمر میں داغ مفارقت دے گئے، ان کی والدہ ماجدہ نے ان کی پیدائش کی خوشی وفات کے غم کو بڑے سادہ اور پر اثر انداز میں یوں بیان کیا ہے:

> ''شادی کے تین سال بعد خدا نے ایک فرزند دیا، جس کی آمد کی خوشی دونوں گھروں میں بہت منائی گئی، والدہ ماجدہ نے شکرانہ کی نماز پڑھی اور خدا کی خوب تعریف کی اور اس بچہ کا نام محمود رکھا، افسوس ہے کہ اس کا جوانی میں انتقال ہوگیا جس کی جدائی کا زخم اب تک باقی ہے، پھر خدا نے اور کئی فرزند دیئے اور نام میرے خالو نے محمد پر رکھے''۔(۱)

درجہ ہفتم کا درس

(شوال ۱۳۶۰ھ تا شعبان ۱۳۶۱ھ-۴۱-۱۹۴۲ء)

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے مولانا محمد ثانی حسنی پر نقوش وتاثرات کی تحریر سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مولانا محمد ثانی حسنی نے درجہ ششم دار العلوم میں نہیں پڑھا بلکہ وہ پنجم پڑھ کر سہارنپور گئے تھے، درجہ ہفتم میں پھر آئے، حالانکہ یہ بات تاریخی طور پر ثابت نہیں ہوتی، یہ سفر لاہور کا تھا جس کا ذکر پہلے گذر چکا اور مظاہر علوم سہارنپور کا

(۱) زندگی کیسے گذاریں: ۲۱

سفر۴۴-۱۹۴۵ء کا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا، مولانا عبداللہ عباس ندوی درجہ ہفتم کے اساتذہ اور درسیات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''دار العلوم ندوۃ العلماء کے درجہ ہفتم میں تاریخ الادب العربی مصنفہ استاد احمد حسن الزیات ہم نے مولانا علی میاں صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھی، حدیث میں ترمذی جلد ثانی حضرت مولانا شاہ حلیم عطا کے یہاں تھی، سبعہ معلقہ مولانا محمد ناظم صاحب بڑے ذوق وشوق سے پڑھاتے تھے اور یہ تمام معلقات ان کو حفظ تھیں، ایک ایک لفظ کی تشریح اور نحوی ترکیب کی تحلیل کرتے اور سمجھاتے''۔(۱)

درجہ ہشتم

شوال ۱۳۶۱ھ تا شعبان ۱۳۶۲ھ-۴۲-۱۹۴۳ء۔

اس کی خاص بات مولانا عبداللہ عباس ندوی نے یہ لکھی ہے کہ:

''جب ہم لوگ درجہ ہشتم میں پہنچے، تو استاد محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی نے ابوداؤد اس انداز میں پڑھائی کہ گویا ہم ریسرچ کر رہے ہیں، مسئلہ ''وضو'' میں مسئلہ ''رقبہ'' کا تھا، اس سلسلہ میں مجھے یاد ہے کہ تمام روایات جہاں جہاں ملیں مولانا کی ہدایت کے مطابق ان کو جمع کیا، اور احناف کے سبب ترجیح کو اس طرح سمجھا کہ روایات، ان کے رواۃ اور رواۃ کے درجات سب سمجھ کر آگے بڑھے''۔(۲)

''اسی درجہ (ہشتم) میں میرے درس میں ترمذی اول تھی، جو دراصل حضرت مولانا شاہ حلیم عطا قدس سرہ کے یہاں تھی، مگر وہ اپنے بڑے صاحبزادہ شاہ ہادی عطا

---

(۱) سفر نامہ حیات: ۶۴ (۲) سفر نامہ حیات: ۶۶

مرحوم کی علالت کی وجہ سے تین ہفتہ کی چھٹی لیے ہوئے تھے، ان کی جگہ پھلواری کے مولانا شاہ عزالدین ندوی پڑھایا کرتے تھے''۔(۱)

درجہ نہم

(شوال ۱۳۶۲ھ تا شعبان ۱۳۶۳ھ-۴۳-۱۹۴۴ء)

مولانا عبداللہ عباس ندوی درجہ نہم عربی کی اپنی اور اپنے رفقاء کی تعلیم کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے نویں درجہ کی کتابوں میں مولانا حمید الدین صاحب جو حضرت مدنی کے ہم زلف تھے، اور ڈاکٹر صاحب (مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب، بی ایس سی، ایم بی بی ایس، ناظم ندوۃ العلماء وخلیفہ حضرت مدنی) کی طلب پر یہاں آئے تھے، میں نے اور میرے درجہ والوں نے ان سے بیضاوی اور بخاری پڑھی، حضرت شاہ صاحب (مولانا شاہ حلیم عطا صاحب) اپنے فن میں کامل تھے، اور کبار محدثین، میں ان کا شمار ہو سکتا تھا مگر وہ اپنے قصبہ سے پہلی بار نکل کر باہر کی دنیا میں آئے تھے، ان کو فن تدریس کے وہ گر نہیں معلوم تھے کہ

ایک قطرہ کو جو دوں بسط تو قلزم کردوں
پھر امواج فصاحت میں تلاطم کردوں

(۱) سفرنامہ حیات: ۴۷ یہ (۱۳۶۲ھ-۱۹۴۳ء) کا سال تھا، اسی سال ندوہ میں اسٹرائک کا دل دوز واقعہ پیش آیا تھا، اس سے تعلیمی اوقات تو متاثر ہوئے مگر امتحان متاثر نہیں ہوا اور مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی شعبان میں امتحان دے کر ادارہ تعلیمات اسلامی لکھنؤ سے مولانا مجیب اللہ ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ سے وابستہ ہو گئے، اور سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کی سرپرستی حاصل کی، اور مولانا سید محمد ثانی حسنی مظاہر علوم سہارنپور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے استفادہ کے لیے چلے گئے۔

ماہ کو مہر کروں ذرہ کو انجم کردوں
گنگ کو ماہر انداز تکلم کردوں

یہ فن ہمارے شاہ صاحب نہیں جانتے تھے، وہ اس کے برعکس قلزم کو ایک قطرہ بنا کر دکھا سکتے تھے، اور کسی علمی مسئلہ کو چند لفظوں میں سلجھانے کی کوشش کرتے، حوالے ان کی زبان پر ہوتے، مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ''میزان'' کی ایک شرح لکھی ہے اس کا بھی حوالہ دیتے، اور ہدایہ کے ''کتاب البیوع'' اور ''باب الشفعۃ'' بھی آپ ان سے پوچھ سکتے تھے، وہ عبارت اور حاشیہ کی عبارت سنا دیتے''۔(۱)

۱۹۴۳ء کی اسٹرائک

مولانا عبداللہ عباس ندوی لکھتے ہیں:

''۱۹۴۳ء میں سخت قسم کی اسٹرائک ہوئی ایسی اسٹرائک ہوئی کہ اگر حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ناظم اور ان کے برادر خورد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دل سوز دعائیں اور خلق سے بے نیازی نہ ہوتی تو شاید یہ چراغ گل ہوگیا ہوتا، کیونکہ اس اسٹرائک کے پیچھے ندوہ کے باہر کے عناصر بھی جمع ہوگئے تھے، جو ندوہ کی دشمنی کو کار خیر سمجھتے تھے''۔(۲)

واقعہ یہ ہے جیسا کہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کی تحریر سے اشارہ بھی ملتا ہے کہ اس میں بڑے اہم دماغ شریک ہوگئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ جن خوش نصیبوں کو اس سے دور رکھا ان میں خود تبصرہ نگار مولانا ندوی اور ان کے ذی رشد و صلاح رفیق درس مولانا محمد ثانی حسنی بھی تھے جو اس فتنہ سے محفوظ رہے۔

مولانا مجیب اللہ ندوی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ میں ہیجانی کیفیت (۱۹/ اگست ۱۹۴۲ء) میں اس ریزولیشن کے پاس

(۱) سفرنامہ حیات:۷۲-۷۳ (۲) سفرنامہ حیات:۵۸

ہونے سے ہوئی تھی، جو دوسری جنگ عظیم کے نتیجہ میں ہندوستان کی عام پبلک خواہ ہندو ہو یا مسلمان برطانوی حکومت و نظام سے تنفر کی صورت میں تھی اور ہندوستانی عوام جرمنی کے ہٹلر اور اس کے اتحادیوں کی ہر کامیابی سے اور برطانیہ اور اس کے فوج کی ہر ناکامی سے خوشی کے طور پر ظاہر ہوتی اور اس سے برطانوی نظام وحکومت نفرت کا اور اظہار ہوتا تھا، کھانے پینے کی اشیاء مہنگی سے مہنگی اور غلہ کپڑے سبھی کنٹرولنگ سے حاصل ہو پارہے تھے، پورے ملک میں بغاوت سامنے تھی، یونیورسٹیوں کے طلبہ نے یونیورسٹی بند کرادی تھی، ندوۃ العلماء پر اس کا اثر پڑنا لازمی تھا، لیکن افہام وتفہیم سے تین دن بعد ندوۃ العلماء کے حالات پر قابو پالیا گیا اور ندوہ کھل گیا، چونکہ تحریک آزادی میں ندوہ کے طلبہ کھل کر حصہ لینے لگے تھے اور ۱۹۴۱ء میں ایک ممتاز طالب علم استاد علی احمد کیانی مرحوم جو بعد میں پاکستان چلے گئے وہ ممتاز قائد اور کانگریسی رہنما اور آزادی کے بعد ملک کے ہوئے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو کو ندوہ لے آئے تھے، اور افراط زر اور اس کے اثرات پر خطاب کرایا تھا اور استقبالیہ دیا تھا، یہ موضوع برطانوی نظام حکومت پر ایک حملہ سے کم نہ تھا، اس لیے کہ برٹش گورنمنٹ بے تحاشا نوٹ چھاپ کر اپنے اخراجات پورے کررہی تھی، جس کی وجہ سے گرانی بڑھ رہی تھی، اور اس افراط زر کا پوری زندگی پر اثر پڑتا تھا''۔(۱)

گرانی کا اثر طلبہ کی خوراک پر پڑنا لازمی تھا اور اس زمانہ میں ندوہ کے مطبخ کا نگراں ایک اساتذہ کا نمائندہ اور ایک طلبہ کا

---

(۱) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو نقوش حیات: ۴۶-۵۵

نمائندہ ہوا کرتا تھا، طلبہ کی طرف سے ناظم مطبخ مولانا مجیب اللہ
ندوی اس زمانہ میں تھے، جب ملک ان سخت حالات سے دوچار
تھا، طلبہ ان کی مجبوری سمجھتے مگر پھر بھی ان کا نام وزیر قحط رکھ دیا تھا،
اس کا تذکرہ خود مولانا مجیب اللہ ندوی نے اپنی خود نوشت
''نقوش زندگی'' میں کیا ہے۔'' (۱)

اگر ۱۹۴۳ء کی اسٹرائک کا جائزہ لیا جائے تو اس کے پس منظر میں طلبہ کی گذشتہ شوریدگی، آزادی اور سیاسی حالات بھی نظر آئیں گے، جس نے طلبہ کو اتنا جری کر دیا تھا کہ وہ اپنی بات منوانے کے لیے احتجاج سے آگے کی چیز اسٹرائک کو بھی اختیار کر سکتے تھے، اس زمانہ کے معتمد تعلیم مولانا سید سلیمان ندویؒ تھے اور بقول مولانا عبداللہ عباس ندویؒ:

''اسٹرائک دراصل سید صاحب کے خلاف تھی''۔ (۲)

اور مزید اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''طلبہ کی انجمن دار العلوم کے اہتمام اور نظامت کے خلاف فیشن
سمجھنے لگے تھے، اس کا نتیجہ اتنا سنگین ثابت ہو کہ ۱۹۴۳ء میں سخت
قسم کی اسٹرائک ہوئی ایسی اسٹرائک ہوئی کہ اگر حضرت ڈاکٹر
سید عبدالعلی صاحب ناظم اور ان کے برادر خورد مولانا سید
ابوالحسن علی حسنی ندوی کی دلسوزی، دعائیں اور خلق سے بے
نیازی نہ ہوتی تو شاید یہ چراغ گل ہوگیا ہوتا، کیونکہ اس
اسٹرائک کے پیچھے ندوہ کے باہر کے عناصر بھی جمع ہوگئے تھے،
جو ندوہ کی دشمنی کو کار خیر سمجھتے تھے''۔ (۳)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''اس کا نقطۂ عروج وارتقاء طلباء کی وہ اسٹرائک تھی جو ۱۹۴۳ء میں

---

(۱) بحوالہ سابق (۲) سفرنامہ حیات: ۷۲ (۳) ص: ۵۸

پیش آئی، آغاز اس کا اگرچہ کچھ انتظامی معاملات سے ہوا، لیکن اس کے اندر بے اطمینانی اور کش مکش کی یہی روح کام کر رہی تھی، اس اسٹرائک کی قیادت ہمارے بعض عزیزی شاگرد کر رہے تھے، جو دارالعلوم کے بہترین طلباء تھے، اور ان سے ہم نے اور دارالعلوم نے بڑی بڑی توقعات قائم کی تھیں، ان میں سب سے زیادہ نمایاں میرے عزیز ترین شاگرد علی احمد کیانی تھے، مجھے اپنے دس سال کے تدریسی دور میں اور اس کے بعد بھی جب میں نے بحیثیت نائب معتمد اور معتمد کے کام کیا، اس نوجوان سے زیادہ ذہین، ذی استعداد، اور سلیم الطبع طالب علم نہیں دیکھا، دوسرے اور تیسرے ہی درجہ سے اس کا یہ حال تھا کہ صرف ونحو کی غلطی اس سے ہونی بہت مشکل تھی، میرے استاد خلیل عرب صاحب نے ایک مرتبہ ان کے امتحان کی کاپی دیکھ کر جب وہ درجہ دوم یا سوم میں پڑھتے تھے یہ کہا کہ یہ کاپیاں مجھے دے دو اور جتنا کہو میں ندوہ کے لیے چندہ لے آؤں، چوتھے، پانچویں درجہ میں پہنچ کر وہ برجستہ عربی میں تقریر کرنے لگے تھے، حافظہ اس کا بلا کا تھا کہ ہزاروں شعر اقبال و اکبر اور ظفر علی خاں کے نوک زباں تھے، میرے بعض عربی مضامین کا ترجمہ بھی کیا تھا، وہ اسٹرائک کے بعد جب کراچی گئے تو اپنی نوعمری کے باوجود کراچی کی علمی مجلسوں میں علامہ کیانی کے نام سے مشہور ہوئے، جیسا کہ طلباء کے ہنگاموں میں ہوا کرتا ہے، وہ طوعاً وکرہاً طلباء کے نمائندہ اور اسٹرائک کے قائد بن گئے، ان کے سب استادوں کو اور بالخصوص مجھے ان کے اس ہنگامہ میں نہ صرف

شریک ہونے بلکہ قائد بننے سے سخت قلق تھا، زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس اسٹرائک کی زد سید صاحب کی شخصیت اور ان کی معتمدی پر پڑی تھی''۔(۱)

زمانہ طالب علمی میں صفائی قلب، تزکیہ نفس کی فکر اور اس پر عمل

زمانہ طالب علمی میں مولانا سید محمد ثانی حسنی کا معاملہ بالکل سب سے جدا اور الگ تھا، ان کے ندوہ کے ساتھیوں میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان جس سے بڑھ کر کوئی دوسری شہادت نہیں ہوسکتی کافی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''مولانا محمد ثانی حسنی اسی طرح کے چند انسانوں میں شمار ہوتے تھے جن کو دیکھ کر دل بے ساختہ شہادت دیتا کہ اللہ کا یہ بندہ آخرت کی مخلوق ہے جس کو نمونہ کی تلاش ہو وہ ان کو دیکھ لے یہ سچ ہے کہ ہیرے کو پہچاننا ہر ایک کا کام نہیں، اس کے لیے جوہری کی نگاہ یا شاہ کا تجربہ چاہیے، مگر کنکر پتھر کے ڈھیر میں کوئی چمک دار شیشہ ان کنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں سے ممتاز ہے، قیمت تو جوہری لگائیں گے، مگر اس کے عام ریت سے الگ ہونے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کے ڈھیر میں نمایاں ہونے کی شہادت تو ہر عامی دے سکتا ہے'' (۲)

ان کے مظاہری ساتھی مولانا سید محمد مرتضی بستوی مرحوم ان کے خاندانی بزرگ اور استاد و مربی مولانا سید محمد طلحہ حسنی کا قول نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے:

''میرا یہ بیٹا پیدائشی ولی ہے''، اور فرماتے تھے کہ ''ان کے دل میں گناہ کا تصور بھی نہیں آتا''۔(۳)

---

(۱) پرانے چراغ: ۱/۳۳-۳۴ (۲) تعمیر حیات: ۱۰/ مارچ ۱۹۸۲ء

(۳) رضوان مولانا محمد ثانی نمبر

مظاہر علوم سہارنپور کے اساتذہ کی شفقت کے اسباب میں وہ ان کی خاندانی نسبت کے علاوہ ان کی اعلیٰ صفات کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خانوادۂ حضرت سید احمد شہیدؒ سے تعلق نیز اپنی اعلیٰ صفات کی بنا پر حضرات اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ان سے بڑی محبت فرماتے، اور طلبہ بھی ان کے ساتھ عظمت واحترام کا معاملہ کرتے''۔(۱)

معروف بزرگ ومتفق علیہ دینی شخصیت حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی جوان کے مظاہر علوم میں دورۂ حدیث کے ساتھی اور مذاکرہ کے بھی ساتھی تھے، لکھتے ہیں:

''اس وقت کے طلبہ میں کثیر تعداد ایسی تھی جن کے اندر استعداد علمی اور ہر فن میں مہارت کے ساتھ عبادت کا شوق، تکبیر اولیٰ کے ساتھ نمازوں کا اہتمام تھا، شب خیزی، فروتنی، قناعت، انابت جیسی صفات ان کے اندر آئیں، یہی وہ دور تھا جس میں ایک مصری عالم جنہوں نے ہندوستان کے مختلف مدارس کا جائزہ لیا تھا وہ جب مظاہر علوم تشریف لائے تو اساتذہ وطلبہ کے مجمع میں فرمایا کہ:

''اگر میں قسم کھاؤں کہ مظاہر علوم میں میں نے انسانوں کی شکل میں فرشتے چلتے پھرتے دیکھے ہیں تو حانث نہ ہوں گا، میرے جانے پہچانے رفقاء میں جوان صفات کے حامل تھے مولانا محمد ثانی لاثانی تھے''۔(۲)

اور دوسری صفات کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) بحوالہ سابق (۲) بحوالہ سابق

''مولانا کی موروثی صفات زہد وقناعت، صبر وتحمل، ایثار وقربانی، خلوص وللّٰہیت، شیریں کلامی، سخاوت اور مہمان نوازی ہم سب کے لیے دعوت عمل ہیں''۔(۱)

مولانا سید محمد مرتضی بستوی مظاہری علیہ الرحمہ نے ان کے مذاکرہ ومطالعہ کے متعلق اپنا اور حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی علیہ الرحمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ہم لوگ ایک ساتھ سبق ومذاکرہ ومطالعہ میں مصروف رہتے وہ دوپہر کو کھانا حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ) کے ساتھ کھاتے، شام کو اکثر ساتھ کھانا ہوتا''۔(۲)

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ ایک دوسری ملاقات کا بھی تذکرہ کرتے ہیں:

''طالب علمی کا زمانہ بہت مشغولی کا ہوتا ہے، اس وقت ایسا انہماک ومصروفیت تھی کہ جس کی وجہ سے کسی سے زیادہ ملنے جلنے کا علاوہ درس وتکرار کے، وقت نہ ملتا تھا، البتہ مولانا ثانی حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہاں کچھ دیر تک صحبت رہتی تھی''۔(۳)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیمی یکسوئی کو مولانا سید حمید الدین کے درس حدیث کے حوالہ سے مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی لکھتے ہیں:

''اس درس میں صرف ایک طالب علم ایسا تھا جو استاد حدیث کے پورے درس میں انتہائی سنجیدگی، متانت اور سعادت مندی کے ساتھ بیٹھا رہتا اور ان کے ارشادات کو نوٹ کرتا وہ محمد ثانی تھے''۔رحمۃ اللہ علیہما.(۴)

---

(۱)بحوالہ سابق (۲)بحوالہ سابق (۳)بحوالہ سابق (۴)تعمیر حیات:۱۰/ مارچ ۱۹۸۲ء

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت بابرکت میں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ مولانا محمد ثانی حسنی کے اندر بہت سے ایسی وہبی کمالات وخصوصیات دیکھتے تھے جو نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں اس لیے ان کو اس بات کی برابر فکر دامنگیر تھی کہ وہ کچھ وقت یکسو ہو کر کسی عارف کامل اور عالم ربانی کی خدمت میں گذاریں اور ان کمالات وخصوصیات سے متصف ہوں جن پر اصطفاء واجتباء کا معاملہ ہوتا ہے، چنانچہ اس کے لیے ان کی نظر انتخاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ پر ہوگئی اور ان کی خدمت میں بھیجا، اس کو خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے وہ لکھتے ہیں:

''وہ جب لاہور سے واپس ہوئے تو خدا نے میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ یہ کچھ عرصے کسی بزرگ کی صحبت میں رہیں اور فن حدیث کو باقاعدہ کسی کامل الفن محدث سے حاصل کریں، تاکہ ان کے دینی ملکات صحیح طور پر نشو ونما حاصل کرسکیں اور خاندان میں جو عرصے سے کسی روحانی شخصیت سے محروم ہے ایک ایسے فرد کا اضافہ ہو جس سے خاندان کا فیض دوبارہ جاری ہو اس سلسلے میں قدرتاً میری نظر مخدومنا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ پر پڑی، جن سے ۱۹۴۰ء سے ہم سب کا عقیدت اور محبت کا تعلق قائم ہو چکا تھا، بھائی صاحب مرحوم نے بھی اس کو پسند کیا، اور میں نے ایک خط کے ساتھ ان کو سہارن پور روانہ کر دیا، جس میں میں نے لکھا کہ مجھے امید ہے کہ حضرت محمد ثانی پر خاص نظر شفقت فرمائیں گے، اور ان کو استفادہ اور استفاضہ کا پورا موقع دیں گے، حضرت شیخ کا اس کے جواب میں خط آیا، جس میں انہوں نے اپنی مسرت کا اظہار فرمایا اور لکھا کہ مولوی

صاحب، میں تمہیں ایک تجربہ کی بات بتاؤں کہ یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے، عزیز موصوف کے اختیار میں ہے، کہ وہ مجھے متوجہ کرلیں اور پورا فائدہ اٹھائیں، الحمدللہ یہ بات اسی طرح ہوئی کہ محمد ثانی مرحوم نے بہت جلد حضرت شیخ کے یہاں ایسا قرب واختصاص پیدا کرلیا، جو بہت سے برسوں سے رہنے والے طلبہ کو حاصل نہیں تھا، اس کا اظہار حضرت شیخ کے یہاں ان گرامی ناموں سے ہوتا ہے جو کثیر تعداد میں راقم کے پاس محفوظ ہیں، اور اس زمانے کے لکھے ہوئے ہیں، انہوں نے باقاعدہ دورے کی جماعت میں داخلہ لے لیا اور مظاہر العلوم کے مکمل طالب علم بن گئے اور کامیابی کے ساتھ امتحان پاس کیا اور سند لی۔"(۱)

مولانا محمد ثانی حسنی کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے برادر اکبر ومربی حضرت مولانا سید عبدالعلی حسنی کے مشورے واجازت سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی خدمت میں بھیج کر ایک مکتوب بھی تحریر فرمایا تھا اور اس میں یہ التماس کی تھی:

"محمد ثانی آپ کی شفقتوں کا بہت محتاج ہے ہم نے اپنے مرحوم خاندان کی طرف سے اس کو آپ کی نذر کردیا ہے"۔

اس مکتوب پر ۲ر شعبان ۱۳۶۴ھ اور ۱۳ر جولائی ۱۹۴۵ء کی تاریخ درج ہے۔

مظاہر علوم کا زمانہ تعلیم، اساتذہ اور رفقاء

مولانا سید محمد ثانی حسنی خود رقم طراز ہیں:

"۱۹۴۴ء مطابق ۱۳۶۳ھ کا سال ہماری زندگی کا بڑا مبارک

---

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم ص، ۳۴۸۔۳۴۹ طبع سوم مکتبہ فردوس لکھنؤ

سال تھا، سہارن پور کا ماحول بڑے بڑے بزرگوں کی مجلسیں، محبت وشفقت کرنے والے اساتذہ کی محبت وخدمت، بےفکری کی زندگی، ہر وقت حدیث شریف کا مطالعہ، یا درس یا مذاکرہ، اس سال کا ذکر آیا، ہماری زندگی کے ساز کے تار ہل گئے اور زبان پر یہ شعر بے ساختہ آگیا ع

غزل اس نے چھیڑی، مجھے ساز دینا ذرا
عمر رفتہ کو آواز دینا عمر رفتہ کے تذکرے سے اس سفر کا کیا جوڑ مگر بات سے بات نکلتی ہے، مدرسہ عربیہ ہتھوڑا سے قاری صدیق صاحب کا ذکر نکلا، ان کے ذکر سے ان کے درس اور اساتذہ سے ان کا تعلق قلم پر آگیا، اور چونکہ وہ میرے ہم درس تھے اس لیے مظاہر علوم کا ماحول آنکھوں کے سامنے آگیا اس لیے چار و نا چار اس زمانے کی چند یادیں زندہ ہوگئیں۔

مولانا صدیق صاحب کے جائے قیام ہی کے قریب کمرہ نمبر ۴ تھا، اس میں مولوی مرتضٰی رہتے تھے اور راقم سطور ۶ میں مقیم تھا، پھر راقم اور مولوی مرتضٰی ۵ میں منتقل ہوگئے، ہم تینوں کا ربط وضبط تین بزرگ ہستیوں سے زیادہ رہا:

۱- مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری، ان سے مولوی مرتضٰی زیادہ ربط رکھتے تھے؛

۲- حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، ان سے مولانا صدیق صاحب کا زیادہ تعلق تھا؛

۳- حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ العالی، ان سے راقم سطور متعلق تھا؛

ان بزرگوں کی ہم لوگوں پر جو بے پایاں شفقت ومحبت تھی وہ بیان سے باہر ہے کیا کسی باپ کو اپنے بیٹے سے ہوگی۔

ان کے علاوہ ہمارے دورہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مدرسہ، مولانا منظور خاں صاحب سہارنپوری بھی تھے اور یہ سب بڑی محبت سے پیش آتے تھے، ان حضرات کی شفقت ومحبت زندگی بھر یاد رہے گی، شعبان ۱۳۶۳ھ میں ہم لوگوں کا سالانہ امتحان ہوا، اور ہم لوگ اپنے اپنے گھر آ گئے اللہ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ اس پورے تیس سال کے دوران ہم لوگوں کا ان بزرگوں کی خدمت میں برابر آنا جانا رہتا ہے، افسوس ہے کہ ان بزرگوں میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، مولانا منظور خاں صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب واصل بحق ہو گئے، اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب جو مدرسہ کے ناظم بھی ہیں مقید حیات ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو تادیر قائم رکھے۔

ہم لوگوں کے دورہ کے سال تقریباً ۵۶ طلبہ تھے جو مختلف دیار کے تھے ان میں چار طلبہ بڑے ممتاز تھے جن کے نام ابھی تک یاد ہیں:

۱- مولوی ابراہیم صاحب گجراتی جو اب تک حضرت شیخ کی خدمت میں آتے رہتے ہیں خصوصاً رمضان مبارک سہارن پور میں گذارتے ہیں؛

۲- مولوی عبد الوہاب جو حضرت شیخ سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے ذاکر شاغل تھے، اب غالباً پاکستان میں ہیں؛

۳- مولوی عاشق الٰہی بلند شہری جن کی تصنیفات بہت ہیں اور

تبلیغی جماعت میں پڑھی جاتی ہیں؛

۴-مولوی وجیہ پھیرانوی جو مولانا محمد نبیہ مجاز حضرت تھانوی کے بیٹے ہیں اور غالباً پاکستان میں ہیں؛

۵-مولوی معین الاسلام جو مولانا ظہور الاسلام صاحب فتح پور کے نواسے ہیں؛

۶-مولوی محمد مرتضی صاحب بستوی جو حضرت مولانا جعفر علی بستوی مجاز حضرت سید احمد شہیدؒ کے پوتے ہیں اللہ تعالی ان کے علم وعمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے؛(۱)

۷-مولانا صدیق صاحب جو دورہ سے فارغ ہو کر تعلیم میں لگ گئے، اور اپنے گاؤں میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈال دی، شروع شروع میں وہ تکلیفیں اٹھائیں جن کو برداشت کرنے کی طاقت ہما شما کو نہیں ہو سکتی مگر مولانا نے چند جھوپڑیوں سے کام چلایا رفتہ رفتہ یہ جھونپڑے پختہ عمارت میں تبدیل ہوئے پھر کمرے بنے اور بنتے گئے اور اب وہ شاندار عمارت ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے، مولانا نے اپنی محنت، جفاکشی، محبت واخلاص سے ہزاروں کے دل جیت لیے دور دور تک کوئی مدرسہ نہ تھا مولانا نے علم کا گلشن سنوارا، اور اپنے پسینے سے اس کی آبیاری کی اور اب وہ زندہ جاوید ہے بڑے بڑے علماء کی توجہ ادھر منعطف ہے اور بزرگوں کی دعائیں شامل حال، یہ سارا عظیم الشان کام ایک

---

(۱) یہ سبھی رفقائے درس اپنے علم وعمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچا کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکے ہیں، رحمهم الله تعالىٰ رحمة واسعة وغفر لهم مغفرة تامة وأعلى الله درجاتهم في العليين۔(م) حالات کے لیے ملاحظہ ہو: مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کی کتاب "علماء مظاہر اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات"

اکیلی جان کی محنت کا نتیجہ ہے، مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مولانا صاحب کا تذکرہ دیر تک کیا اور یہ شعر پڑھا ۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں (۱)

قابل رشک ولائق فخر مظاہری رفیق وصدیق

مولانا سید محمد ثانی حسنی مرحوم کو اپنے رفقاء اور دوستوں میں جن کی رفاقت و صداقت پر ناز تھا اور وہ بھی انہیں اپنا نہایت مخلص دوست اور اس کے ساتھ بہت سے معاملات وامور میں مشفق رہنما کی حیثیت دیتے تھے وہ ہے ذات گرامی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی قدس سرہ کی مولانا سید محمد ثانی حسنی ان سے متعلق اپنا جو تاثر ضبط تحریر میں لائے ہیں وہ ملاحظہ ہو:

''مولانا صدیق صاحب نے ۱۹۴۴ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سے دورہ کیا، راقم سطور اس سال دورہ میں تھا اور مولانا صدیق صاحب سے برابر ملنا ہوتا تھا، وہ اور مولانا مرتضی صاحب نقوی بستوی اور راقم سطور قریب ہی مختلف کمروں میں رہتے تھے، مولانا صدیق صاحب حضرت الاستاذ مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی کے حجرہ سے متصل ایک کمرہ میں رہتے تھے اور حضرت مولانا کی خدمت میں زیادہ وقت گذارتے تھے، گویا ان کے خادم خاص تھے، حضرت مولانا کو ان سے محبت وشفقت کا بڑا تعلق تھا، مولانا صدیق صاحب شروع ہی سے بڑے ہونہار ذہین اور سعادت مند طالبعلم تھے، اسی وقت سے، ان کے چہرے سے بزرگی کے آثار اور سعادت ورشد کے نشانات عیاں

(۱) سفرنامہ لکھنؤ سے ناگودتک (غیر مطبوعہ) بقلم مولانا سید محمد ثانی حسنی

تھے، اللہ تعالی نے بعد میں ان کو وہ مقام عطا کیا جس کی وجہ سے وہ قابل رشک بن گئے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے بعد میں ان کو اپنا مجاز بھی فرمایا،

خدا کی شان کہ ایک ہی سبق کے دو ساتھی، ایک اپنی ہمت وکوشش خدمت واطاعت اور جہد مسلسل سے اس مقام تک پہنچا جس کے حصول کی تمنا میں بڑے بڑے علماء رہتے ہیں اور دوسرا جہاں تھا وہیں ہے، ترقی کے بجائے زوال ہے اور سرخروئی کے بجائے رسوائی۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
رو بصحرا رفت ما در کوچہار سوا شدیم (۱)

حدیث کی سند اور نتیجہ امتحان مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی حدیث کی سند اور مسلسلات کے درس میں شرکت اور اس کی اجازت ایک مشہور بات ہے، یہ سند اور اجازت محفوظ ہے، اور دورۂ حدیث مظاہر علوم کا نتیجہ امتحان بھی محفوظ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلیم مکمل کر کے مظاہر علوم حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلما کے رفقاء درس

دارلعلوم ندوۃ العلما کے تعلیمی مرحلہ کو مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اپنے مضمون میں بیان کیا ہے جس کی تفصیلات قارئین کے سامنے آچکی ہیں، مولانا سید محمد را

(۱) بحوالہ سابق مزید حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی اور حضرت مولانا سید محمد مرتضی مظاہری کے مضامین سے مظاہر کے زمانہ تعلیم کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے جو کتاب میں شامل ہیں۔ (مصنف)

بع حسنی ندوی مدظلہ اپنے وفیاتی مضامین کے مجموعہ ''یادوں کے چراغ'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا وصی مظہر ندوی ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے والے اسی گروپ کے اہم فرد تھے جو تقسیم ہند سے پہلے ندوۃ العلما سے فارغ ہوا جس کے شہرت یافتہ افراد میں مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی سابق پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی ومعتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا قاضی معین اللہ ندوی سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا عبد الغفار ندوی سابق امیر جماعت اسلامی اتر پردیش، مولانا ابو العرفان خان ندوی سابق صدر کلیۃ الشریعۃ دار العلوم ندوۃ العلماء ہمارے برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی مدیر مجلّہ ''رضوان'' لکھنؤ وناظم وبانی مدرسہ فلاح المسلمین تیندوارائے بریلی، پروفیسر عبد الحلیم ندوی سابق صدر شعبہ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، اور مولانا مجیب اللہ ندوی ناظم وبانی جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ اور دیگر کئی حضرات کے نام لیے جا سکتے ہیں کہ جن کو ملک گیر شہرت اور بعض کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی اور انہوں نے علم اور دین کی خدمت کے میدان کو اپنایا، اور مدارس اور دعوتی کا م کے ذریعہ اس فریضہ کو انجام دیا جو ندوۃ العلماء کے مقصد کے مطابق تھا''۔(۱)

ندوۃ العلماء کے تعلق سے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے مولانا سید محمد عبد السمیع ندوی کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھنؤ میں ان کی اور مولانا سید محمد مرتضی مظاہری کی رفاقت کا بھی تذکرہ کیا ہے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی رقم طراز ہیں ''ندوۃ العلماء میں مولانا (سید محمد عبد السمیع ندویؒ) کی تعلیم کے دوران جو رفقاء ان کے قریبی تھے ان میں میرے بڑے بھائی سید محمود حسن (متوفی ۱۹۴۲ء) ان وجوہ کی بنا پر مولانا کا ہمارے

(۱) یادوں کے چراغ جلد اول ص ۱۷۳

محلّہ محمد علی لین میں آنا اور ملنا ہوتا تھا، اس وقت میرے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی حسنی کے مظاہر العلوم سہارن پور کے رفیق درس مولانا سید محمد مرتضی نقوی بھی وہیں رہتے تھے، یہاں ان دو تین دوستوں کا ایک حلقہ بن گیا تھا جو بے تکلف عمر اور علمی درسی مشغلہ سے دلچسپی میں وحدت کی بنا پر دوستانہ اور رفیقانہ انداز سے ملتے اور کچھ وقت گذارتے، مجھے ان مجلسوں میں شرکت کا موقع ملتا تھا۔(۱)

پروفیسر عبدالحلیم ندوی گورکھپوری کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

ندوۃ العلماء میں جو ان کے رفقاء تھے ان میں چند در چند علمی و تحقیقی کام میں ممتاز ہوئے، ان کے رفقاء میں جامعۃ الرشاد کے مولانا مجیب اللہ ندوی ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ ندوی، ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ کے سابق استاذ دار العلوم ندوۃ العلما کے معتمد تعلیم مولانا عبداللہ عباس ندوی اور پاکستان میں سابق وزیر امور دینی مولانا سید وصی مظہر ندوی اور اس طرح ممتاز علمی شخصیتوں کے مالک حضرات ہوئے، جہاں تک راقم حروف کا تعلق ہے تو اس کے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی بھی ان کے رفقاء میں تھے اس تعلق سے وہ مجھ سے بھی محبت فرماتے تھے، اور میں ان کو دوہرے تعلق سے دیکھتا تھا ایک تو ندوے کے فرزند ہونے کا تعلق، دوسرے میرے بڑے بھائی کی ان کے ساتھ تعلیمی رفاقت کا تعلق۔(۲)

مولانا مجیب اللہ ندوی کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

میرے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی صاحب کا ان سے رفاقت درس کا بھی تعلق تھا، جس کی بنا پر ہم بھائیوں کو بھی ان کی طرف سے برادرانہ ہمدردی اور تعلق کا فائدہ حاصل تھا، جب ملاقات

---

(۱) یادوں کے چراغ جلد اص ۳۳۸ (۲) یادوں کے چراغ جلد اص ۲۴۴

ہوتی یا واسطہ پڑتا تو وہ اس تعلق کا لحاظ فرماتے۔(۱)

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی سے علمی وادبی استفادہ

مظاہر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد راویوں نے کچھ وقت علمی، دینی، دعوتی استفادہ کے لیے اپنے اکابر کے مشورے سے مرکز نظام الدین دہلی میں بھیوقت گذارا اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی سے خصوصی استفادہ کیا اور ان کی آپ پر خاص نظر وعنایت رہی اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی ایک بیاض تھی، جس میں علمی، ادبی، تاریخی افادات اور شہ پارے تھے وہ انہوں نے مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمۃ کو استفادہ کے لیے دے دی تھے، مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ نے سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی میں اس عنایت کا ذکر کیا ہے اور اس سے ان کو جو فائدہ پہنچا اس کو بھی بیان کیا ہے، اس کے علاوہ ان کی مجالس، بیانات، مواعظ اور دوسرے طریقہائے افادات سے وہ اپنے قیام نظام الدین میں محفوظ ہوتے رہے اور سفروں میں بھی رفاقت کا فائدہ حاصل ہوا اور اس طرح سفر وحضر کا اچھا ساتھ ان کے دینی استفادے کے ساتھ علمی وثقافتی استفادہ کا بھی باعث ہوا۔

مولانا سید ابوالخیر برق حسنی سے حدیث شریف اور زبان و ادب میں استفادہ

خاندان کے جن بڑوں کی آپ کو خصوصی شفقت حاصل تھی ان میں ایک اہم نام مولانا سید ابوالخیر برق حسنی رائے بریلوی کا بھی ہے، وہ اگرچہ آپ کے باقاعدہ درسی استاذ نہیں تھے لیکن ایک رہنما استاد ضرور تھے، چونکہ وہ ایک حافظ حدیث عالم، اور عربی کے بہترین ادیب، باکمال مصنف اور قادر الکلام شاعر تھے، اپنی ان خصوصیات سے انہوں نے مولانا سید محمد ثانی حسنی کو بڑا فائدہ پہنچایا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

---

(۱) یادوں کے چراغ جلد:۱/ ۲۵۵

''خواہرزادۂ عزیز مولوی سید محمد ثانی حسنی مدیر ''رضوان'' سے وہ بہت مانوس تھے، جوان کے بھانجے بھی ہوتے ہیں''۔(۱)

علمائے عرب سے استفادہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ پرانے چراغ حصہ سوم صفحہ ۳۵۱ پر ۱۹۴۷ء کے سفر حجاز کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''وہ میرے ساتھ اہم مجلسوں میں بھی شریک ہوئے تھے، خاص طور پر امام حرم اور خطیب اول شیخ عبدالرزاق حمزہ کی بعد عصر کی مجلس میں جو حرم شریف ہی کے ایک بالائی حصہ میں ہوتی تھی شرکت کرتے تھے، ان کے علاوہ دوسرے علمائے مکہ علامہ سید علوی مالکی، شیخ محمد العربی المغربی، شیخ حسن مشاط، سید امین الکتبی کی علمی مجالس میں بھی شریک ہوتے تھے، ایک دوبار وہ ملک عبدالعزیز بن مسعود کے بھائی امیر مساعد کی مجلس میں بھی میرے ساتھ گیے۔''

اساتذہ کی شفقت وتوجہ

ندوہ اور مظاہر دونوں کے ہی اساتذہ کی آپ کو پوری شفقت وتوجہ ملی، ندوہ میں حضرت مولانا شاہ حلیم عطا سلونی، حضرت مولانا عبدالسلام قدوائی، حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، حضرت مولانا سید حمید الدین وغیرہ سبھی آپ پر بڑے شفیق ومہربان رہے، مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی شفقت کا تو ایک پورا باب ہے، ان کے بعد مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، مولانا منظور خاں صاحب وغیرہ بھی بڑے شفیق ومہربان رہے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

(۱) پرانے چراغ: ۲/ ۲۹۸

رقم طراز ہیں:

''حضرت شیخ کے ماسوا مظاہر علوم کے صدر مدرس عالم ربانی اور شیخ کامل مولانا اسعد اللہ صاحب کی بھی ان پر خاص نظر عنایت تھی، انہوں نے یا ان کے رفیق درس عزیز گرامی مولوی سید محمد مرتضیٰ نقوی ناظر کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب طلبہ کی کسی شکایت پر دار الاقامہ تشریف لائے، وہاں لڑکوں نے کچھ بلند آواز سے بولنا شروع کیا، محمد ثانی سو رہے تھے، مولانا نے فرمایا کہ آہستہ بات کرو، سید صاحب سو رہے ہیں، میں نے خود بھی دیکھا کہ بعد میں بھی وہ عزیز مرحوم سے بہت خصوصیت اور شفقت کے ساتھ ملتے تھے۔''(۱)

ان کے مظاہر علوم میں رفیق درس لکھتے ہیں کہ:

''حضرات اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ان سے بڑی محبت فرماتے اور طلباء بھی ان کے ساتھ عظمت واحترام کا معاملہ کرتے۔''(۲)

(۱) پرانے چراغ: ۳/۳۴۹ (۲) رضوان مولانا ثانی حسنی نمبر: ۱۹۸۳ء

چوتھا باب

افراد خاندان، ازدواجی زندگی، اولاد کی تربیت اور صلہ رحمی

مولانا سید محمد رابع حسنی، مولانا سید محمد واضح حسنی، مولانا سید محمد الحسنی اور خاندان کے دوسرے افراد

مولانا محمد ثانی حسنی کے حقیقی بڑے اور چھوٹے بھائی بہن کی تفصیل اس طرح ہے، مولوی سید محمود حسن مرحوم سب سے بڑے بھائی تھے جو، ۱۱ر جماد الاول ۱۳۳۹ھ مطابق، ۲۴ر جنوری ۱۹۲۱ء بروز دوشنبہ پیدا ہوئے، یہ وہ خوش نصیب فرزند تھے جن کو ان کے بزرگ اور عظیم القدر نانا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی (متوفی ر۱۹۲۳ء) نے دیکھا تھا اور محبت وشفقت دی تھی، چونکہ ان کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی اس لئے ان کے نام پر محمود حسن نام رکھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار راقم السطور سے از خود فرمایا ''تمہارا نام ہمارے بابا (یعنی والد، ماجد مولانا سید عبدالحی حسنی) نے رکھا ہے، پھر اس کی وضاحت فرمائی اور کہا:

''محمد ثانی کے بڑے بھائی کا نام محمود حسن ہمارے بابا نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے نام پر رکھا تھا،

اسی نسبت سے ہم لوگوں نے تمہارا نام 'محمود حسن' رکھا، اس
طرح تمہارا نام ہمارے بابا نے رکھا۔''

سید محمود حسن مرحوم نے کچھ تعلیمی وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنے چھوٹے بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنی کے ساتھ اپنے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے کمرہ میں رہ کر ان کی نگرانی میں گزارا تھا جہاں مولانا مسعود عالم ندوی کا بھی قیام تھا اور وہ ان کے مجلۃ ''الضیاء'' کا عملی دفتر بھی تھا، مگر وہ اپنی بیماری کی وجہ سے تعلیم پوری نہ کر سکتے اور اسپتال میں بھی زیر علاج رہے یہاں ان کی تیمارداری ان کے مشفق ماموں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی کی۔ افسوس کہ انہوں اپنی عمر کی ۰ ۷ر بہاریں دیکھیں اور ۱۹۴۲ء (۱۳۶۱ھ) میں وفات پائی اور اپنے دادا مولانا سید خلیل الدین حسنی کے پہلو میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں مدفون ہوئے ان کا عنفوان شباب میں انتقال ان کے والدین کے لئے ناقابل تلافی حادثہ تھا۔ دوسرے بھائی سید مسعود حسن اور بہن سیدہ رابعہ کی بچپن میں جو گود کا زمانہ ہوتا ہے فوت ہوئی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا محمد خامس (واضح رشید) حسنی ندوی کو تعلیم وتدریس وتصنیف اور دعوت وارشاد کا زیادہ موقع اور عالمی کانفرنسوں اور بڑے دینی اجلاس اور عالمی ومفکرین کے ساتھ میٹنگوں میں شرکت کے ذریعہ خدمت علم ودین کا اچھا موقع ملا، اور اس وقت اول الذکر ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اعلیٰ اور ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی متحدہ تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر، دارالعلوم دیوبند کے رکن اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تاسیسی رکن اسلامک سینٹر آکسفورڈ کے رکن اور عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے نائب صدر کے علاوہ متعدد علمی تعلیمی ودعوتی اداروں کے سرپرست اور رکن ہیں تین صاحبزادیاں سیدہ میمونہ حسنی، سیدہ آمنہ بی، سیدہ ہاجرہ بی ہیں جو بالترتیب مولانا حمزہ حسنی، مولانا عبد اللہ حسنی، مولانا مولانا جعفر حسنی کو منسوب ہیں، اور ثانی الذکر ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کے سکریٹری اور عالمی رابطہ ادب اسلامی کے

نائب سکریٹری اور مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی کے ناظم اور متعدد عربی اور اردو کتابوں کے مصنف اور ممتاز اسلامی صحافی وداعی ومفکر ہیں، ایک صاحبزادے مولانا حافظ سید جعفر مسعود حسنی ہیں۔

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی پیدائش، ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۹ء/۲۵/جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ۔اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی پیدائش، ۲۰،نومبر ۱۹۳۳ء/۳/شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ ہے۔مولانا محمد ثانی کی پھوپھی سیدہ بتول بی بی (وفات ۱۹۵۱ء) تھیں جو اپنے بھائی کی اولاد کے لئے مادر مہربان بھی تھیں بلکہ اپنے بھائی کے لئے بھی مادر مشفقہ سے کم نہ تھیں، جن کی کم عمری میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا تھا، یہ ایسا تعلق تھا کہ دونوں کی اولادیں بہت قربت رکھتی تھیں۔مولانا محمد ثانی حسنی ان کے بڑے صاحبزادے سید حسن مجتبیٰ حسنی (۱۹۱۰ء۔۱۹۹۸ء) کو بھائی صاحب اور منجھلے صاحبزادے ڈاکٹر سید حسن مثنیٰ حسنی (۱۹۱۲ء۔۱۹۹۸ء) کو بھائی جان اور چھوٹے صاحبزادے حاجی سید محمد مسلم حسنی (۱۹۱۴ء۔۲۰۱۱ء/۱۳۳۳ھ۔۱۴۳۳ھ) کو بھائی جی کہتے تھے اور ان کے اہل تعلق بھی اس کا لحاظ کرتے تھے اور اسی نسبت سے معاملہ کرتے تھے۔

خالہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم کی تین اولادیں ہوئیں دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادے سید محمد سالم تینوں شیر خوارگی میں داغ مفارقت دے گئے، ماموں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی اولاد نہیں ہوئی، فرماتے تھے بھائی بہن کی اولاد ہی ہماری اولاد ہیں۔ بڑے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) کی پانچ صاحبزادیوں میں بڑی صاحبزادی سیدہ حمیراء بی، حاجی سید محمد مسلم حسنی مرحوم کو منسوب ہوئیں، سیدہ فاطمہ کی مولانا سید محمد طاہر حسینی (منصور پور) کو، سیدہ خدیجہ حسنی مولانا محمد ثانی حسنی کو، سیدہ رقیہ بی، مولانا سید محمد رابع حسنی کو اور سکینہ بی مولانا محمد واضح حسنی کو منسوب ہوئیں، اور ان سب سے اولاد ہیں۔صاحبزادے مولانا سید محمد الحسنی بانی مدیر مجلۃ ''البعث الاسلامی'' ولادت (۱۹۳۰ء۔۱۹۷۹ء)۔

عقد مسنون

تعلیم کی تکمیل کے بعد عقد مسنون کا مرحلہ انجام پانا تھا، مولانا محمد ثانی حسنی کو اپنے استاد و شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے تعلق خاطر اور فدائیت کی حد تک محبت کا جو معاملہ تھا اس سے یہ جذبہ امنڈ رہا تھا کہ عقد مسنون میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی بھی شرکت ہو جائے جبکہ ان کا اور تبلیغی اکابر بشمول حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی وغیرہ کا لکھنو اور اس کے اطراف کا پروگرام ایک بڑے تبلیغی اجتماع کے تعلق سے بن رہا تھا، اس لیے اہل خاندان اس موقع کو غنیمت جان رہے تھے، اور ان تاریخوں کا خیال رکھ کر عقد مسنون کی تاریخ رکھ رہے تھے چنانچہ ۳ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ ۲۸ ستمبر ۱۹۴۶ء کو لکھے گئے مکتوب کی ایک عبارت ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے ہے:

> ''اس وقت ذی قعدہ کے وعدہ کی یاد دہانی مقصود ہے دن گنے جاتے ہیں، اسی دن کے لیے محمد ثانی سلمہ کے عقد کی تاریخ کا تعین بھی جناب کے تعین تاریخ پر موقوف ہے، یہ عریضہ ان کی والدہ کے تقاضوں سے لکھ رہا ہوں، کہ تشریف آوری کی تاریخ کا تعین ہو جائے، تو سہولت ہو، اگرچہ تشریف آوری مشکل ہے، صرف اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کار خیر سے بھی فرصت کر لینے کا ارادہ ہے''۔(۱)

لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے سفر میں بعض رکاوٹیں آگئیں، اس لیے ان تاریخوں میں وہ سفر نہ فرما سکے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی سہارن پور اور رائے پور کے سفر میں تھے ان کی بھی ان تاریخوں میں واپسی ممکن نہ رہی اور کچھ انتظار کے بعد مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی نے جن کی

(۱) مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جلد دوم ص:۱۶

صاحبزادی سے نکاح طے تھا، تقریب نکاح وولیمہ منعقد کرادی، اس حقیقت کا بھی انکشاف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اس مکتوب سے ہوتا ہے جوانہوں نے حضرت شیخ الحدیث کو ۸ محرم ۱۳۶۶ھ ۲ دسمبر ۱۹۴۶ء کو لکھا ہے:

مخدوم معظم مشفق محترم ادام اللہ برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات سے رخصت ہوکر جدائی کے قلق کے ساتھ ہم لکھنؤ پہنچے، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ لوگ آپ حضرات کی آمد سے مایوس نہ تھے جون پور کے متعدد احباب علماء اور بعض دوسرے مقامات کے اہل محبت کئی روز کے انتظار کے بعد واپس گئے، شہر میں لوگ البتہ منتظر تھے، اور مختصر تبلیغی اجتماع ممکن تھا، لیکن اس پیمانہ پرنہیں ہوسکتا تھا، جوآپ حضرات کی زحمت کشی کے شایان شان تھا، خیرالخیر فیما وقع۔

محمد ثانی سلمہ کا عقد بھی ہمارے بڑے انتظار کے بعد ہو چکا تھا، البتہ والدہ ماجدہ تشویش کے بعد علیل ہوگئیں، ہمارے تاخیر سفر کی وجہ نہ معلوم ہونے سے تشویش تھی، تار دینا، پھر کوئی اطلاع نہ دینا غلط ہوا"۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:

"اس دن اور دوشب میں آپ کی جدائی کا خصوصی قلق بھی خوب رہا، اور تذکرہ بھی اکثر رہا، حضرت رائے پوری بھی اکثر کچھ نہ کچھ تذکرہ فرماتے رہے۔"

اور نکاح میں عدم شرکت کے متعلق افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

اس سے قلق ہوا کہ ہماری وجہ سے مولوی محمد کے عقد میں آپ شرکت نہ فرما سکے بعد سلا

م مسنون مبارکباد تو قبول فرما ہی لیں، حق تعالیٰ شانہ دارین میں بہترین ثمرات نصیب فرماویں، "بارك الله فيهما و جمع بينهما الخير"۔(۱)

نکاح اور ولیمہ جیسا کہ معلوم ہوا کہ اواخر ۱۹۴۶ء میں ہوا اور پھر حجاز مقدس کا ایک دعوتی سفر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور گھر کی خواتین کے ساتھ ہوا، اور حج کی سعادت حاصل کی گئی اور ۱۳/ نومبر ۱۹۴۷ء مطابق ۲۹/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ بروز جمعرات کو صاحبزادی پیدا ہوئیں، امامہ نام رکھا گیا، پھر تین سال کے بعد ۱۵/ دسمبر ۱۹۵۰ء مطابق ۵/ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کو صاحبزادے تولد ہوئے ان کا نام محمد حمزہ رکھا گیا(۲) جواب ندوۃ العلماء کے ناظر عام، ماہانہ رضوان کے مدیر اور کئی اداروں کے ذمہ دار اور اہم شخصیت ہیں، نکاح مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحبؒ نے خود پڑھایا اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی عدم شرکت کا سب کو ملال ہوا، مولانا نے اپنے بڑے بھائی بہن اور والدہ صاحبہ سے اپنے پروگرام کی اطلاع نہ کرنے کی معافی بھی ما نگی، ولیمہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوا۔

مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحب جو کہ مولانا محمد ثانی حسنی کے بڑے ماموں اور مربی تھے انہوں نے اپنے بھانجے کو تاکید فرمادی تھی کہ باراتیوں کا کوئی انتظام نہیں ہوگا اگر وہ آتے ہیں تو حافظ خیراتی (جن کا ہوٹل محلہ کے قریب تھا) کے یہاں کھانا کھائیں۔

مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب شادی کو نہایت سادگی سے انجام دینا پسند کرتے تھے، اور مہر مہر فاطمی اختیار کرتے اور پسند کرتے تھے، ساری صاحبزادیوں کے مہر فاطمی مہر رہے، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے بیعت تھے جو کہ اس میں اتنے سخت تھے کہ جس کا مہر مہر فاطمی نہ ہوتا تو اس کا نکاح وہ نہ پڑھاتے یہ نکاح اور بڑی صاحبزادی سیدہ حمیرا کا جو سید محمد مسلم حسنیؒ سے ہوا تھا حضرت ڈاکٹر سید

(۱) مکتوبات مولانا ابوالحسن علی ندوی جلد دوم ص: ۴۰

(۲) اس موقع پر آپ کے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سفر حج پر تھے، اور اس کی خوش خبری انہیں وہاں ملی۔

عبد العلی حسنی نے از خود پڑھایا، باقی تین صاحبزادیوں کے نکاح جو مولانا طاہر حسینی منصور پوری (والد ماجد مولانا سید سلمان حسینی ندوی)، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا واضح رشید حسنی ندوی سے بالترتیب ہوا اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے مہر فاطمی پر پڑھایا۔ مولانا سید محمد طاہر منصور پوری اور مولانا سید محمد رابع حسنی کا نکاح ایک ہی مجلس میں لکھنؤ میں پکریا والی مسجد (مسجد نوازی) میں پڑھایا گیا تھا۔(۱)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی پرانے چراغ حصہ دوم صفحہ ۳۱۶ر میں اپنی ہمشیرہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کے تذکرے میں حجاز مقدس سے حج سے واپسی کے ضمن میں سیدہ امامہ حسنی کی ولادت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

> ''ممبئی میں محمد ثانی سلمہ کے یہاں پہلی ولادت کی اطلاع ملی، جو ماشاء اللہ اب خود دو بچوں کی ماں ہے، جن کا نام امامہ حسنی ہے اور جواب معاون مدیر ''رضوان'' ہیں۔''(۲)

اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہ بنت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی

اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہ حسنی بڑی ستودہ صفات، عبادت گذار، صابر وشاکر، قانع، منتظم، اطاعت شعار، فرمانبردار خاتون تھیں، ۱۹۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں اور ۱۹۹۹ء میں ستر (۷۰) سال کی عمر میں رائے بریلی میں مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔

آپ کے فرزند مولانا سید محمد حمزہ حسنی ماہنامہ رضوان لکھنوء کے ستمبر ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں لکھتے ہیں:

> والدہ مخدومہ سید خدیجہ حسنیؒ نے مؤرخہ ۳/ اگست ۱۹۹۹ء کو حرکت قلب بند ہوجانے سے وفات پائی، ''انا للہ وإنا الیہ راجعون'' اللہ تعالیٰ مخدومہ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین

---

(۱) معلومات از سید محمد مسلم حسنی صاحب مرحوم ولادت محرم الحرام ۱۳۳۳ھ، وفات ۲/ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ
(۲) بعد میں اللہ نے اور بھی اولاد دی، تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: ''عائشہ بی'' یعنی تذکرہ امۃ اللہ تسنیم، مطبوعہ: مکتبہ امامہ حسنی، جامعہ عائشہ للبنات، رائے بریلی

میں جگہ عطا فرمائے اور ہم پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

والد مرحوم مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے سترہ سال قبل ۱۶ رفروری ۱۹۸۲ء کو وفات پائی تھی، ان کے حادثہ وفات کے سترہ سال بعد یہ عظیم حادثہ پیش آیا۔ والدین کا سایہ اللہ تعالی کی ایسی نعمت ہے جس کا اس دنیا میں کوئی بدل نہیں ہے ان کی شفقت ومحبت، ان کی دعائیں اوران کی لطف بھری نگاہیں اولاد کا سرمایہ حیات ہوتی ہیں، ان کے سایہ میں آکر جو احساس ہوتا ہے وہ ساری تکلیف دکھ، تھکن سب کافور کردیتا ہے، انسان کسی بھی عمر میں پہنچ جائے کسی بھی مرتبہ پر فائز ہو جائے خود بھی صاحب اولاد ہوجائے لیکن والدین سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، اور ان کی سرپرستی اوران کی موجودگی اللہ سبحانہ تعالی کی ایسی نعمت ہے جس کا وہ شکر زندگی بھر سجدہ میں پڑا رہے ادا نہیں کرسکتا۔ پھر والدین بھی کیسے جن کے شام وسحر اللہ کو یاد کرنے میں گزرتے ہوں اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک ان کی فطرت ہو، کبھی کسی کا دل نہ دکھایا ہو نہ زبان سے نہ فعل سے، دوسروں کے حقوق کا لحاظ، اپنے حقوق کا ذکر تک نہ کرنا، اپنی اولاد سے کبھی کسی دنیاوی خواہش کا اظہار تک نہ کرتے ہوں، صرف ان کی دینی حالت اور کیفیت کی فکر کرنا۔ والدہ مرحومہ کو دعاؤں سے خاص تعلق تھا، ہر نماز کے بعد طویل دعا کرتیں، بعض اوقات صبح کی نماز کے بعد ان کو دعا میں اس طرح گریہ وزاری کرتے دیکھا کہ دیکھا نہ گیا، اللہ تعالی ان کی تمام دعاؤں کو قبول فرمائے اوران کو اپنی رحمت و

کرم کے حساب سے نوازے اور ان کو وہ سب کچھ عطا فرمائے
جو اپنے نیک وفرمانبردار اور ایسے بندوں کو عطا فرماتا ہے جن کی
صفت خود رحیم وکریم غفار وغفور، ستار ورحمٰن نے بیان فرمائی ہے،
رضی اللہ عنهم و رضوا عنه ذالك لمن خشى ربه.
﴿یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعى الى ربك را ضية
مرضية فا دخلى فى عبا دى وادخلى جنتى﴾ قارئین
رضوان سے دعائے مغفرت وترقی درجات اور ایصال ثواب کی
خصوصی درخواست ہے۔(۱)

اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہ حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کی تیسری صاحبزادی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی بھتیجی تھیں، اور ان کے زیر تربیت پروان چڑھی تھیں، اور ان کی والدہ بزرگ عالم دین مولانا سید ابوالقاسم حسینی ہنسویؒ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی صاحبزادی اور مولانا سید رشید الدین حسنی کی نواسی تھیں، اپنی تعلیم وتربیت کے متعلق ''میری بے زبان استانیاں'' کے نام سے اپنے ایک مضمون میں تفصیل سے بیان کیا ہے جو ماہنامہ ''رضوان'' ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا، اپنے مضامین میں الماس فخری کا قلمی نام بھی لکھتی تھیں، جس میں وہ اپنے پردادا مولانا سید فخر الدین حسنی خیالی کی طرف نسبت کرتی ہیں، اچھا انتظامی مزاج وسلیقہ رکھتی تھیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی اہلیہ سید طیب النساء مرحومہ کی وفات (۱۵/ دسمبر ۱۹۸۹ء) کے بعد گھر کی انتظامی ذمہ داری ان کے سپرد کی تھی، وفات کا اثر حضرت مولانا پر طبعی تھا کہ وہ چچا اور قائم مقام والد کے تجہیز وتکفین کے بعد جب دیکھ کر جانے لگے تو راقم السطور سے فرمایا کہ مقبولیت کے آثار نظر آئے۔

نائب ناظم ندوۃ العلماء مولانا قاضی معین اللہ ندوی اندوری اپنی وفات سے چند دن قبل حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے نام اس حادثہ فاجعہ پر تعزیتی مکتوب میں

(۱) اداریہ ماہنامہ رضوان شمارہ ستمبر ۱۹۹۹ء

لکھتے ہیں:

۲۴ ربیع الثانی ۲۰ھ

گرامی قدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم

سیدی مولائی ووسیلۃ یومی وغدی دامت برکاتکم

ومتعنا اللہ بفیوضکم المبارکۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل عزیزی عطاء اللہ سلمہ کے فون سے حادثہ فاجعہ انتقال والدہ عزیزی حمزہ حسنی ندوی سلمہ کی اطلاع ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تبارک وتعالی مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے، بہت ہی طبیعت متاثر ہوئی، اور یہاں سب گھر والوں کو اور سب متعلقین کو بے حد رنج وافسوس ہوا، سب ہی ایصال وثواب کرتے ہیں، اور خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں، میں تو اس وقت بالکل معذور وبے کار ہوں، تکلیفیں بہت بڑھی ہوئی ہیں، مجھے تو وہاں پہنچ کر تعزیت پیش کرنا تھی اور وہاں حاضر ہونا تھا، بس اللہ تعالی مجھ پر رحم فرمائے، اور جو کوتاہیاں ہوئی ہیں معاف فرمائے، عزیزی مولانا سید حمزہ حسنی ندوی سلمہ کو بہت سلام، دلی تعزیت پیش فرمادیں، اسی طرح مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی ومولانا سید محمد واضح صاحب ندوی اور تمام اہل خاندان کی خدمت میں دلی تعزیت پیش ہے، یہاں سے عزیزی عبید اللہ سلمہ وعبد اللہ سلمہ سلام عرض کرتے ہیں اور تعزیت پیش کرتے ہیں، انشاء اللہ

مرحومہ کے لیے میں بھی ایصال ثواب کرتا رہوں گا، اللہ تعالی قبول فرمائے، یہاں مدرسہ میں بھی اسکا اہتمام کیا جارہا ہے۔

والسلام

خادم ونا کارہ محتاج دعا

معین اللہ ندوی (بقلم عبداللہ)

اولاد کی تعلیم وتربیت اور افراد خاندان کا خیال

صاحبزادہ گرامی خال معظم مولانا سید محمد حمزہ حسنی مدیر ''رضوان'' اپنے اداریہ میں لکھتے ہیں:

''مضمون کے صحابیات نمبر سے قارئین کو علم ہو چکا ہوگا کہ رضوان کے بانی اور مدیر جناب مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رب سے جا ملے، اس سلسلہ میں کچھ لکھنے کی نہ قلم میں تاب ہے اور مجھ غمزدہ میں ہمت۔

ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو ایسا شفیق اور محبت کرنے والا باپ دیا، جس نے ہمیشہ میرے لیے دنیا کے مقابلہ میں دین کو پسند کیا، اول سے آخر تک دینی تعلیم دلائی، اور دینی کام میں لگایا، میرے ایمان وعقیدہ کی فکر رکھی، اور میرے لیے ایسی دعائیں مانگیں جو میرے لیے سرمایہ دنیا وآخرت ہیں، ہر چیز اللہ کی ہے، جو چاہے عطا کرے اور جو چاہے واپس لے لے سب تو یقین اسی کے لیے ہیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میرے باپ کو توفیق بخشی کہ انہوں نے پوری زندگی اس کی فرماں برداری اور اس کے رسول ﷺ (آپ پر ہمارے ماں، باپ فدا ہوں) کی پیروی میں گذاری، اور اس

کے دین کی تبلیغ واشاعت میں اپنی زندگی کا ہر لمحہ صرف کرنے کی کوشش کی اور دم واپسیں تک اسی کے دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے آنے والوں کو نصیحتیں کرتے رہے، اور لوگوں سے دین کے لیے اپنی زندگی وقف کرنے کے لیے وعدے لیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ میرے باپ کی قبر کو نور سے بھر دے، جس طرح انہوں نے اپنے کو اللہ کا بندہ جان کر اپنی تحریروں اور تقریروں سے لوگوں کیدلوں اور گھروں میں نور پہنچایا۔

ہم اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کریں گے اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے اور تیرے نبی محمد ﷺ کے راستہ پر چلتے رہیں گے، اور تیرے دین کی اشاعت کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تیرا حکم آجائے اور ہم تیرے پاس حاضر ہوجائیں، ﴿واعبد ربك حتى يأتيك اليقين﴾"(۱)

یہ وہ زمانہ تھا جب گھر میں تعلیم وتربیت کا پورا انتظام ہوتا تھا، اور مدرسہ اور مکتب کے نظام کو وہ فروغ حاصل نہیں ہوا تھا جو اب دیکھنے میں آرہا ہے، والدین اور والدین کے بھائی بہن اور دادا نانا ہوتے تو وہ اس کی فکر کرتے، مولانا کو اس لحاظ سے اطمینان حاصل تھا، لیکن لڑکوں پر خارجی اثرات کا بھی اثر پڑتا ہے اس لیے وہ مطمئن نہیں بیٹھتے تھے اور مغربی تعلیم وثقافت کا ذرا بھی اثر وہ محسوس کرتے تو ان کی نیند اڑ جاتی ہے، ڈاکٹر ہارون رشید صاحب (حال معاون ناظر تعمیر وترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ) جو ان کے معاملات میں اہم معاون ومشاہد بھی رہے، اور ان کے مکتبہ کے منیجر اور ان کے رسالہ رضوان کے بھی منیجر تھے اپنا تاثر اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

"الحمدللہ بچیوں کی تربیت کے لیے مولانا کا گھر ایسا تھا اور ہے کہ

(۱) مارچ، اپریل ۱۹۸۲ء، رضوان لکھنؤ

شاید ہی کہیں ہو، جب حضرت مولانا علی میاں صاحب کی والدہ محترمہ (خیر النساء بہتر صاحبہ) اور ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ حیات تھیں جو ایک طرف بہترین معلمہ تھیں، تو دوسری جانب صاحب نسبت مربیہ، اب بھی اس گھر کی فضا قابل ذکر ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب وہ بات نہ ہوگی بہرحال اس گھر کے لوگ بچیوں کی تربیت میں خوب مطمئن تھے، اور ہیں، البتہ بچوں کی فکر تھی، جن کو گھر اور مدرسہ کے علاوہ بازار سے بھی سابقہ تھا، لہٰذا مولانا بچوں کے لیے بہت فکرمند رہتے اور اپنے صاحبزادے ہی نہیں تمام عزیز بچوں پر نظر رکھتے، سلمان میاں (۱) اسحاق میاں (۲) حسن میاں (۳) صہیب میاں (۴) حسین میاں (۵) احمد میاں (۶) جعفر میاں (۷) عبداللہ میاں (۸) عمار میاں (۹)

---

(۱) مولانا سید سلمان حسینی ندوی (ولادت-۱۵/ستمبر ۱۹۵۴ء مطابق ۱۳۷۳ھ) صدر جمعیت شباب الاسلام، واستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۲) مولانا سید اسحاق حسینی ندوی مرحوم سابق جنرل سکریٹری جمعیۃ شباب الاسلام واستاد مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ۔ (۱۹۵۸ء-۲۰۰۶ء)

(۳) سید حسن حسنی مرحوم (ولادت-۲۴ مئی ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ-وفات ۲/جنوری ۲۰۱۳ء) مؤلف کتاب کے والد ماجد اور حضرت ڈاکٹر عبدالعلی حسنی مرحوم کے بڑے نواسے۔

(۴) ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی مرحوم کے نواسہ اور مولانا سلمان حسینی ومولانا اسحاق حسینی مرحوم کے بھائی

(۵) راقم الحروف کے عم محترم اور حضرت ڈاکٹر عبدالعلی حسنی کے نواسہ وفات پاچکے ہیں۔

(۶) ڈاکٹر سید احمد الحسنی ندوی علیگ راقم کے چچا اور مولانا سلمان حسینی ندوی کے بہنوئی (پیدائش ۱۹۵۴ء)

(۷) مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی فرزند مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اور صاحب تذکرہ کے بھتیجہ اور حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے نواسہ۔ (ولادت ۱۹۶۰ء)

(۸) مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی فرزند مولانا سید محمد الحسنی مرحوم استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۱۹۵۷ء-۲۰۱۳ء)

(۹) مولانا سید عمار محمد عبدالعلی حسنی بن مولانا سید محمد الحسنی مرحوم۔ (۲/اکتوبر ۱۹۶۳ء)

وغیرہ الحمدللہ سبھی بچے اپنے گھر کا پاس ولحاظ رکھتے تھے اور ہر بری راہ سے دور رہتے، خاص طور سے ان کے صاحبزادے حمزہ میاں تو جیسے مغربی فیشن والوں کو دیکھا ہی نہ ہو، اس سب کے باوجود مولانا ان میں سے کسی کو بھی کسی آزاد لڑکے کے ساتھ دیکھ لیتے تو آپ کو اختلاج ہونے لگتا، جس کا علم سب کو نہ ہوتا۔

الحمدللہ ان میں سے کوئی بھی انگریزی بالوں کا دلدادہ نہ تھا، مولانا کے یہاں پٹوں کا رواج بھی نہ تھا، لیکن انگریزی بال کاٹنے کا عادی نائی جب ان بچوں کے بال کاٹتا تو کبھی کبھی بین بین ہوجاتے، جنہیں دیکھ کر مولانا کو اختلاج شروع ہوجاتا، بھائیوں کو معلوم ہوتا کہ بھیا کو اختلاج ہے، کبھی تسکین کے لیے سنترہ آتا، تو کبھی مربا، لیکن فائدہ نہ ہوتا، مولانا اختلاج کا سبب کبھی کبھی بتا بھی دیتے اور اکثر نہ بتاتے چونکہ میں طبعت آشنا ہو چکا تھا، اس لیے میں فوراتاڑ لیتا، مولانا کو جو بات پسند نہ ہوتی عموماایک بار اسے ظاہر فرما دیتے لیکن جب دوبارہ وہی بات سامنے آتی تو خاموش رہتے لیکن سخت کوفت میں مبتلا ہوجاتے، گھر کے لوگوں سے تو بغیر بتائے ہوئے متوقع رہتے کہ ان کی جانب سے کوئی ناگوار بات ظاہر نہ ہو، حمزہ میاں عموما مولانا کی موجودگی میں مکتبہ میں نہیں بیٹھتے اور بیٹھے ہوئے ہوتے تو مولانا کے آتے ہی غائب ہوجاتے مولانا کو یہ خیال ہوا کہ حمزہ میاں کو ایسا نہ کرنا چاہئے، چنا ۔اسی سلسلے میں مولانا کو ایک دوبار اختلاج ہوا اور مجھ پر ظاہر فرمایا اور یہ خدشہ ظاہر فرمایا کہ حمزہ میاں غالبا ہم سے دور ہو رہے ہیں، میں حمزہ میاں کو بھی خوب جانتا تھا، اور مولانا کی طبعت سے بھی خوب واقف تھا حمزہ میاں ایسا ادبا کیا کرتے تھے، یہی بات میں نے عرض کی اور عرض کیا کہ اس کا ثبوت یوں ہے کہ جب آپ کسی بات کا حکم فرماتے ہیں تو حمزہ میاں کتنے ادب سے اس کی تعمیل کرتے ہیں، دوسرا ثبوت یہ ہے کہ کبھی حمزہ میاں کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں سننے میں آئی جس سے اس کا شبہ بھی کیا جاسکے، الحمدللہ مولانا مطمئن ہوگئے،

پھر جلد ہی مولانا کو یقین ہوگیا کہ بات یہی تھی‘‘۔(۱)

راقم الحروف نے مولانا کا زمانہ زیادہ نہیں پایا لیکن جو عہد پایا وہ گھریلو تربیت کا زمانہ ہوتا ہے، اس میں ان کی طریقہ تربیت و تعلیم شفقت ومحبت سے بھرا ہوتا اور وہ اہل دین کی محبت وعظمت دل میں بٹھا کر دین سے قریب کرنے کا طریقہ اختیار کرتے، اور اہل تقویٰ اور بزرگوں مشائخ کا تذکرہ فرما کر ان جیسا بننے کا حوصلہ پیدا فرماتے، جب وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی خدمت میں سہارن پور کا سفر فرماتے تھے تو کہتے کہ حضرت شیخ کے یہاں جارہے ہیں، تم دعا اور سلام کے لیے نہیں کہتے، اور جب میں اس کا التزام کرنے لگا تو بہت خوش ہوئے، اور واپس تشریف لانے پر بتاتے کہ تمہارا سلام پہنچادیا، حضرت شیخ بہت خوش ہوئے اور کھلونے وغیرہ بھی لاتے، اسی طرح جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں خط لکھتے تب بھی اس کا شوق دلا کر تعلق پیدا کراتے، اور ایسے قریب کر کے بزرگوں، اہل علم اور اسلاف کے واقعات اور پھر ان کے متعلق معلومات فراہم کرتے خاص طور سے سنین وفات بتاتے یہ طریقہ ان کے ساتھ ان کے مشفق استاد اور خاندانی بزرگ مولانا سید طلحہ حسنی ٹونکی نے اختیار کیا تھا، خال محترم مولانا سید بلال حسنی کو ایک منظوم خط بھی لکھا جس میں دعائیں تھیں اور ان دعاؤں کے ذریعہ تعلیم وتربیت کا کام بھی لیا تھا وہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ایک منظوم منقبت نامہ

یہ منظوم شفقت نامہ ۱۳۹۹ھ کا لکھا ہوا ہے جو انہوں نے اپنے ایک عزیز بھائی مولانا سید محمد الحسنیؒ کے سانحہ وفات کے بعد ان کے پسر خورد مولانا سید بلال حسنی ندوی کو لکھا تھا جب وہ دس سال کے تھے۔

دین کے ہلال سید بلال

تم خوش رہو خوشتر رہو شام وسحر بہتر رہو

(۱) رضوان مولانا محمد ثانی نمبر ص ۸۶-۸۸

ہم سب تمہیں کرتے ہیں یاد — ہر دم رہو تم شاد شاد
پڑھو لکھو آرام سے — محفوظ ہو آلام سے
کرتے رہو ماں کا ادب — تم سے رہیں خوش سب کے سب
خوش تم سے ابا جان ہو(۱) — وہ مہربان ہر آن ہو
پڑھ لکھ کے تم قابل بنو — عالم بنو، فاضل بنو
محمود(۲) کے ماموں ہوتم — مسعود(۳) کے ماموں ہو تم
ہیں سعدیہ شیما بتول — دل کے چمن کے پھول پھول
بھائی تمہارا ہے معاذ — کھلتاہوا گل ہے معاذ(۴)
مہکے سدا یہ گلستاں — مہکائے یہ سارا جہاں
میرے بھتیجے ہوبلال — تم بنو حق کے ہلال
پھر تم بنو بدر تمام — اور نور حق تم سے ہو عام
بھائی ہو عبداللہ کے(۵) — راہی ہو حق کی راہ کے
بھائی ہو تم عمار کے(٦) — وارث ہو تم اخیار کے
دونوں کی تم عزت کرو — دونوں کی تم خدمت کرو
تم سے سدا وہ کام ہو — روشن تمہارا نام ہو
تم کو سدا عزت ملے — صحت ملے طاقت ملے
ایمان کی دولت ملے — ہر ہر طرح نعمت ملے

تم راہ پر دیں کی چلو
ہر لمحہ تم پھولو پھلو

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جنہیں خاندان کی تیسری نسل ابا جان کہتی تھی۔
(۲) محمود حسن حسنی
(۳) مفتی مسعود حسن حسنی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء)
(۴) مولوی سید محمد معاذ حسینی ندوی خلف الرشید مولانا سید محمد الحسنی مرحوم
(۵) مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم
(٦) مولانا سید عمار محمد عبدالعلی حسنی ندوی

اسی طرح دوسرے خاندانی اور غیر خاندانی لڑکوں بچوں کے ساتھ بھی کیا اور منظوم دعاؤں سے نواز کر حکیمانہ تربیت کا کام لیا، ان کے دوست مولانا سید محمد مرتضیٰ مظاہری بستوی (سابق ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء) کے صاحبزادہ گرامی مولانا سید عبیداللہ الاسعدی نے حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کی ان کے لیے منظوم دعائیہ تہنیت پیش کی اس سے بھی انہوں نے یہ کام لیا، ان کی یہ خواہش تھی کہ نئی نسل اپنے اسلاف کے طریقہ پر رہے، اور خالص دینی مزاج کی حامل بنے۔

ہماری دادی مرحومہ(۱) نے اپنی اولاد کے لیے دعا چاہی ان کی طرف سے ایک منظوم دعا کہی۔ خاندان کے متعدد افراد اور اہل تعلق نے یہ درخواست رکھی ان کی خواہش بھی پوری کی اور سب دعاؤں میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا کہ بچوں کے اندر ایمان وعمل کی بلندی کا حوصلہ پیدا ہو، مولانا کی ان تمام منظوم دعاؤں کا بھی ایک مجموعہ تیار ہوسکتا ہے جو ''صدائے دل'' کے نام سے زیر ترتیب ہے۔

افراد خاندان کے ساتھ حسن سلوک اور مزاجی خصوصیات

مولانا محمد ثانی حسنی کے عمر میں بڑے مگر بے تکلف عزیز و بھائی مولانا سید ابوبکر حسنیؒ (۲) سابق استاد جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی لکھتے ہیں:

> ''زیادہ مدت نہیں گزری، چند سال کی بات ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے پچاسی (۸۵) جشن منایا، اور بڑی شان سے منایا، اس تاریخی اجتماع میں اندرون ملک کے مندوبین کے علاوہ عرب ممالک کے ستر بہتر علماء اور فضلاء نے شرکت کی، ہر جلسے مثالی اور ہر نشست ممتاز، اجتماع ایسا کامیاب کہ سارے عالم میں اس کی بازگشت سنی گئی، اس موقع پر ندوی حضرات ایک بڑی تعداد میں لکھنؤ پہنچے اور اپنی شرکت سے اجتماع میں ایک نئی

---

(۱) دختر مولانا حکیم سید عبدالعلی حسنی سیدہ حمراء حسنی مرحومہ (۱۹۲۰ء-۱۹۹۴ء)

(۲) ولادت-۲۱/اپریل ۱۹۱۳ء مطابق ۱۳/جمادی الاول ۱۳۳۱ھ

جان ڈال دی، موقع غنیمت جان کر ندویوں کا ایک خصوصی جلسہ ہوا۔ ایک ممتاز سابق مہتمم جو ''ندوی بھی ہیں اور ازہری بھی'' (مولانا محمد عمران خان بھوپالی مرحوم) نے جو خطاب کیا اور بڑی دلنشیں انداز میں ندویوں کو چند نصیحتیں بھی کیں، تقریر کے دوران ایک ندوی کی صفات پر روشنی ڈالتے ہوئے صاف صاف فرمایا کہ ''آپ میں خودداری، ایثار کا جذبہ، خدمت خلق، شائستگی، تہذیب تحمل، حکمت عملی، انسانیت کا جذبہ، محنت ومشقت، قناعت اور بردباری جیسی صفات ہونی چاہئیں۔ ورنہ آپ ندوی نہیں بدوی ہیں، ایک ندوی نے اپنے ہم جلیس سے اس موقع پر دریافت کیا، ''آپ ندوی ہیں کہ بدوی'' فرمایا، میں ندوی نہ بدوی، میں تو فدوی ہوں اور یہ تھے ہمارے محمد ثانی مرحوم، اللہ ان کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے، یہ تھی ان کی بذلہ سنجی، مگر بات تھی حقیقی۔(۱)

مرحوم سچی بات ہے فدوی گھر میں بھی تھے اور باہر بھی، فدویت ان کے جسم وروح میں جاری ساری تھی، زمانہ طالب علمی میں فدوی رہے اور فراغت کے بعد بھی سادہ مزاج، سادہ طبیعت، سادہ لباس، سادی غذا، بات میں بھولاپن، اور معصومیت، چالبازی اور جعل سازی سے کوسوں دور، عاجزی اور انکساری، تواضع ومروت ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، جفاکشی اور محنت

(۱) یہ جشن تعلیمی کی مقررہ تاریخوں سے پہلے اس کی تیاری کے سلسلہ کے اجتماع کی بات ہے، خاص ان تاریخوں مولانا محمد ثانی حسنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایماء پاکر رائے بریلی میں مقیم تھے جہاں گھر کی خواتین تھیں اور ان کی رعایت میں انہوں نے ان تاریخوں میں لکھنؤ کا سفر نہیں کیا تھا۔(م)

سے کبھی گھبراتے نہ تھے، قناعت مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، ماں باپ کے انتہائی مطیع اور فرمانبردار، اپنے دونوں ماموں (مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی) کے حکموں پر چلنے والے، اپنے استادوں کا احترام کرنے والے اور اپنے شیخ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے کفش بردار اور عبادت و ریاضت میں ایسی پابندی کی کہ آخر خلیفہ ہوکر رہے، اپنے ہم جلیسوں میں نہایت مقبول اور اپنے عزیزوں میں نہایت محبوب، ہر شخص کے کام آنے والے اور ہر ایک پر مر مٹنے والے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب وغریب نعمتوں سے سرفراز فرمایا تھا، بیک وقت واعظ ومقرر، منتظم اور نگراں، کسی مدرسہ کے ناظم ہیں تو کسی کے معتمد، کسی ادارہ کے صدر ہیں تو کسی کے خزانچی، قصبہ اور شہر میں ایسے مقبول اور محبوب کہ کسی کا نکاح پڑھانے جارہے ہیں تو کسی کی جنازہ کی نماز، کسی کو مسئلہ بتارہے ہیں تو کسی کو مستقبل کے لیے مشورہ دے رہے ہیں، کسی کے گھر کی تعمیر میں لگے ہیں تو کسی گھر کا نقشہ بنارہے ہیں، گھر کا سودا شہر لینے جارہے ہیں اور کبھی کھیت کو درست کرانے جارہے ہیں، کبھی ہاتھ میں فاوڑا ہے کبھی کھرپی، کبھی ٹوکری لیے جارہے ہیں، کبھی مستری کو ہدایت دے رہے ہیں، کسی کو سبق پڑھا رہے ہیں تو کسی کا سبق سن رہے ہیں اور اسی دوران شعر بھی کہے جارہے ہیں، اور ایسے شعر کہ جان چھڑکنے کو جی چاہے، حمد ونعت ایسی

کہتے تھے کہ آدمی سن کر سر دھنتے، گھر کے لوگ، عورت و مرد اپنے بچوں کی پیدائش پر منظوم دعا کی ان سے فرمائش کرتے جس کو بخوشی پوری کرتے اور ایسی دعا نظم کرتے کہ آدمی جھوم جھوم جاتے، یہ مزہ دیکھئے کہ ایسی مصروفیت کے بعد بھی اتنی ضخیم کتابیں انہوں نے تصنیف کیں اور ایسی مستند اور جامع کہ اہل قلم اور سیرت نگار و مورخ دنگ رہ گئے، کتنی کتابیں مسودات کی شکل میں ہیں، جن کی طباعت کا موقع نہیں مل سکا، وہ ایسے ہمہ صفت موصوف تھے کہ انہیں دیکھ کر، برت کر کوئی تو یہ تمنا کرتا کہ کاش یہ میرے باپ ہوتے، کوئی یہ آرزو کرتا کہ کاش یہ میرے بیٹے ہوتے، کوئی بھائی ہونے کی تمنا کرتا، تو کوئی دوست، یہ ہر شخص کے کام آتے، ہر شخص کا کام کرتے، ہر ایک کی مدد کرتے، دامے درمے سخنے، کبھی انہیں کسی کے کام آنے میں دریغ نہ تھا اور اس نظریہ سے کہ ع

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا

بچپن میں وہی سلامتی ذہن اور محبوبیت تھی، ساتھیوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے، ساتھ کھیلتے مگر نہ کبھی لڑتے نہ جھگڑتے، نہ کبھی بحث و مباحثہ کرتے، گلی ڈنڈا بھی کھیلے، والی بال اور فٹ بال بھی، کشتی بھی لڑے اور ندی میں پیرے اور مقابلوں میں شریک ہوئے، مگر کسی سے نہ جھگڑا ہوا، نہ کسی سے رنجش، سب کے عزیز اور سب کے محبوب، اللہ تعالی انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے۔

جب ذرا سن شعور کو پہنچے تو بزرگوں اور اولیاء اللہ کی صحبت میں مزہ آنے لگا، تعلیم و تربیت کو لازم ملزوم سمجھتے تھے، ایک طرف تعلیم

جاری ہے تو دوسری طرف بزرگوں کی صحبت کا اہتمام، اسباق بھی چل رہے ہیں اور صالح نوجوانوں کی رفاقت بھی، جوان ہوئے اور تعلیم سے فارغ ہو کر تبلیغ میں لگ گئے، آج اس قصبہ میں ہیں کل دوسرے قصبہ میں، کبھی اِس شہر میں کبھی اُس شہر میں، پیدل بھی سفر کر رہے ہیں اور تانگوں پر بھی، بس سے جا رہے ہیں کبھی ریل سے، بستر ہو نہ ہو، جھولا لیا، اور چل کھڑے ہوئے، چٹائی پر رات گذاری کہ ٹوٹی کھٹیا پر، نہ اس میں عار، نہ اس سے گریز، کسی کے پاس بستر نہ پایا اپنا دے دیا، کھانا نہ کھایا ایسے ہی سو رہے، کبھی جماعت کے امیر ہیں تو کہیں متکلم، کہیں مقتدی ہیں تو کہیں امام، بڑوں کے حکم پر چلنے والے اور چھوٹوں پر شفقت کرنے والے، گھر کا ذرا بوجھ پڑا تو مکتبہ کھول لیا، اصلاح کا خیال آیا تو ''رضوان'' جاری کیا، (جو آج تک ماشاء اللہ جاری ہے) تحریر میں شگفتگی اور سلیقہ دیکھ کر فرمائش ہوئی کہ حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح لکھی جائے، تیار ہو گئے اور ایسی سوانح لکھی کہ وہ سند بن گئی، ''تذکرہ ہارون'' لکھا اور سوانح مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھی اور خوب لکھی کہ حضرت شیخ نے خوب خوب دعائیں دیں، مدرسوں کے لیے ترانے لکھے جو زباں زد ہو گئے، اور ندوہ کا تو ایسا ترانہ لکھا، کہ سننے والے عش عش کرنے لگے، بڑے شب باش اور خوش اوقات تھے، جمعہ کی بعد نماز مغرب محفل ذکر انہیں کی یادگار ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔

اپنے بھائیوں (مولانا محمد رابع حسنی سلمہ اور مولانا واضح سلمہ) سے اس قدر محبت تھی کہ باپ کو کیا ہو گی، ان دونوں کا ہر وقت خیال رہتا تھا، انہیں جو ضرورت پیش آنے والی ہوتی اس کو پہلے

ہی بھانپ لیتے، اور حتی الوسع وہ ضرورت پوری کرتے، مسئلہ کپڑوں کا ہو یا جوتے کا، جیب خرچ کا ہو یا درپیش سفر کا۔

والد جب زیادہ ضعیف ہوئے تو ان کی خدمت اور جائداد کی نگرانی اپنے اوپر اوڑھ لی اور باقاعدہ تکیہ کی سکونت اختیار کرلی، صبح وشام باغات کی دیکھ بھال، اور کھیتوں کی نگرانی کرتے، ہر وقت مشغول رہتے، کبھی تکیہ کا قبرستان درست کرار ہے ہیں، کبھی راستے درست کرارہے ہیں، کبھی مکان کی مرمت، کبھی بنگلہ کی صفائی وسپیدی، ہم جیسے لوگوں کو کبھی اسٹیشن پہنچانے جارہے ہیں تو کبھی اپنے ساتھ سفر میں لے جارہے ہیں، اور یہ سمجھئے کہ جس کا ان کا ساتھ حضر یا سفر میں ہوا، اسے لطف ہی آگیا، سامان خود اٹھارہے ہیں، ناشتہ کا وقت ہے تو ناشتہ کرارہے ہیں، کھانے کا وقت ہے تو کھانا کھلارہے ہیں، سچ یہ ہے کہ ایسا جامع ندوی نہ دیکھا، نہ سنا، کبھی آپس میں کسی کی رنجش دیکھی، فوراً صلح کرانے پہنچ گئے، اور نہ جانے کتنی باران کی حکمت عملی سے جھگڑا فرو ہوا، بڑے صلح کل تھے اور بڑے صالح مومن۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں خوب نوازے، میں ان سے تیرہ چودہ سال بڑا، مگر ایسی بے تکلفی ان سے تھی کہ کبھی بھی یہ خیال نہ گزرا کہ وہ مجھ سے چھوٹے ہیں، بے تکلف باتیں ہوتی تھیں، مشورے ہوتے تھے، ساتھ اٹھنا بیٹھنا، آنا جانا، کھانا پینا ہوتا تھا، میرا ساتھ اگرچہ انہیں ایام میں ہوتا تھا جب میں رخصت پر لکھنؤ یا گھر (تکیہ) آتا تھا، مدت تھوڑی ہوتی تھی، مگر جتنا وقت ان کے ساتھ گزرتا وہ بھلایا نہیں جاسکتا، احترام کے ساتھ وہ محبت

نظر آتی تھی جو حقیقی بھائیوں میں پائی جانا چاہیے۔

مکتبہ کے ابتدائی دور میں ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو ان کا ہاتھ بٹائے، خوش قسمتی سے ایک نوعمر لڑکا لکھنؤ میں مل گیا، اس کے ساتھ بیٹوں جیسا معاملہ کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ نہ جانے کتنے حضرات اس کو ان کا بیٹا تصور کرنے لگے، اور انہوں نے بھی ان کے ''تصور'' کو ٹھیس نہ لگنے دی۔

اپنے ماموں صاحب کے گھر میں جب بھی ان کا قیام ہوا، بڑی ذمہ داری سے گھر کی دیکھ بھال کی فکر رہا کرتی، راتوں کو اٹھ کر سارے دروازے دیکھتے کہ کوئی کھلا تو نہیں رہ گیا، اگر اتفاق سے کوئی دروزہ کھلا رہ جاتا تو فوراً دریافت کرتے کہ کون اب آنے والا ہے، نہیں ہے تو فوراً دروازہ بند کرتے، ان کا یہ روز کا معمول تھا، اور یہی معمول تکیہ پر بھی رہتا، مہمانوں کا خاص خیال رکھتے، ساتھ ناشتہ کرتے اور ساتھ ہی کھانا کھاتے، خواہ ماموں جی (یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ)(۱) ہوں یا نہ ہوں۔

بچوں کے لیے کھلونے بسکٹ، ٹافی وغیرہ وقتاً فوقتاً خریدتے اور ان کا دل بہلاتے، ہر بیمار کی عیادت کو جاتے اور اسے تسلی دیتے، اور دوا کا اہتمام رکھتے، ان کے رخصت ہو جانے سے ایسا خلا پیدا ہوگیا کہ پر کرنا مشکل ہے، بال بال اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، میں آخر کیا کیا لکھوں، نہ جانے کتنی باتیں یاد آتی ہیں، انہیں علم الانساب سے بڑی دلچسپی تھی، اور خاندان کے نسب سے

---

(۱) جو صاحب سوانح کے ماموں تھے، مضمون نگار عمر میں چند مہینے بڑے تھے اس لیے وہ علی میاں کہتے تھے۔

واقفیت تو ان کی ضرب المثل تھی، جس کسی کو اپنا نسب اور اپنے اجداد کی تلاش ہوتی وہ اس کی رہنمائی کرتے، خاندان کے ہر فرد سے واقف، دادا پردادا سے واقف، اور سلسلہ سے واقف، عجیب حافظہ ماشاء اللہ پایا تھا، یہی نہیں بلکہ ان کا ایک اور موضوع تھا جس کے وہ ماہر تھے اور وہ ہے ورثہ کا علم "سراجی" شاید انہیں ازبر تھی، حساب دانی ایسی کہ غلطی کا شائبہ بھی نہیں ہوسکتا، اخفا کا یہ عالم کہ کسی پر یہ ظاہر نہ ہوتا تھا کہ انہیں کچھ آتا بھی ہے، عملی انسان تھے، باہم ربط وضبط سے کچھ اندازہ لگ سکتا تھا، جس شخص نے حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ، مولانا احمد علیؒ، حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا الیاسؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ، شاہ وصی اللہ جیسے اتقیاء اور اولیاء کی صحبت اختیار کی ہو اور ان کی خدمت میں اکثر رہا ہو، اس کا پوچھنا ہی کیا۔ اور آخری دور میں جس نے مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی مدظلہ العالی کی صحبت اختیار کر کے ان کا مقرب رہا ہو تو اس کے بارے میں ہم سب آخر کیا کہیں گے۔ یہ تھے ہمارے محمد ثانی مرحوم۔" (۱)

صاحبزادی سیدہ امامہ حسنی مرحومہ

۲۹، ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ ۱۳ر نومبر ۱۹۴۷ء جمعرات کو پیدا ہوئیں، دادی صاحبہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ بنت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی اور ان کی بہن امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کے زیر شفقت تربیت پائی مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنی خالہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ کی تربیت میں دے دیا تھا انہوں نے ان کو اردو، عربی سکھائی، اور قرآن مجید اور حدیث پاک کی تعلیم دی اور ترجمہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف میں امام نووی کی ریاض

(۱) ماہنامہ رضوان مولانا محمد ثانی حسنی نمبر

الصالحین پڑھائی، ابتدائی اور بنیادی دینی تعلیم و تربیت کے تعلق سے خود لکھتی ہیں؛

''میری عمر چار پانچ برس کی رہی ہوگی جب انہوں نے (امۃ اللہ تسنیم مرحومہ) نے مجھے سارے کلمے اور مسنون دعائیں اور حضور ﷺ کے والد، دادا، ازواج مطہرات، صاحبزادیوں، صحابیوں کے نام اور تعداد سب حفظ کرادئے تھے۔''(۱)

تربیت کا انداز اس طرح بیان کرتی ہیں:

''عائشہ بی کا یہ نظریہ ہمیشہ رہا کہ لڑکیوں کو گھومنا نہیں چاہئے ان کی اجازت کے بغیر میں کہیں نہیں جاتی تھی، وہ فرماتی تھیں کہ دل مارنے کی عادت ڈالو جو جی چاہے وہ کر گزرو، یہ ٹھیک نہیں ہے، اگر تربیت کے لئے سمجھتی تھیں کہ یہ کام مضر ہے تو اجازت نہیں دیتی تھیں، دوسری طرف محبت غالب آجاتی تھی اس کا بدل یہ کرتی تھیں کہ کوئی بہت دلچسپ قصہ کہانی وغیرہ سنانے لگتیں اس وقت مجھے قصے سننے کا بڑا شوق تھا اس میں مجھے بہت مزہ آتا۔''(۲)

مزید لکھتی ہیں:

''میرے ساتھ ان کا تعلق ایسا رہا کہ جو ایک ماں کا اپنی اولاد سے ہوتا کوئی غلط بات دیکھتی تو فوراً تنبیہ کی۔ ہمیشہ اس کی فکر کی، کہ ساری مسنون دعائیں ہمیں یاد رہیں، اور باقاعدگی سے پڑھتی رہوں، حزب الاعظم کی دعاؤں کی بہت تعریف کرتی تھیں، نماز انہیں نے سکھائی اور نماز وقت سے پڑھنے کی بہت تاکید کرتی تھیں۔ سورہ ملک بہت تاکید سے یاد کروائی تھی کہ اسے روز پڑھا کرو یہ قبر کے عذاب سے نجات دلاتی ہے۔''(۳)

---

(۱) رضوان لکھنؤ، ۱۹۷۶ء۔ از مضمون عائشہ بی (۲) بحوالہ سابق

(۳) بحوالہ سابق تذکرہ امۃ اللہ تسنیم عائشہ بی۔ ص، ۲۷۷...

امۃ اللہ تسنیم حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کی خالہ تھیں اور ان کی اہلیہ کی پھوپھی تھیں اس کی طرح ان کی اولاد ایک حیثیت سے دادی دوسری حیثیت سے نانی تھیں، اور یہی رشتہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تھا، اور انہیں سے بیعت ہوئیں، جب ان کی شادی کا وقت آیا تو رشتہ کے انتخاب میں عقیدہ کی صحت و پاکیزگی اور خاندانی حیثیت (کفو) کا لحاظ دیکھا جو رشتہ کے نباہ میں سب سے زیادہ معاون ہوتا ہے، اور اپنی اولاد کو دین اور دین کی تعلیم کے راستہ پر ڈالا اور ان کے ایمان وعقیدہ اور عمل صالح کی فکر کی۔

سیدہ امامہ حسنی کا انتقال، ۱۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ کو شب دوشنبہ لکھنؤ میں ہوا اور تدفین آبائی قبرستان تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں ہوئی۔ نماز جنازہ ان کے چچا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے پڑھائی اور تینوں صاحبزادگان نے قبر میں اتارنے کی سعادت حاصل کی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

اور ان کے شوہر سید حسن حسنی (پسر سید محمد مسلم حسنی مرحوم ونواسہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی) کا انتقال ۲ر جنوری ۲۰۱۳ء کو لکھنؤ میں ہوا، اور رائے بریلی میں آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

صاحبزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی دام ظلہ،

مولانا محمد ثانی حسنی کے ایک صاحبزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ہوئے جو اپنی بہن مرحومہ سے تین سال چھوٹے ہیں، ان کی پیدائش، ۱۵ر دسمبر، ۱۹۵۰ء ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت وفضیلت فی الشریعہ کیا، پھر ۱۹۶۹-۱۹۷۰ء سے مکتبہ اسلام لکھنؤ اور ماہنامہ رضوان میں اپنے والد مولانا محمد ثانی حسنی کی معاونت کرنے لگے، اور مولانا محمد ثانی حسنی اس کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کرتے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ سے بیعت کا تعلق قائم کیا، اور ان کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے تجدید بیعت کی،

ربیع الاول ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ حضرت صوفی انعام اللہ لکھنوی اپنی وفات سے دو یا تین دن پہلے انہیں اجازت بیعت سے سرفراز کیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو معلوم ہوا تو فرمایا اس پر اللہ کا شکر ادا کرو وہ ہمارے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے خلیفہ ومجاز ہیں، اور اس پر مختصر رقعہ تہنیت بھی تحریر فرمایا۔ اس سال وہ ندوۃ العلماء کے دفتر نظامت کے نگراں اور جنوری ۲۰۰۰ء میں ناظر عام ندوۃ العلماء اور اس کے، ۱۷سال بعد مجلس نظامت نے انہیں نائب ناظم ندوۃ العلماء بھی مقرر کیا، کئی سال سے ندوۃ العلماء کا اردو ترجمان ''تعمیر حیات'' ان کی نگرانی میں نکل رہا ہے۔

احفاد واسباط:

مولانا سید محمد حمزہ حسنی کا نکاح مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے محبوب بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی کی بڑی صاحبزادی سیدہ میمونہ حسنی دام ظلہا سے کیا جو، ۴/ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ/ ۲۹، اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جمعہ کو بعد عصر منعقد ہوا تھا، مولانا محمد ثانی حسنی نے انہیں اپنی صاحبزادی سیدہ امامہ حسنی کے ساتھ ماہنامہ رضوان کے معاون مدیر سیدہ امۃ اللہ تسنیم کی وفات کے بعد بنایا تھا کہ یہ بھی ان کی تربیت یافتہ ہیں، اس عقد کا تفصیلی تذکرہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنی کتاب (تذکراتی ۳/ ۱۴۸۔۱۵۱، میں کیا ہے) مولوی سید رشید احمد حسنی ندوی استاد مدرسہ مظہرالاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ (ولادت، ۲۵/ جنوری ۱۹۸۶ء/ ۱۴۰۶ھ)۔ بڑے صاحبزادے ہیں، ان کا نکاح ڈاکٹر سید احمد حسنی ندوی کی صاحبزادی سیدہ ملیحہ سے ہوا۔ مولوی حافظ سعید احمد ندوی (۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء) دوسرے صاحبزادے ہیں۔

نواسوں اور نواسیوں کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ سید محمود حسن حسنی ندوی (مصنف کتاب ہذا) ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء۔

۲۔ سید مسعود حسن حسنی ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء ورفیق المعہد العالی

للافتاء والقضاۃ، ولادت ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)

۳۔ سید منصور حسن حسنی ندوی (۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) استاذ تفسیر مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ۔

۴۔ سیدہ عائشہ بتول (۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء) اہلیہ مولوی عبد الباری فاروقی پسر حضرت.. عبد العلیم فاروقی

۵۔ سیدہ شامہ حسنی (حافظ قرآن) ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰، اہلیہ مولوی سید محمد زبیر حسینی ندوی پسر سید ابو طاہر حسینی۔

۱۔ محمود حسن حسنی (شیماء حسینی بنت سید محمد عاصم حسینی ہنسوی) کی ایک بیٹی حمیراء زوجہ مولوی سید محمد یونس ندوی بن مولانا سید سلمان حسینی ندوی اور ان کا ایک بیٹا سید محمد عمر اور ایک بیٹی سلمہا ہے۔

۲۔ مفتی سید مسعود حسنی حسنی (جویریہ حسینی بنت سید حسین حسنی مرحوم) کی تین بیٹیاں امامہ، لبابہ، حمنہ اوایک بیٹا سید عبد اللہ حسنی سلمہ ہے۔

۳۔ سید منصور حسن حسنی (طیبہ حسنی بنت مولانا سید جعفر مسعود حسنی) کا ایک بچہ یحییٰ تھا پیدائش کے بعد دو دن تک رہا۔

۴۔ عائشہ بتول (مولانا عبد الباری فارو پسر مولانا عبد العلیم فاروقی) کے حافظ ابو الحسن علی فاروقی اور سودہ فاروقی ہیں۔

۵۔ شامہ حسنی (مولوی سید محمد زبیر حسینی ندوی بن سید محمد طاہر حسینی ہنسوی) کے دو بیٹے سید حسنین، سید محمد ثانی ہیں دونوں حفظ قرآن کریم کر رہے ہیں۔

مولانا کے بھائیوں کی اولاد اس طرح ہے:

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی۔

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کو بڑی صاحبزادی سیدہ میمونہ حسنی منسوب ہیں، جن کی اولاد کا تذکرہ گذر چکا، دوسری صاحبزادی سیدہ آمنہ مولانا سید عبد اللہ حسنی مرحوم

فرزند مولانا سید محمد الحسنیؒ کو منسوب ہیں، جن کے ایک صاحبزادہ سید محمد الحسنی (پیدائش ۱۴/اکتوبر ۱۹۹۸ء) ہیں۔

اور مولانا سید واضح حسنی ندوی کے صاحبزادے مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی کو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تیسری صاحبزادی سیدہ ہاجرہ حسنی کے صاحبزادگان سید خلیل احمد حسنی ندوی (بشریٰ بنت مولانا عمار حسنی بن مولانا محمد الحسنی) (۱۴۰۸ھ-۱۹۸۷ء/ ہالہ) حافظ سید محمد امین حسنی ندوی (صالحہ بنت ڈاکٹر سید احمد الحسنی ندوی) (۱۴۱۰ھ-۱۹۸۹ء/شفا، سید حسن) سید عبد الحی حسنی ندوی (۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵ء) اور سیدہ طیبہ (اہلیہ سید منصور حسن حسنی ندوی) ہیں۔

ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کی اولاد کا مفصل تذکرہ ''فرشتہ صفت انسان'' از؛ مولانا عبد الباری ندوی، تحقیق و تعلیق از؛ راقم سطور، مطبوعہ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ اور سوانح مولانا محمد الحسنی، از؛ مولانا محمد ثانی حسنی مطبوعہ سید احمد شہیدؒ اکیڈمی اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی عبقری شخصیت، مصنفہ؛ ڈاکٹر رفعت سلطان بھوپال، میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے،

اولاد کے لیے منظوم نصیحتیں

مولانا محمد ثانی مرحوم نے مختلف لوگوں کی اولاد کے لیے دعائیں، نظمیں کہیں اور اس میں زندگی کا راہ عمل دیا، اپنی بھتیجیوں، بھتیجوں کے لیے نواسی نواسوں کے لیے الگ الگ کہیں، مگر ہم یہاں اس کے دو نمونے پیش کریں گے، ایک صاحبزادی کے نام ہے جو ان کی رخصتی کے موقع پر کہی تھی، اور ایک صاحبزادہ گرامی مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی مدظلہ (حال ناظر عام ندوۃ العلماء) کی طرف سے مناجات کے طور پر ہے۔

راحت جان و دل میری نور نظر

۱۳۸۹ھ-۱۹۷۰ء میں عقد مسنون کی مناسبت سے کیا گیا خطاب؛

اے اُمامہ مری لختِ قلب و جگر — راحت جان و دل میری نور نظر
خوش نصیبی سدا لے تمہارے قدم — تم پہ ہر دم خدا کا ہو فضل و کرم
ہر نفس خوش رہو اپنی سسرال میں — دے خدا برکتیں صحت و مال میں
تم بنو اس نئے گھر میں انجم نگر — تم بنو مطلع نجم و شمس و قمر
تم سے اس گھر میں باد بہاری چلے — نکہتیں لے کے گل کی سواری چلے
گھر تمہارے قدم سے ہو جنت نشاں — ہر نظر سے تمہاری ہو برکت عیاں
ہر زباں پر تمہاری ہی توصیف ہو — جو کرو کام تم اس کی تعریف ہو
ہر نفس اپنے شوہر کی دمساز ہو — ہمدم و ہم جلیس اور ہمراز ہو
ان کو اپنے ہنر سے تونگر کرو — ہم نشینوں میں ان کو مؤقر کرو
گھر بساؤ نیا عقل و تدبیر سے — دل لگاؤ سدا اس کی تعمیر سے
شرم و غیرت کا دامن نہ چھوڑو کبھی — تم کسی حال پردہ نہ توڑو کبھی
پست رکھو سدا اپنی آواز کو — مت کرو ظاہر اپنے کسی راز کو
تم ہمیشہ رہو پاکیزہ قلب و نظر — پاک رکھو زباں اپنی شام و سحر
اپنے عیبوں پہ رکھو ہمیشہ نظر — تم سے اوروں کو پہونچے نہ کوئی ضرر
کام لیتی رہو صلح جوئی سے تم — دور بھاگو سدا عیب جوئی سے تم
تم کسی کے کہے میں نہ آؤ کبھی — لب پہ حرف شکایت نہ لاؤ کبھی
دامن اپنا بچاؤ خرافات سے — تم کنارہ کرو ہر بری بات سے
تم شب و روز اللہ کا نام لو — تم سدا عقل و تدبیر سے کام لو
دل لگا کر خدا کی عبادت کرو — روز قرآن کی تم تلاوت کرو
نند و ساس و سسر سب کی عزت کرو — ہو سکے ان کی خدمت تو خدمت کرو
اپنے سارے عزیزوں کا رکھو خیال — ہو کسی کو نہ تم سے کبھی کچھ ملال

جو ملے تم کو اس پر قناعت کرو — کم سے کم پر ہمیشہ کفایت کرو
بغض و کینہ کو دل میں نہ لاؤ کبھی — تم کسی دم نہ غصہ میں آؤ کبھی
جو کرو کام اس کام کو سوچ لو — اس کے آغاز و انجام کو سوچ لو
تم رہو اور حسنؔ مل کے باہم دگر — جیسے ہو جاتے ہیں مل کے شیر و شکر
ایک کو دوسرے سے محبت ملے — بات سے بول سے دل کو راحت ملے
بخشے اللہ دونوں کو وہ زندگی — جس میں ہر ہر نفس پر ہو فرخندگی
تم رہو شادماں اور شاداں حسن — خوب مہکے تمہارے دلوں کا چمن
ہے خدا سے دعا نیک اولاد ہو — ایسی اولاد ہو جس سے دل شاد ہو
حسن صورت ملے حسن سیرت ملے — علم دیں کی ہو حاصل، بصیرت ملے
عمر بھر تندرست و سلامت رہیں — وہ سلامت رہیں با کرامت رہیں
گھر تمہارے سدا باد رحمت چلے — لے کے ہر ہر نفس خیر و برکت چلے
شاخ در شاخ گلشن کی شاداب ہو — ذرہ ذرہ چمن کا در ناب ہو

یارب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر(۱)

رحمت کی نظر مجھ پر اے مالک و داتا کر
رحمت کے ترے صدقے بس باب کرم وا کر
صدقے میں خدا یا تو سرکار دوعالمؐ کے
محروم تمنا کی اب زندہ تمنا کر
میں عاجز و ناکارہ آیا ہوں ترے در پر

(۱) مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے لیے ایک دوسری نظم بھی ان کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے پر کہی تھی جس میں ان کی اہلیہ سیدہ میمونہ حسنی بنت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو بھی شریک کیا تھا، وہ دعائیہ نظم بھی ایک نصیحت نامہ سے کم نہیں ہے، وہ بھی ایک راہ عمل دیتی ہے۔

تو رحم و کرم فرما عاجز پہ ترس کھا کر
حمزہ ہے ترا بندہ محتاج ترے در کا
تو اس پہ کرم اپنا اے مالک و مولا کر
یا رب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر
عرفان محبت دے مالک اسے اپنا کر
تو عمر میں برکت دے ایمان کی دولت دے
دے صدق و صفا اس کو اور علم میں یکتا کر
آلائش دنیا سے اس کا تو بچا دامن
تو لعل و گُہر فرما، تو لُو لِو لا لا کر
ہے عام تری بخشش مشہور کرم تیرا
ظلمت سے بچاتا ہے تو نور کو برسا کر
یا رب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر
عرفان محبت دے مالک اُسے اپنا کر
بوبکرؓ و عمرؓ کا سا تو صاحب ایماں کر
عثمانؓ و علیؓ جیسا تو عاقل و دانا کر
تو ذہن مجلّا کر تو قلب مصفّا کر
تو پاک زباں فرما، تو جسم مزکیٰ کر
صحت بھی عطا فرما، عزت بھی عطا فرما
کر نیک عمل اس کا اخلاق میں اعلا کر
یا رب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر
عرفان محبت دے مالک اُسے اپنا کر

نمرود کی دنیا میں دے اس کو براہیمی
فرعون کی دنیا میں یا رب اُسے موسیٰ کر
اسلام کا خادم کر پابند شریعت کر
گمراہ نہ کر یا رب تو راستہ دکھلا کر
دے ضربِ کلیم اس کو دے عشقِ خلیل اس کو
سرکار دوعالم کا تو نقشِ کفِ پا کر
یا رب دل حمزہ کو ایمان و یقیں سے بھر
عرفان محبت دے مالک اُسے اپنا کر
میں لے کے شکستہ دل آیا ہوں ترے در پر
کر دیر نہ یا رب تو دے مجھ کو نہ تڑپا کر
تو ہی نہ سنے گا جب فریاد و فغاں میری
تو کس کو سناؤں میں روداد الم جا کر
حمزہ ہے میرا لڑکا میرا ہے جگر گوشہ
تو اسے ہر نفس رطب اللساں اپنا کر
یا رب دل حمزہ کو ایمان و یقین سے بھر
عرفان محبت دے مالک اُسے اپنا کر

پانچواں باب

مشائخ عصر اور مصلح ومجدد شخصیات کی شفقت وتوجہ، بیعت وسلوک اور ربانیت صادقہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت بابرکت میں:

مولانا سید محمد ثانی حسنی ۱۹۴۲ء میں سہارنپور حضر مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے اس موقع پر ت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور وہاں علمی وروحانی اکتساب فیض کے لیے سال بھر کا قیام کیا، یہ وہ زمانہ تھا جب حکیم الامت مجدالملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا سانحہ ارتحال پیش آ چکا تھا، البتہ حضرت حکیم الامت اس سے قبل لکھنو دو بار تشریف لائے اور یہ دونوں بار تشریف آوری بغرض علاج تھی لیکن وہ آئے تھے اپنے جسمانی علاج کے لیے مگر کتنے خوش نصیبوں کا روحانی علاج کر کے گئے، مولانا محمد ثانی حسنی کی عمر گرچہ کم تھی لیکن ان کی بخت آوری تھی کہ انہوں نے اپنے ماموؤں حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنی اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی صاحب ندوی کے ساتھ حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضری دینے کی سعادت حاصل کی اور پھر جب حضرت تھانوی حضر تبھی وہ موجود تھے، خود مولانا محمد ثانی حسنی نے اس کی روداد قلمبند کی ہے جو اس طرح ہے۔

"دو ستمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھنو بغرض علاج تشریف لائے، اور مولوی گنج میں مولانا محمد حسن صاحب کے مکان میں قیام کیا، مولانا کے قیام کی وجہ سے ہندوستان بھر کے علماء و مشائخ حاضر خدمت ہوئے، بعد ظہر مکان پر خواص کی مجلس ہوتی اور بعد عصر مسجد خواص میں عام مجلس منعقد ہوئی، خواص کی مجلس میں ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب اور ان کے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی صاحب بھی شرکت کیا کرتے تھے، خدا کے فضل و کرم سے انہیں مجالس میں سے ایک مجلس میں ان ہر دو بزرگوں کے ساتھ راقم الحروف کو بھی شرکت کی سعادت ملی۔ راقم الحروف کی عمر اس وقت ۱۳ سال کی تھی، اتنا یاد ہے کہ جب ہم لوگ بھیڑی منڈی مولوی گنج پہنچے تو زائرین کی بڑی تعداد سڑک پر اور سڑک کے کنارے کھڑی تھی اور اندر جانے کی اجازت کی منتظر، ڈاکٹر صاحب نے اطلاع کرائی دروازہ پر مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کھڑے تھے، انہوں نے حضرت تھانوی کے پوچھنے پر پوچھا آپ کے ساتھ کون کون ہے جواب دیا میرے بھائی ابوالحسن علی اور میرے بھانجہ محمد ثانی حسنی، اندر سے اجازت ملی، ہم لوگ داخل ہوئے اس وقت حضرت خطوط سن رہے تھے اور جوابات لکھوا رہے تھے۔

۱۵ ستمبر ۱۹۳۸ء مطابق ۱۹؍ رجب ۱۳۵۷ھ کو خواص کی مجلس میں حضرت مولانا نے ڈاکٹر صاحب سے از خود فرمایا: ڈاکٹر صاحب میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کے گھر آؤں، انشاء اللہ آج ہی بعد مغرب آؤں گا، پھر حسب ارشاد خواص کی مسجد میں بعد عصر مجلس کر کے اور نماز مغرب پڑھ کر پاپیادہ گوئن روڈ تشریف لے چلے، لوگ سن سن کر پیچھے پیچھے چلنے لگے، حضرت مولانا، ڈاکٹر صاحب کے مطب میں کچھ دیر بیٹھے، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بصد شوق و ذوق اپنے بھتیجے محمد میاں کو جن کی عمر تین سال کی تھی گود میں کوٹھے سے لائے، حضرت تھانوی نے محمد میاں کو اپنی آغوش میں لیا، سر پر ہاتھ پھیرا، دعائیں دیں، مطب اور مطب کے سامنے شائقین، عوام، خواص کا اچھا خاصہ اجتماع ہو گیا تھا، تھوڑی دیر بعد یہ نورانی مجلس ختم ہوئی اور حضرت اپنی قیام گاہ کو

تشریف لے گئے، حضرت تھانوی کی تشریف آوری سے اس گھر کو جو شرف اور اس کی وجہ سے اہل خانہ کو جو کیف و سرور حاصل ہوا تھا وہ مدتوں باقی رہا اور آج بھی اس کی لذت اور نورانیت باقی ہے۔

۱۹۴۱ء میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دوبارہ لکھنو تشریف لائے اور تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا، تو کسی تاریخ کو بعد ظہر خواص کی مسجد میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، محمد میاں (مولانا سید محمد الحسنی فرزند مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی) کو لے گئے، حضرت کے پاس بلایا اور بسم اللہ کرائی۔ محمد میاں کے ساتھ حضرت تھانوی کے ایک مسترشد مولوی عبداللہ صاحب کشمیری کے لڑکے عبیدالرحمٰن بھی تھے، ان دونوں نے پڑھا، محمد میاں نے آہستہ آواز میں پڑھا اور عبیدالرحمٰن نے بلند آواز میں، حضرت تھانوی نے محمد میاں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ بچہ نقشبندی ہوگا اور عبیدالرحمٰن کو فرمایا کہ یہ چشتی ہوگا، بسم اللہ کی یہ مجلس بڑی بارونق اور نورانی تھی، بڑے علماء و فضلاء اور اہل اللہ موجود تھے۔(۱)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ساتھ ایک مبارک سفر

مولانا سید محمد ثانی حسنی نہ صرف حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے سفر لکھنؤ و کانپور و رائے بریلی (۱۳۶۲ھ-۱۹۴۳ء) میں ساتھ رہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کے قیام اور سفر میں ان کی شفقت و محبت کے اسیر بھی ہوئے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی رقم طراز ہیں:

> "رجب ۱۳۶۲ھ کی کوئی تاریخ تھی اور جمعہ کا مبارک دن تھا لکھنو میں قبر ماموں بھانجہ کی وسیع مسجد میں ایک تبلیغی اجتماع تھا جس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی تقریر تھی یہ زمانہ وہ تھا جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ایک ہفتہ سے

(۱) تعمیر حیات محمد الحسنی نمبر ص ۱۸۳، ۱۸۴

دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں مقیم تھے اور آپ کے ہمراہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور، دہلی کے مشہور بزرگ حافظ فخر الدین، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی، مولانا عبد الحق مدنی اور مولانا زبیر احمد صاحب اور تقریبا ۳۰،۴۰ افراد دہلی کے تجار جو حضرت مولانا الیاسؒ کے معتمد علیہ تھے اور آزمودہ کار تبلیغی کام کرنے والے میواتی تھے، حافظ مقبول احمد کی امارت میں دار العلوم ندوۃ العلماء کی وسیع اور کشادہ مسجد میں ہمہ وقت ذکر و تعلیم اور شام کو لکھنؤ کے مختلف محلوں میں گشت اور اجتماع کرتے رہتے تھے، الغرض قبر ماموں بھانجہ کی مسجد میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، ہر شخص ہمہ تن اشتیاق بنا تھا۔ نماز جمعہ ہو چکی تھی مسجد کے وسیع درمیانی در میں جو صحن سے ملا ہوا تھا حضرت مولانا کی تقریر ہوئی، مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تعارفی تقریر بھی ہوئی، تقریروں کے بعد کانپور چلنے کی دعوت دی گئی جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ لوگ تقریر کو تو بہت اشتیاق سے سنتے ہیں لیکن جب عملی پروگرام سامنے آتا ہے اور وقت دینے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو سامعین اٹھنے لگتے ہیں یہاں بھی ایسا ہوا حضرت مولانا کھڑے ہوگئے اور لوگوں کو کانپور چلنے پر آمادہ کرنے لگے، حضرت کی بے کلی اور بے چینی حد سے بڑھی ہوئی تھی، سامنے ہی قریب مجمع میں میں بیٹھا ہوا تھا مولانا نے مجھ کو اٹھنے کا حکم دیا میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا، فرمایا خاموش کیوں بیٹھے ہو، آس پاس کے لوگوں کو چلنے پر آمادہ کرو، لوگ اس دعوت کے عادی نہ تھے،

دروازوں سے نکلنے لگے، حضرت مولانا بے تاب ہوگئے اور دروازے بند کردئے اور ادھر ادھر چلنے لگے جو سامنے ملتا اس کو کانپور چلنے کی دعوت دیتے۔"

اتفاق سے ایک معمر بزرگ جن کا نام حاجی ولی محمد تھا کھڑے تھے وہ ایک مسکین صورت اور غریب حال تھے، حضرت مولانا نے ان سے بھی فرمایا کانپور چلئے وہ اس سے پہلے پوری طرح کام میں نہیں لگے تھے کہنے لگے مولانا میں بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوں، چلنے پھرنے سے قاصر ہوں اور تکلیف سے مر رہا ہوں، حضرت مولانا نے ایک عجیب انداز اور پرسوز لہجہ میں فرمایا "مرنا ہے تو خدا کی راہ میں مرو" یہ جملہ حاجی صاحب کے دل میں تیر کی طرح لگا، اور خدا کی راہ میں مرنے کو تیار ہوگئے اور کفن بردوش جماعت کے ساتھ ہولئے، لکھنو سے تقریبا دس بارہ حضرات تیار ہوگئے، دوسرے دن سنیچر کو کسی گاڑی سے جماعت روانہ ہوئی، یہ جماعت کیا تھی ایک کاروان یقین تھا جو پہلی بار صرف اس لیے باہر جارہا تھا کہ خدا کا نام بلند ہو، اس کو نہ تو کانپور سے سودا لینا تھا نہ خرید وفروخت کرنی تھی، نہ عزیز واقارب سے ملنا تھا، اس جماعت میں تاجر بھی تھے، جو اپنی دکانیں بند کرکے جارہے تھے، ملازم بھی تھے، جو چھٹیاں لے کر جارہے تھے، علماء بھی تھے، جو درس وتدریس دو دن کے لیے ملتوی کرکے جارہے تھے، ان پڑھ بھی تھے (جو حضرت مولانا کی پر اثر اور دردوسوز میں ڈوبی زبان سے یہ سن کر کہ اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا کی ہر نعمت سے بڑھ کر ہے) گھر بار اور آرام وراحت کو چھوڑ کر

ساتھ ہو لیے تھے۔

اس مبارک سفر کی لذت بیان نہیں کی جا سکتی، مجھ کو جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ میرا پہلا تبلیغی سفر تھا، مخلصین ومحبین کا ساتھ، جو ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے اور سراپا ایثار وقربانی تھے اور سب سے بڑھ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ یہ سفر ہو رہا تھا یہ نعمت اپنی جگہ ایسی تھی کہ بعد میں آنے والے حضرات اس کی قدر وقیمت سمجھ سکتے ہیں اور اب جو لاکھوں روپئے اور حکومت تک قربان کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتی میں اپنی خوبی قسمت پر جتنا بھی نازاں ہوں کم ہے۔

غرض کہ محبت الٰہی اور اور عشق خداوندی سے سرشار یہ قافلہ کانپور پہنچا اور فیض عام کالج میں اسکا قیام ہوا۔ جس کمرہ میں جماعت کا قیام تھا وہ کوٹھے پر تھا۔ تقریبا ۲۰، ۲۵ زینے فاصلہ طے کرنے کے لیے درمیان میں پڑتے تھے اور بالکل سیدھے اور کھڑے ہوئے، جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے اس جماعت کے امیر میوات کے ایک بزرگ میاں عبدالرحمٰن تھے جو لوگ جماعتوں میں نکل چکے ہیں وہ اس راہ کے سفر کی لذت کو خوب جانتے ہیں جماعت کے سارے ارکان کام میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں ان میں نہ کوئی چھوٹا ہوتا تھا نہ بڑا اپنے کھانے کا انتظام خود کرتے ہیں، یہ جماعت بھی اپنے کاموں میں مشغول ہوگئی، وہی ذکر وتعلیم، باہمی خدمت اور گشت واجتماع، کانپور میں دو دن کا قیام رہا۔

حاجی ولی محمد جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اور جن کو بواسیر کی

اتنی زیادہ شکایت تھی کہ ایک زینہ چڑھنا مشکل تھا اب ۲۰/۲۵ زینے والی سیڑی پر صبح وشام چڑھ اور اتر رہے تھے، میں نے پوچھا حاجی صاحب کیا حال ہے، ہنس کر فرمایا ثانی صاحب کیا بتائیں کہ مولانا کی زبان تھی کہ جادو کی پڑیا، تکلیف گویا کہ اڑن چھو ہوگئی میں اپنا حال کیا بتاؤں، لکھنو میں جب بھی کسی زینے پر چڑھنا ہوتا تھا تو جان نکل جاتی تھی اور بے حال ہو جاتا تھا، میں نے حضرت مولانا کے اصرار پر نام لکھا دیا اور خدا کے نام پر نکل پڑا مگر یہ سوچتا رہتا تھا کہ کہیں جماعت پر بار نہ بن جاؤں لیکن خدا نے ایسی شفادی کہ اب ایک بار نہیں کئی کئی بار ایک زینہ نہیں ۲۰/۲۵ زینے چڑھتا ہوں اور اترتا ہوں اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا یہ مولانا کی کرامت ہے یا خدا کے دین کی برکت ہے، حاجی صاحب اپنی کمزوری اور طبعاً نقاہت اور کہنہ سالی کے باوجود چاق وچوبند نظر آرہے تھے اور کہہ رہے تھے اس مبارک سفر نے اور حضرت مولانا کی دعا نے ایک نئی روح پھونک دی، اب میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندگی ہے یہی کام کروں گا اور پھر یہی ہوا، اس کام میں اپنی زندگی لگادی اور آخر دم تک یہی مبارک کام کرتے رہے اور اسی راہ میں وطن سے دور اپنی جان دی۔ اللہ تعالی حاجی صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے۔

کانپور کے دو روزہ قیام میں ایک دن مسلم حلیم کالج میں ایک خصوصی اجتماع ہوا اس اجتماع میں کالج کا اسٹاف اور طلبہ ہال میں جمع ہوئے، بلند جگہ پر کالج کے پرنسپل جناب عبدالشکور صاحب چند اساتذہ اور اسٹاف، حضرت مولانا محمد الیاس

صاحبؒ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ اور قریب ہی میرے برادر مکرم مولانا سید ابوبکر صاحب حسنی جو اس وقت مسلم حلیم کالج کے استاذ تھے، کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ چونکہ لکھنو اور کانپور کے سفر کے درمیان صرف ایک شب کے لیے مولانا سید ابوالحسن علی صاحب حسنی کے ہمراہ میرے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی تشریف لے گئے تھے اور وہاں حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے افراد کے سامنے ایک پر اثر تقریر فرمائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا ''دین کا کام اگر سادات نہیں کریں گے تو اس کو وہ ترقی نہ ہوگی جو ان کے کرنے سے ہوتی اور اگر سادات دین کا کام چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کریں گے تو ان کو وہ حقیقی چین نصیب نہ ہوگا جو اپنا فطری کام کرنے میں ہوتا ہے''۔

مولانا سید ابوبکر صاحب حسنی بھی اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے حضرت مولانا نے تعارف کے بعد ان کے کاندھوں پر یا سر پر اپنا مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ سید صاحب! یہ مبارک کام آپ حضرات کے کرنے کا ہے سادات ہی اس کے حقدار ہیں۔

اس اجتماع میں حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ کی تقریر ہوئی اور بڑی برجستہ اور شستہ تقریر فرمائی۔ ادھر سید صاحب علیہ الرحمۃ کی تقریر اپنے شباب پر تھی ادھر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی بے کلی اور بے تابی بھی اپنے عروج پر تھی وہ بار بار حضرت سید صاحب کو لقمہ دیتے اور اپنی بات کہہ دیتے حضرت سید صاحب فوراً خاموش ہو جاتے اور بڑے ادب سے

حضرت مولانا کے کلام کو سنتے اور دہرادیتے، ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ احساس ہو کہ جب ایک تقریر ہورہی ہو تو بیچ میں لقمہ دینا اور اپنی بات کہنا کہاں روا ہے، جو لوگ حضرت مولانا کی بے چینی، بے کلی اور سیمابی کیفیت کو جانتے ہیں وہ اس کا جواب خود معلوم کرسکتے ہیں، جس شخص کی بے تابی اور بیقراری کا حال یہ ہو۔

اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی
یاں عمر کٹ چکی ہے اسی اضطراب میں

وہ کیسے ایک حالت پر رہ سکتا ہے جب حضرت مولانا کا بیان ہوا تو مجمع آبدیدہ تھا حضرت مولانا کی زبان میں لکنت تھی اپنی بات سمجھا نہیں سکتے تھے، ایک نحیف الجثہ انسان، زبان لکنت زدہ الفاظ صاف نہیں لیکن ہر شخص ہمہ تن گوش تھا اور حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی ؒ کا حال سب سے جدا تھا سر جھکائے ہوئے تھے ہاتھوں میں رومال اور آنکھیں اشک بار تھیں، جسم پورا متحرک تھا بار بار آنسو پونچھتے تھے یہ کیفیت آخر کہاں تک رہی اس سفر کے بعد حضرت سید صاحب ؒ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے بہت زیادہ قریب ہوگئے اور بڑے اچھے الفاظ میں تذکرہ فرماتے۔

دوسرے دن بساطی بازار کی خوبصورت مسجد میں قیام ہوا۔ حضرت مولانا کا قیام بالائی حصہ کے ایک کشادہ کمرہ میں تھا ہمراہی میں بعض دوسرے علماء تھے باقی جماعت کا قیام نیچے ایک دالان میں تھا اس دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو یقیناً حضرت مولانا کے کشف وکرامات کا نتیجہ تھا، حضرت مولانا خال مکرم

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی وجہ سے مجھ پر شفقت فرماتے تھے، میں جماعت کے ساتھ ٹھہرا تھا دوپہر کا وقت تھا اس وقت نہ معلوم کیا بات تھی جواب یاد نہیں رہی امیر جماعت نے کھانے میں بجائے روٹی اور گوشت وغیرہ کے ہر فرد کو ایک ایک آم اور روٹی دی کہ مل کر سب لوگ کھاؤ، میں اس نئے کھانے کا بالکل عادی نہ تھا میں نے روکھا آم کھالیا اور ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ایک صاحب آئے اور مجھ کو دریافت کرتے کرتے مجھ تک پہنچے اور کہا کہ حضرت یاد کر رہے ہیں میں گھبرا کر اوپر پہنچا۔ مسکرا کر فرمایا تم میرے پاس آؤ شفقت سے پاس بٹھایا اور فرمایا لو کھاؤ اس وقت کانپور کے خواص جمع تھے۔ مفتی محمد سعید صاحب کانپوری بھی تھے ان کے علاوہ مجھ کو یاد نہیں کہ اور کون کون تھا؟

شام کو بعد عصر مسجد میں اجتماع ہوا اور مظاہر علوم کے مدرس مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی کی تقریر ہوئی (۱) حضرت مولانا قریب ہی بیٹھے تھے مولانا امیر احمد صاحب نے تقریر شروع کی ابھی چند ہی الفاظ کہے تھے کہ حضرت مولانا کھڑے ہوئے اور فرمایا مولوی امیر احمد ٹھہرو اور اپنی بات کہنے لگے پھر فرمایا اچھا اپنی بات کہو، مولانا امیر احمد صاحب تقریر کرنے لگے۔ ذرا دیر بعد پھر حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کھڑے ہوگئے اور روک کر اپنی بات کہنے لگے۔ کئی بار ایسا ہوا۔ آخر میں مسکرا کر بولے۔ اچھا میں اب نہ بولوں گا۔ تم ہی کہو۔

---

(۱) مولانا امیر احمد کاندھلوی مظاہر علوم کے بڑے اساتذہ میں تھے، حالات کے لیے ملاحظہ ہو: علماء مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی خدمات، تالیف مولانا سید محمد شاہد سہارن پوری۔

یہی بے کلی تھی حضرت مولانا کی جو ہر وقت رہتی تھی اور باوجود لکنت وعدم قدرت کے دیر تک لوگوں کی اکتاہٹ سے صرف نظر کر کے حضرت مولانا کو کھڑی کر دیتی تھی اور کسی پہلو قرار وسکون نصیب نہ ہوتا۔

اس دوروزہ قیام نے نہ معلوم کتنے دلوں کی دنیا بدل دی ہے کتنوں کو یقین بخشا اور ایمان سے لذت یاب کیا، حضرت مولانا کو آج دنیا سے گئے اکیس سال ہوگئے ہیں اس سفر کے بعد حضرت مولانا جلد ہی رخصت ہوگئے لیکن اس سفر کی لذت و تاثیر ابھی تک تازہ ہے۔(۱)

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (م ۱۹۵۷ء) سے تعلق وعقیدت

مولانا محمد ثانی حسنی نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں تو اس وقت سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے اپنے پورے خاندان کا والہانہ تعلق دیکھا۔ مولانا محمد ثانی حسنی کا سن پیدائش دسمبر ۱۹۲۵ء ہے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ۱۹۲۸ء سے ان کے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے مکان پر قیام فرمانے لگے تھے، جب حضرت مدنی تشریف لا۔ .تو گھر کے بچے ان کی خدمت میں پیش کئے جاتے اور جب وہی بچے بڑے ہوتے تو وہ اپنے شوق وذوق سے اور اپنی سعادت سمجھ کر ان کی خدمت انجام دیتے اور جب پڑھ لکھ کر اور بڑے ہوتے تو حضرت سے دینی وعلمی رہنمائی لیتے اور ملی مسائل میں ان کی آراء اور نظریات کو دیکھتے سمجھتے اور اس پورے گھر نے حضرت مدنی کو ہی اپنی محبوب اور قائد ومرشد شخصیت سمجھ رکھا تھا، حضرت مدنی ہر چھوٹے بڑے کام خاص کر نماز اور نماز کی سورتوں میں اور

(۱) یہ تین روزہ تبلیغی سفر نامہ ۱۹۶۵ء میں "تعمیر حیات" لکھنؤ میں شائع ہوا تھا پھر "یادگار شیخ" سہارنپور میں اور پھر مکرر اور سہ کرر تعمیر حیات میں شائع ہوا۔

معاملات وسلوک میں انفرادی، اجتماعی، دینی، سیاسی تمام کاموں میں رسول اللہ ﷺ کو اسوۂ حسنہ سمجھ کر نہ صرف خود عمل پیرا ہوتے بلکہ اپنے متعلقین اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے اور توقع کے خلاف دیکھتے تو ٹوک دیتے، اسی لیے اگر کوئی ان کی تعظیم کے لیے کھڑا ہوتا تو یہ بات انہیں بہت ناگوار ہوتی، کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناگوار ہوتی تھی، خدمت خلق میں بہت آگے رہتے، حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحب کا پورا خانوادہ ان کے بھائی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، ان کے فرزند مولانا سید محمد الحسنی، ان کے خواہرزادگان مولانا سید محمد ثانی حسنی، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، سبھی حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے گرویدہ اور ان کی اداؤں پر فریفتہ تھے، اسی لیے جب مولانا سید محمد ثانی حسنی کے دل میں اس بات کے تقاضے نے زور پکڑا کہ صحیح ایمانی واخلاقی زندگی گذارنے میں اپنی رہنمائی حاصل کرنے کے لیے کسی کامل شیخ کے دامن فیض سے باضابطہ وابستہ ہوا جائے اور اس کو اپنا امیر بنا کر اطاعت وانقیاد کے ساتھ زندگی گذاری جائے تو جو چند مشائخ ان کی نظر میں تھے ان میں ایک حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی بھی تھے لیکن استخارہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کا نام آیا اور انہی سے وہ بیعت ہوئے، خود حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور حضرت مدنی کی عظمت ان کے دل میں جاگزیں تھی۔

مولانا محمد ثانی حسنی نے مظاہر علوم اور ندوۃ العلماء سے تکمیل تعلیم اور دعوت وتبلیغ میں ضروری وقت گذارنے کے بعد کسب معاش کے لیے ایک دکان جنرل مرچنٹ کی کھولی تھی، حضرت مدنی نے دیکھا تو پسند نہ فرمایا اور کہا کہ دو کشتی پر سوار نہیں ہوا جاتا، پھر مولانا محمد ثانی حسنی نے کتابوں کی دکان کھولی کہ دکان کی دکان رہے گی اور اشاعت دین کا کام بھی اس سے ہوگا، ماشاء اللہ پھر اس مکتبہ نے جو مکتبہ اسلام کے نام سے

معروف ہے بڑی بڑی اہم کتابیں شائع کیں اور آج بھی ان کے صاحبزادے خال مکرم مولانا سید محمد حمزہ حسنی مدظلہ کی نگرانی میں شائع کر رہا ہے۔

مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے چند محسن مشائخ اور مربیوں کو ان کی وفات پر منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے ان میں ایک نام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کا بھی ہے؛

یاد آتا ہے مجھے رہ رہ کے وہ عہد کہن — ہند میں جب عام تھا رشد وہدایت کا چلن
کیا سہارنپور، دہلی، رائے پور و دیوبند — کاندھلہ، گنگوہ، منگلور اور کیا تھانہ بھون
رونق افروز ان سبھی خطوں میں تھے مردان حق — چپہ چپہ پر مہکتا تھا ولایت کا چمن
ہر بزرگ اپنی جگہ تھا آفتاب وماہتاب — ظلمتوں کو کر دیا تھا دور رہ کر ضوفگن
ان میں مولانا حسین احمد فرید عصر تھے — جن کو مالک نے دیا تھا مرد حق کا بانکپن
راحت قلب رشید احمد امام الاتقیاء — مسند آرائے جہان دل امیر انجمن
بےغرض، بیباک وحق گو خندہ رو، روشن جبیں — جانشین خاص شیخ الہند محمود حسن
صاحب جذب دروں وعشق ومستی درد وسوز — خوش مزاج وپاکباز، نیک خو، شیریں سخن
سرگروہ اہل دل اہل دیں اہل یقیں اہل نظر — صاحب صدق وصفا حلم وحیا خلق حسن
جن کے فیض تربیت سے سینکڑوں کامل بنے — جن کے دامن سے ہیں وابستہ ہزاروں مرد وزن
عمر بھر دیتے رہے درس حدیث مصطفیٰ — علم دیں کے ہر طرف جاری کئے گنگ وجمن
جن سے حاصل تھا ہزاروں کو تلمذ کا شرف — جابجا پھیلے ہوئے ہیں از مراکش تا ختن
سرور اہل طریقت خاصۂ خاصان حق — جامع دین وسیاست نازش ملک ووطن

در کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری (۱۹۶۲ء)

مولانا محمد ثانی حسنی کو اپنے عہد کے جن عالی مرتبت شیوخ ومربیان نفوس کی

توجہات وعنایت حاصل ہوئیں ان میں ایک اہم اور قابل ذکر نام عارف باللہ شیخ وقت حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کا بھی ہے۔حضرت مولانا محمدالیاس صاحب کاندھلوی (م۱۹۴۴ء) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی (م۱۹۵۷ء) اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی (م۱۹۸۲ء) کا حلقہ ارادت وتعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری صاحب کی خدمت میں حاضری کو ایسا نیک عمل سمجھتا تھا جو ان کے شیخ کے نزدیک سلوک طے کرنے میں بڑا معاون اور تقرب الی اللہ کا بڑا ذریعہ تھا اس لیے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی تبلیغی مشغولیات اور ہجوم سے وقت نکال کر رائے پور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کے پاس آتے اور نوافل پر ان کی صحبت کو ترجیح دیتے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب بھی اپنی درسی و تصنیفی مشغولیات میں سے وقت نکال کر پابندی سے ہر ہفتہ رائے پور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے متعلقین کو اس کی تاکید فرماتے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو ایک مکتوب میں لکھا کہ:

”وللّٰہی آگ لینے کے لیے رائے پور آیئے اور جلدی جلدی آیئے“۔(۱)

اسی طرح حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ رائے پور حاضر ہوتے اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کے پاس وقت گذارتے۔جب بہت بیمار تھے اور کچھ ہی دنوں کے بعد سانحۂ وفات بھی پیش آیا۔ان کو شدید تقاضا تھا کہ رائے پور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں۔

اسی طرح حضرت مولانا احمد علی لاہوری جب حاضر ہوتے تو بڑے مؤدب ہوکر خاموش حضرت کی خدمت میں بیٹھتے، جب حضرت لکھنؤ تشریف لائے اور ندوہ میں مقیم تھے تو امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی اہتمام سے خدمت میں حاضر ہوئے۔اسی طرح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی بھی آپ کا بہت لحاظ فرماتے اور جب ان سے مشائخ وقت کے نام دریافت کیے گئے تو سرفہرست نام انہی

(۱) سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کا آپ نے بتایا ان سب فضیلتوں کے باوجود حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اپنے ان سب علماء وشیوخ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی آپ کے ممتاز اور بڑے قابل اعتماد ولائق فخر خلفاء میں ایک تھے، اور آپ کی حضرت کے یہاں بڑی قدر ومنزلت تھی، آپ نے حضرت کا منشاء سمجھ کر بڑے اہم اور مبارک سفر ملتوی کر دیے اور حضرت نے آپ کے خاطر بعض بڑے اہم سفر کئے اور ان سفروں میں بڑی برکتیں ظاہر ہوئیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے خاطر تکیہ شاہ علم اللہ کا سفر بھی حضرت نے کیا اور اپنے ایک سفر میں جو ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا حضرت مولانا کو اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا۔ حضرت مولانا علی میاں کے خانوادے کے متعدد حضرات حضرت سے بیعت بھی ہوئے۔ مولانا سید محمد ثانی حسنی بیعت تو نہ ہوئے لیکن جن مشائخ سے ان کو بیعت ہونے کا تقاضہ تھا ان میں ایک نام حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کا بھی تھا۔ مولانا محمد ثانی حسنی کو تکیہ کے قیام میں اور پھر دوسرے مواقع پر خدمت کا موقع ملا اور حضرت کی ان پر خصوصی نظر وعنایت اور توجہ رہی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس بات کو اس طرح ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

''جب تک مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری حیات رہے وہ رائے پور بھی حاضری دیتے اور کئی کئی روز قیام کرتے، حضرت نہ صرف میرے تعلق اور نسبت کی بنا پر بلکہ ان کی صلاحیت وسلامت روی اور استعداد کی بنا پر ان پر خصوصی توجہ اور شفقت فرماتے تھے۔''(۱)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۹۶۲ء)

مولانا سید محمد ثانی حسنی نے جن علماء ومشائخ سے اکتساب فیض کیا ان میں ایک

---

(۱) پرانے چراغ: ۳/۳۵۶

اہم اور نمایاں نام حضرت احمد علی صاحب لاہوری کا بھی ہے، ان کی خدمت میں حاضری کا موقع لاہور میں قیام کے زمانہ میں ملا جب انہیں ان کے نہایت کرم فرما استاد ومعلم اور خاندانی بزرگ مولانا سید طلحہ ٹونکی ان کے مربی اور ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سے اجازت لے کر ان کی صلاحیتوں کے نکھارنے کے لیے اپنے ساتھ لاہور لے آئے تھے۔ مولانا طلحہ صاحب ہی کی تحریک وترغیب سے ان کو حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی اور انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کی توجہات حاصل کیں ان کے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس سلسلہ میں جو تحریر کیا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''لاہور کے قیام میں مولانا سید طلحہ صاحب کی وساطت سے بڑی بڑی شخصیتوں سے ملے جن میں سرفہرست خاص طور پر سر شیخ عبدالقادر صاحب کا ذکر کرتے تھے، حضرت مولانا احمد علی صاحب کی مجالس اور مواعظ سے بھی فیض یاب ہوئے اور لاہور سے جو اس وقت سب سے بڑا ثقافتی مرکز تھا انہوں نے علمی ادبی فائدہ اٹھایا''۔(۱)

مولانا سید محمد ثانی حسنی نے اشعار میں جس تعلق کا اظہار کیا ہے وہ ملاحظہ ہو؛

میں نے دیکھا ہے خدا کا ایک ایسا بھی ولی — جس کے دم سے خیر و برکت کی ہوا گھر گھر چلی
رشد و عرفاں کی چلی بادِ بہارِ جانفزا — ڈالی ڈالی گلشن اسلام کی پھولی پھلی
اس ولی کی زندگی تھی پاک سے پاکیزہ تر — زندگی وہ نور کے سانچہ میں ہو جیسے ڈھلی
اس کی صحبت میں ہر اک کو یاد آتا تھا خدا — اک نظر میں دور، ہو جاتی تھی دل کی بے کلی
صاحبِ علم وفضیلت، زاہدِ شب زندہ دار — ہر عمل جس کا تھا پیارا ہر ادا جس کی بھلی
تھا جو قرآں کا مفسر، اور حکیمِ نکتہ داں — جس نے بتلایا ہر اک نکتہ خفی ہو یا جلی

(۱) پرانے چراغ: ۳/ ۳۴۸

مرد خود آگاہ وحق بیں با خدا مردِ غیور ۔۔۔ جس نے قصر سلطنت میں ڈالدی تھی کھلبلی
جس کے دم سے شرک وبدعت کا اندھیرا چھٹ گیا ۔۔۔ مشعل توحید وسنت ہر قدم ہر دم جلی
انجمن خدام دیں لاہور کا بانی تھا وہ ۔۔۔ تھا خدا کا برگزیدہ حق رسیدہ وہ ولی
وہ ولی کیا تھا ولی گر تھا ولایت کا امام ۔۔۔ جس سے مہکی تھی ولایت کے چمن کی ہر کلی
تذکرہ ہے جس کے اوصاف حمیدہ کا یہاں ۔۔۔ اس مبارک شخصیت کا نام ہے احمد علی

وہ امیر کاروانِ عشق ومستی دردوسوز
آفتاب رشد وعرفاں حضرتِ احمد علی

امام اہل سنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی (م ۱۹۶۲ء) سے تعلق اوران کی خدمت میں حاضری

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی ان مصلحین امت اور علماء کبار میں تھے جن کا وجود دین کی حفاظت کا ضامن ہوتا ہے، وہ صاحب دل بھی تھے اور صاحب علم وفضل بھی اوران کی دینی خدمات اصلاحی وتجدیدی تھیں، چونکہ ان کے خاندان کو حضرت مولانا سید عبدالسلام حسینی ہنسوی (۱۲۹۹ھ) سے بڑا علمی وروحانی فیض پہنچا تھا اس لیے ان سے خاندانی نسبت رکھنے والوں سے وہ بڑی شفقت ومحبت اور تعلق کا معاملہ رکھتے وہ اصلا کاکوری لکھنو کے رہنے والے تھے لیکن امروہہ اور بعض دوسرے مقامات دلی وغیرہ میں علمی مشاغل رکھنے کے بعد وہ لکھنو میں گہرے شیعی اثرات اور بدعات کے مقابلے کے لیے مستقل طور پر شہر میں مقیم ہو گئے اور اپنے خطابات مواعظ، تحریروں، ملاقاتوں مناظروں اور دوروں سے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تربیت واصلاح کا کام بھی صحبت ومجالس اور ہدایت وارشاد اور تلقین ذکر کے ذریعہ کرتے رہے، ان کے نفس گرم اور حرارت ایمانی سے اکتساب فیض کے لیے جو بڑے علماء ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا سید ابوالحسن علی

حسنی ندوی کے نام گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، مولانا محمد ثانی حسنی بھی وقت فارغ کر کے حاضر خدمت ہوتے اور شفقت ومحبت حاصل کرتے، مولانا کی صحبت اور ان کے فیوض وبرکات کا مولانا محمد ثانی حسنی پر جو اثر پڑا اس کو ان کی اس تحریر سے کسی درجہ میں سمجھا جاسکتا ہے جو ان کے صاحبزادے عالی شان اور جانشین مولانا عبدالسلام فاروقی کے سانحہ ارتحال سے متاثر ہو کر لکھی تھی جو اس طرح ہے:

''اب سے ۱۱ رسال پہلے لکھنو میں ایک بڑے اور عالی مرتبت بزرگ اور عالم مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا جس کی وجہ سے تمام اہل سنت حضرات کو بڑے حادثے سے دوچار ہونا پڑا تھا وہ حادثہ قومی اور ملی لحاظ سے اتنا بڑا اور سخت تھا کہ اس کا اندازہ انہیں حضرات کو ہوسکتا ہے جو ایک طرف دینی اور اسلامی جذبے سے محروم نہ ہوں اور دوسری طرف حضرت مولانا مرحوم سے ناواقف نہ ہوں وہ ایسا خلا تھا جو بظاہر پر نہ ہوسکا لیکن بہت حد تک ان کے صاحبزادے مولانا عبدالسلام فاروقی نے ان کی جانشینی کا حق ادا کر دیا تھا اور یہ کہنا مبالغہ سے خالی نہیں ہے کہ اپنے والد مرحوم کے بعد مسلسل تقریروں، دوروں اور مناظروں اور اہل باطل سے جم کر مقابلہ کرنے کی وجہ سے اپنا ایک ایسا مقام پیدا کر لیا تھا جو نہایت بلند اور محترم تھا، اور آخر عمر میں ان کی طرف رجوع عام ہو چکا تھا، خصوصا وہ حلقہ جو مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ کا گرویدہ تھا وہ اب ان کے فاضل اور صاحب علم صاحبزادے مولانا عبدالسلام صاحب پر اپنی جانیں چھڑکنے لگا تھا''۔(۱)

(۱) رضوان شمارہ ستمبر ۳۷ء

مولانا محمد ثانی حسنی نے کیسے بلیغ انداز میں مولانا عبدالسلام صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی کے کمالات ومحاسن اور فضائل ومناقب اوران کے مواعظ ومجالس کی اثر پذیری اور صحبت کی تاثیر ذکر کی ہے۔ یہ ان کے اس والہانہ تعلق کی بات ہے جو تعلق انہیں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی سے تھا، ان کی جو عظمت اور محبت مولانا محمد ثانی حسنی کے دل میں تھی اس کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوا۔ جب ان کے خال اکبر مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنی کا لکھنو میں سانحہ ارتحال پیش آیا، جنازہ تیار تھا، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب بھی تشریف لائے، مولانا محمد ثانی حسنی ان کے احترام میں اس وصیت پر عمل کرنے سے قاصر رہے جو مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی عدم موجودگی میں مولانا محمد ثانی حسنی کے لیے نماز پڑھانے کی کی تھی، چنانچہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی نے حضرت ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمۃ کی نماز جنازہ پڑھائی، مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی نبیرہ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ مولانا محمد ثانی حسنی کے امام اہل سنت سے اوران کے مشن سے تعلق کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی لکھتے ہیں:

> ''مولانا کو حضرت جدامجد امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی سے ایک خاص قسم کی عقیدت ومحبت تھی جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب کا انتقال ہوا، اگرچہ نماز جنازہ کے لیے مولانا محمد ثانی کو ڈاکٹر صاحب نے وصیت فرمائی تھی، مگر دادا صاحب کی موجودگی میں مولانا مرحوم نے انہی سے نماز جنازہ پڑھوئی اور خود نہیں پڑھائی''۔

اسی تعلق کو مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی ایک دوسری نسبت سے بھی بیان کرتے ہیں کہ

''سن ۱۹۷ء میں جب والد صاحب (مولانا عبدالسلام فاروقی) کا انتقال ہوا تو میری دلجوئی کی خاطر ضعیف بصارت کے شدید عذر کے باوجود برابر دارالمبلغین تشریف لاتے رہے اور تقریبا یہ سلسلہ ایک ہفتہ تک جاری رکھا۔''(۱)

حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی (م ۱۹۷۰ء) کی خدمت میں

مولانا سید محمد ثانی حسنی حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی سے اپنے استفادہ وزیارت کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:

سب سے پہلے میں نے شاہ صاحب کی زیارت ۱۹۵۹ء میں لکھنو میں کی ان کے ملفوظات سنے، ایمان پرور حکایات، یقین افروز صحبت نے دل ودماغ پر گہرے نقوش ڈالے، شاہ صاحب کی بے قرار طبیعت، بے چین دل، اضطراب وبے کلی نے ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا، رفتہ رفتہ شاہ صاحب کی خدمت میں ملک کے اہل علم، اہل دل، اہل دین وسیاست، اہل ثروت وجاہ پہنچنے لگے، ملفوظات وکلمات نے دلوں کو مسخر کرنا شروع کردیا اور چند ہی دنوں میں شاہ صاحب کی خانقاہ طالبین معرفت سے معمور ہونے لگی اور شاہ صاحب کی بے قرار طبیعت اور بیقرار ہوگئی، ایک سیمابی کیفیت پیدا ہوگئی اور جذب ومستی کا بازار گرم ہوگیا۔ آخری بار میں ان کی خدمت میں اب سے ایک ماہ پہلے حاضر ہوا اور تین دن ان کی مجلس میں شرکت کی، میں نے ان کی صحبت میں کیا دیکھا، کیا پایا، وہ بیان سے باہر ہے، درد ومحبت کی دولت لٹتی دیکھی، دوائے دل بٹتی دیکھی، دنیا ایک

---

(۱) رضوان مولانا محمد ثانی نمبر ص: ۱۵۳

حقیر چیز لگنے لگی، دل کو تسکین ملی، ایمان و یقین کی دولت ہاتھ آئی اور استغنا و خودی کی نعمت کی سرفرازی ملی، افسوس ہے کہ شاہ صاحب کو کم لوگوں نے جانا، مگر جس نے جانا اس نے اپنی منزل مقصود پائی، جس نے قدر کی وہ دولت ایمان سے سرفراز ہوا، جس نے کچھ خدمت کی وہ بزم یقین سے مست و سرشار اٹھا اور جب بھی اٹھا تو یہ کہتے ہوئے اٹھا۔

اٹھ کہ ثاقب گو چلا آیا ہوں اس کی بزم سے
دل کی تسکین کا مگر ساماں اسی محفل میں ہے (۱)

مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے یہ تاثرات حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب کی وفات کے بعد سپرد قلم کئے تھے، منظوم تاثرات بھی نظم کئے جوان کے دیوان ''میزاب رحمت'' میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں ان کی ایک مجلس بھی قلمبند کی، جوان کے خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی مرتبہ ''صحبتے با اہل دل'' میں آخری اور تیسویں مجلس کے طور پر شامل ہے۔

مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوری (م ۱۹۶۷ء) سے نیاز

مولانا سید ابوبکر حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے جن مشائخ کبار سے ان کے استفادہ کا ذکر کیا ہے ان میں ایک نام مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے وہ لکھتے ہیں:

''جس شخص نے حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوری، مولانا احمد علی (لاہوری)، حضرت تھانوی، حضرت مولانا الیاس، حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا)، شاہ وصی اللہ جیسے اتقیاء اور اولیاء کی صحبت اختیار کی ہو اور ان کی خدمت میں اکثر رہا ہو

---

(۱) ۱۰ رجون ۱۹۷۰ء) (اقتباس از مضمون بعنوان ایک مرد درویش

اس کا پوچھنا ہی کیا اور آخری دور میں جو مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھی کی صحبت اختیار کر کے ان کا مقرب رہا ہو تو اس کے بارے میں ہم سب آخر کیا کہیں گے۔''

خود مولانا محمد ثانی حسنی نے انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے اس تعلق کا اظہار کیا ہے وہ گویا ہیں ؎

جلوت وخلوت میں دیکھا ان کو میں نے بار ہا
میں نے پایا ان کو رہبر معرفت کی راہ کا

اور آخر شعر ہے:

ان کی برکت سے مجھے بھی جادہ منزل ملے
کیوں کہ میں بھی ہوں مسافر معرفت کی راہ کا

پورہ قصیدہ مولانا کا مجموعہ کلام ''میزاب رحمت'' میں ملاحظہ ہو۔

مظاہر العلوم سہارن پور کے زمانہ تعلیم میں مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے رفقاء تعلیم حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی اور حضرت مولانا سید محمد مرتضی بستوی کا ذکر کرتے ہوئے طریقت میں اپنی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے وابستگی اور مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی علیہ الرحمہ کی حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب سے اور مولانا سید محمد مرتضی صاحب کی حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری سے روحانی وتربیتی وابستگی ظاہر فرمائی تھی ان میں مولانا سید محمد مرتضی صاحب نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری کی وفات کے بعد باقاعدہ بیعت کا تعلق مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ فتح پوری سے ہی قائم کر لیا تھا اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی نے مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ کی خدمت میں جلدی جلدی حاضری دینے کا معمول اپنے شیخ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی منشا سے بنایا تھا وہ اس کے لیے بڑی مشقت اٹھاتے اور مجاہدہ

سے کام لیتے تھے، بڑے علماء کا حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہ کی طرف بڑا رجوع تھا، جیسے حضرت مولانا منظور نعمانی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا ابرارالحق حقی رحمہم اللہ اور انہیں حضرت کی توجہ بھی خوب حاصل تھی، اسی طرح تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی کی سرکردہ شخصیات اور مختلف الفکر ومختلف المزاج شخصیات بھی حاضر خدمت ہو کر اس چشمہ معرفت سے سیراب ہونے کی متمنی ہوتیں اور کوشش کرتیں، مولانا محمد ثانی حسنی ان خوش نصیب علماء میں تھے جنہیں ان کی شفقت ومحبت، تکریم واحترام کے ساتھ حاصل ہوئی۔

حضرت صوفی سید عبدالرب اناویؒ (م ۱۹۷۵ء)

حضرت صوفی عبدالرب علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۷۵ء) نے اپنی بیماری میں وفات کا احساس کر کے جو اپنے جنازے میں شرکت کرنے والوں کی جو تمنا کی تھی، ان میں جو چند نام لیے، ان میں ایک نام مولانا محمد ثانی حسنی کا بھی تھا، فرمایا۔

نعمانی و ثانی و علی اور لیاقت
اے کاش جنازے کو مرے آکے اٹھائیں

چند نام اور ذکر کے جذب حال میں یہ کہہ گئے ہیں ع

کافی ہیں یہ گیارہ کوئی میلہ نہ لگائیں(۱)

ان کی والدہ سیدہ امۃ العزیز ہمشیرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان کے تعلق سے حضرت صوفی صاحب کا ایک شعر ہے جو مخدومہ خیر النساء بہتر مرحومہ (۱۳۸۸ھ-۱۹۶۸ء) کے انتقال پر کہے گئے مرثیہ کا ایک شعر ہے:

بڑی سب سے عزیز پاک دل شاخ ثمرور ہیں
کہ واضح، ثانی ورابع انہیں کے لعل وگوہر ہیں (۲)

---

(۱) کلام صوفی: ۴۹۴، مطبوعہ: مجلس دعوۃ الحق کڈی اتر گجرات: ۱۹۷۸ء
(۲) کلام صوفی: ۴۷۸، مطبوعہ مجلس دعوۃ الحق کڈی گجرات: ۱۹۷۸ء

حضرت صوفی عبدالرب صاحب نے ان کے متعلق یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ مستجاب الدعوات ہیں۔(۱)

حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھی (م ۱۹۹۱ء) کی خدمت میں

بقیۃ السلف الکرام شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھی کی خدمت میں اپنے وقت کے بڑے مشائخ اصحاب درس وتصنیف علماء اور اصحاب دعوت واصلاح وتربیت کا حاضری کا معمول رہا، جن میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا ابرارالحق حقی رحمہم اللہ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی جن کا مشائخ عصر اور اہل قلوب کی خدمت میں حاضری اور ان کی صحبت کے انوار سے مستفید ہونے کا شروع سے مزاج تھا وہ کیسے پیچھے رہتے جب کہ ان کا وطن پھولپور (پرتا بگڈھ) رائے بریلی کا پڑوس ہے، مولانا محمد عظیم خان ندوی حال استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ''رضوان'' نمبر میں حضرت پرتا بگڑھی سے ان کی آخری ملاقات کی تفصیل لکھی ہے جو وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

رویائے صادقہ

رویائے صالحہ کہیں یا رویائے صادقہ حدیث نبوی میں نبوت کا ۴۶ واں حصہ اسے کہا گیا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کے واقعات میں رویائے صادقہ کا تذکرہ بھی کیا ہے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے صاف صاف بتانا اور پھر ان کی رائے لینا کہ ﴿إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ اس پر ان کے صاحبزادہ عالی شان کا جواب ﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور نبی برحق حضرت یعقوبؑ کا اپنے فرزند عالی شان

(۱) مضمون مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

حضرت یوسفؑ کا خواب سن کر یہ تاکید فرمانا کہ ﴿لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا﴾ اور حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ صحیح ہونا اور حضرت یوسف کا ابتلا سے گذرنا لیکن اسی ابتلا کے راستہ سے سیادت حاصل کرنا اور بھائیوں کا ان کے آگے سر تسلیم خم کرنا ان کے خواب کی حقانیت وصداقت کی روشن دلیل ہے اور قرآن پاک میں خوابوں کے تعلق سے اور بھی نظیریں ہیں اور خواب کی تعبیر بھی قرآن نے حضرت یوسفؑ کے زبان میں ذکر کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحیح خوابوں میں بہت سے راز پنہاں ہوتے ہیں، اس کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی آنحضور ﷺ کی رویائے صالحہ سے دلچسپی ظاہر ہوتی ہے کہ آنحضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے خوابوں کے تعلق سے استفسار فرماتے اور جب خود خواب دیکھتے تو ظاہر بھی فرمادیتے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ان کے ایک خواب کی بدولت تہجد کی ترغیب دی، اور حضرت عمرؓ کے خواب میں قمیص کے طویل ہونے اور خواب میں دودھ کے پینے کا علم ودین سے خصوصی مناسبت کی تعبیر ملتی ہے۔ اور خود اپنا خواب ذکر کر کے خواب کی تعبیر دی، نام کی مناسبت سے بھی تعبیر دی اس کی بھی مثال ملتی ہے کہ اور تعبیر لی بھی اور اس تعبیر پر اصلاح بھی فرمائی، کتب حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

خواب انسان کے اپنے ظاہری و باطنی حالات وکیفیات ماحول کے پس منظر، موسم کے فرق اور تغیر، حالات زمانہ کے اثرات سے اپنی معنویت اور تعبیر رکھتے ہیں، اور انسان کے اس کے اپنے حالات ومعاملات کے اعتبار سے اس کی تقویت کا سامان بھی بنتے ہیں، جس کو صاحب احوال ہی زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتا ہے، اچھے خواب یقیناً مبشرات کا کام دیتے ہیں، لیکن وہ خواب جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی اور وہ خیال و افکار ہوتے ہیں جنھیں خواب سمجھ لیا جاتا ہے، اور ان کا لوگوں کے سامنے اظہار اور اس کے ذریعہ لوگوں میں بڑائی حاصل کرنا اور ان کا چرچا یہ چیز رویائے صالحہ سے بھی تنفر پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے، اس لیے خود انسان کو اس کے اظہار اور چرچے سے گریز

کرنا چاہئے، یہاں صاحب سوانح سے متعلق اور خود ان کے دیکھے خوابوں کا ذکر صرف اس لیے کر دینا مناسب معلوم ہوا کہ وہ اپنی تعبیر کے ساتھ ظاہر ہوئے اور بشارت کا باعث بنے صاحب سوانح کی ولادت کے بعد ان کے پاؤں کے تلوے پر خواب میں ان کے نانا اور عظیم المرتبت بزرگ وربانی عالم وباکمال مصنف ومؤرخ مولانا عبدالحی حسنی کا ''مبارک قدم'' لکھنا، ان کے لیے ان علوم وفنون سے نہ صرف دلچسپی بلکہ ان کی افتادِ طبع سے بھی مناسبت اور عمر وسن میں بھی تقریباً مطابقت کا باعث بنا، جیسا کہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے لکھا ہے:

''اس بارے میں ان کو اپنے دادیہالی بزرگوں کے بجائے جنھوں نے طویل عمروں میں وفات پائی ان کو اپنے باکمال نامور نانا مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب سے مماثلت رہی جنھوں نے عیسوی حساب سے ۵۳ رسال کی عمر میں اور ہجری حساب سے ۵۵ رسال کی عمر میں وفات پائی لیکن اس عمر میں انھوں نے وہ کام کیا جو ایک آدمی نہیں اکیڈمی کرتی ہے''۔(۱)

خواب یہ تھا جیسا کہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے لکھا ہے کہ ان کی ولادت پر ان کی والدہ نے خواب میں میرے والد صاحب کو دیکھا جن کے انتقال کے تقریباً تین سال بعد یہ بچہ تولد ہوا تھا دیکھا کہ وہ بچہ کو گود میں لیے ہوئے تھیں والد صاحب نے اس کے ایک پاؤں کے تلوے پر ''مبارک قدم'' لکھ دیا، بچپن ہی سے رشد وصلاحیت اور غیر معمولی سنجیدگی اور متانت کے آثار نمایاں تھے اور ان کی وفات سے قبل صاحب سوانح کے ماموں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت فرمائی اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم افسردہ ہیں مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

---

(۱) پرانے چراغ ج۳/ ۳۵۹

حضرت مولانا نے وفات کے بعد فرمایا تھا کہ ہم اسی سفر میں جب مکہ مکرمہ میں تھے تو ہم نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی، دیکھا کہ آپ بہت غمگین ورنجیدہ ہیں، اسی وقت سے ہمارا دل پریشان تھا اور ڈر لگ رہا تھا کہ کوئی بات نہ پیش آجائے۔

خود صاحب سوانح کی ایک کاپی راقم الحروف کو ملی جس کا عنوان ہی رؤیائے صالحہ ہے، جو دوسروں کے علم میں نہیں تھے، لیکن تحدیث نعمت کے طور پر ان کو آپ نے قلمبند کر لیا تھا، جس میں ایک خواب ان کے بالکل بچپن کا ہے، اور دوسرا عنفوان شباب کا اور تیسرا تقریباً عمر کے آخری مرحلہ کا، یہ سب معنی خیز، تقویت کا باعث بننے والے اور برکات کا کھلا ذریعہ تھے، وہ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

''میرا بہت بچپن تھا میں نے خواب دیکھا کہ میرے گھر کے مردانہ میں میرے دادا مولوی سید خلیل الدین صاحب جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے بیعت تھے اپنے پلنگ پر لیٹے ہوئے ہیں اور بیمار ہیں انکے سرہانے حضور ﷺ تشریف فرما ہیں، اور دونوں خاموش ہیں، میں دونوں کو غور سے دیکھ رہا ہوں اور حضور ﷺ کی زیارت سے بہت خوش ہوں۔

دوسرا خواب جو انہوں نے لکھا ہے وہ تعلیم پوری کرنے کے بعد کا ہے جو اس طرح ہے:

''میں مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی بزرگ سے بیعت ہو جاؤں اور اس نیت سے رائے پور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خدمت میں، دیوبند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کی خدمت میں، دہلی حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا، کہ

خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک مجمع ہے، مجھ کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا پرچہ انکے پاس ہے اور یہ ارشاد فرماتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کی طرف اشارہ فرمایا، اور پھر بعد میں میں ان سے بیعت ہوگیا "فللہ الحمد"۔

تیسرا قابل ذکر خواب مسجد شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں جمعہ کا دن گذرنے کے بعد مغرب کی نماز کے متصلاً بعد مجلس ذکر کے انعقاد کا ہے جو ان کی آخری عمر کا ہے، اور اس میں ایک دوسرا مبارک خواب ان کے ماموں اور مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا بھی جڑا ہوا ہے، اور ان دونوں میں آپ کے لیے بڑی بشارت ہے، خود مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے الفاظ میں یہ دونوں مبارک خواب ملاحظہ ہوں وہ لکھتے ہیں:

جس دن تکیہ کلاں میں بعد مغرب مجلس ذکر کا افتتاح ہوا، یہ مجلس ذکر حضرت شیخ ہی کے حکم پر (جو مدینہ منورہ میں ۲۶ اور ۲۷ فروری ۱۹۸۱ء کو بعد نماز عشاء مجھ کو دیا تھا) منعقد ہوئی تھی، اور اس کا افتتاح مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب نے اپنی پر اثر تقریر سے کیا تھا اس رات کو میں نے خواب دیکھا:

"میں ایک جگہ پلنگ یا تخت پر بیٹھا ہوا ہوں کہ ایک ذی عمر دین دار مسلمان آئے اور مجھ سے ملے اور کہا کہ حضرت شیخ کا خط آیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ میں آپ سے ملوں اس خط میں حضرت نے آپ کے متعلق بڑے بلند الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور آپ کے آنے کا ان پر بہت اثر ہے، اس اثر کی وجہ سے ایک وقت کھانا بھی نہیں کھایا میں نے ان صاحب سے عرض کیا کہ وہ خط دکھا دیجئے، انہوں نے دور سے دکھایا، مگر مجھ کو دیا نہیں، اس

کے بعد ہی میں نے دیکھا کہ ایک دیوار ہے اور اس پر چار رنگین بورڈ لگے ہیں، اور وہ مختلف ملکوں کے نقشے ہیں، جن میں ایک بورڈ پاکستان کا بھی ہے اور کہنے والا کہہ رہا ہے کہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے کہ یہ ملک آپ کے سپرد ہیں عجیب کیف وسرور میں انکو دیکھتا ہوں اور خیال کرتا ہوں کہ ان ملکوں کی اصلاح وتربیت میرے ذمہ ہے۔ میری کیا ہستی مجھ جیسے ہیچ مداں کو یہ عظیم خدمت۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی"

صبح کو میں نے اپنا یہ خواب مخدومی مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی کو سنایا، وہ نیم خوابی کی حالت میں تھے، خواب سے بیدار ہوکر سنا اور خوش ہوئے، پھر میں گھر چلا آیا، کچھ دیر بعد کسی نے آکر کہا کہ مولانا بلا رہے ہیں میں گیا تو فرمانے لگے، محمد ثانی تم خواب سنا کر گئے تو میری آنکھ لگ گئی، اور میں نے خواب دیکھا کہ تم خوش خوش دوڑ کر آئے ہو اور کہہ رہے ہو کہ ماموں جی ذرا روضہ شاہ علم اللہ میں چل کر دیکھئے کہ کیسا خوش منظر ہو رہا ہے، میں تمھارے ساتھ گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ ہر طرف نور ہی نور ہے، قبروں میں تروتازگی ہے جیسے ابھی ابھی تیار ہوئی ہوں، اور قبر میں ہر طرف سے ذکر کی آوازیں آرہی ہیں اور کیف ومست کا عجب عالم ہے۔

یہ سبھی خواب جو مولانا نے خود دیکھے یا ان کے متعلق دیکھے گئے، کسی تعبیر کے محتاج نہیں بشارت والے اور دل کو تقویت پہنچانے والے اور ان کے رشد وصلاح اور ربانیت صادقہ کی طرف اشارہ کرنے والے ہیں، اللہ نے ان کو باطنی کمالات اور

ظاہری محاسن وفضائل سے آراستہ وپیراستہ کیا اور مقام ولایت وربانیت سے سرفراز کیا، اللہ نے ان کو اور ان کے بھائیوں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا محمد واضح حسنی مدظلہم کو رشد وہدایت اور علم وعمل کا جو آفتاب ومہتاب بنایا وہ اس خواب کی بھی کھلی تعبیر ہے جو ان کی دادی اہلیہ مولانا سید خلیل الدین حسنی (بڑی صاحبزادی عارف باللہ حضرت سید شاہ ضیاء النبی حسنی رائے بریلوی) نے دیکھا تھا اور اس کی تعبیر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ذی علم اولاد سے دی تھی، مولانا سید محمد ثانی حسنی کی والدہ ماجدہ لکھتی ہیں:

> ''میری خالہ نے اپنے بیٹے کی پیدائش سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک چاند اترا اور ان کے منہ میں داخل ہوا اور جسم کے اندر اتر گیا، میرے خالو مولوی سید خلیل الدین صاحب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے انہوں نے حضرت مولانا کو خواب لکھا اور تعبیر پوچھی، حضرت مولانا نے فرمایا: تمہارے ایک لڑکا ہوگا جس کو خدا تعالیٰ علم لدنی عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ایک فرزند دیا، اور میرے خالو نے اس کا نام اپنے شیخ کے نام پر رشید احمد رکھا، پھر انہیں سے میرا رشتہ ہوگیا''۔(۱)

بیعت وارادت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے فیصلہ وتجویز اور مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کی تائید سے سہارن پور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی خدمت میں استفادہ علم حدیث واکتساب ربانیت صادقہ وروحانیت کاملہ کے لیے حاضر ہوئے، اور پھر تکمیل تعلیم کے بعد ایک خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے بعد واضح اشارہ محسوس کر کے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے دامن فیض سے باضابطہ طور پر وابستہ ہوگئے، اور یہ اپنے خاندان اور وابستگان ندوہ

---

(۱) زندگی کیسے گذاریں: ۲۰

العلماء میں بظاہر پہلے تھے جو حضرت شیخ الحدیث سے باضابطہ بیعت ہوئے اس کے بعد تو خاندان حسنی اور ندوہ کے متعلقین وفضلاء کی بڑی تعداد حضرت شیخ سے بیعت ہوئی اور اصلاح وتربیت وسلوک میں حضرت شیخ سے رہنمائی حاصل کر کے عشق ومعرفت درد وسوز کی دولت حاصل کی۔

مولانا محمد ثانی حسنی نے اطاعت وانقیاد محبت وعظمت کے ساتھ ''یک در گیر محکم گیر'' کے اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے سلوک طے کرنے میں کوتاہی نہیں کی، اور منشاء ومزاج کی رعایت بھی پوری رکھی۔

اوراد ووظائف اذکار واشغال

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ نے جن ابتدائی تسبیحات کی تلقین فرمائی، اور پھر جو ذکر وشغل کی تعلیم دی، اس کا اہتمام فرماتے رہے، اور حضرت شیخ الحدیث کی طرف سے برابر اس کی تاکید اپنے سبھی متعلقین ارادت کو ہوتی کہ ذکر شروع کرنے میں تاخیر میں مضائقہ نہیں، لیکن شروع کرنے کے بعد چھوڑنا یا لاپروائی برتنا مضر ہوتا ہے، ابتدائی تسبیحات کے بعد عموماً حضرت شیخ دوازدہ (۱۲) تسبیح کی تلقین فرماتے تھے، مشائخ چشت کے طریقہ کے مطابق، لا الہ الا اللہ، الا اللہ، اللہ اللہ، اللہ ھو، وغیرہ کا ذکر جن کی کل ملا کر بارہ تسبیحات ہوتی تھیں، آپ بھی اہتمام سے ورد فرماتے، صبح کے وقت جب آپ چہار زانو قبلہ رخ مسجد شاہ علم اللہ رائے بریلی کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر نہایت درد وسوز اور عشق ومحبت میں سرشار ہو کر ذکر کرتے تو مسجد گونج جاتی اور فضا منور ہو جاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ ہر بن مو سے یہی آواز آ رہی ہے، میں نے آپ کا آخر زمانہ دیکھا لیکن آپ کی جو چند باتیں یاد ہیں ان میں ذکر کی یہ پابندی ہے جس کا نقش قائم دائم ہے۔

سالکین پر قبض اور بسط کی جو حالت طاری ہوتی ہے تو رجوع الی اللہ کی کیفیت حالت قبض میں زیادہ غالب ہوتی ہے، اسی لیے بعض عارفین نے قبض کی حالت کو سالک

کے لیے مفید قرار دیا ہے، اوران کے نزدیک اس میں تقرب زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

لیکن اس حالت کا ایک اثر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہری اعمال میں کمزوری اور دل میں بے چینی پیدا ہوتی ہے، مرشد کی رہنمائی میں یہ پریشانی بھی زائل ہوجاتی ہے، یہاں مولانا محمد ثانی حسنی کے نام ان کے شیخ کا ایک مکتوب پیش کیا جارہا ہے جو اسی حالت کو سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔

عزیزم مولوی محمد ثانی صاحب سلمہ

بعد سلام مسنون، تمہارا ایئر لیٹر ۲ ربیع الاول بہت تاخیر سے پہنچا، تمہارے یہاں کے فسادات کی خبر تو بہت پہلے سے سن رہا تھا، اوراس کی وجہ سے فکر وقلق بھی تھا، اس سے مسرت ہوئی کہ اللہ تعالی نے اس آگ سے تم کو محفوظ رکھا، اللہ تعالی آئندہ بھی محفوظ رکھے، لیکن اس سے بہت قلق ہوا کہ اہل سنت کا نقصان ہوا، آگے لکھتے ہیں:

اس سے قلق ہوا کہ دہلی سے واپسی پر تمہاری طبعت خراب ہوگئی اللہ تعالی صحت وعافیت کے ساتھ تادیر زندہ سلامت رکھے، ابھی تو تمہیں نہ معلوم کتنوں کی سوانح لکھنی ہے، تم نے مجملاً کچھ پریشانیاں لکھیں اچھا کیا تفصیل نہ لکھی کہ اس میں حرج کے علاوہ کلفت بھی ہوتی، اللہ تعالی ہر پریشانی کو دور فرمادے، سکون نصیب فرمائے، بہت اہتمام سے دعا کرتا ہوں، روضہ اقدس پر بغیر کہے بھی تمہاری طرف سے صلوٰۃ وسلام پیش کرتا رہا ہوں اور انشاء اللہ ابھی حاضری پر صلوٰۃ وسلام عرض کردوں گا، معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے بالکلیہ ترک نہ ہونا چاہئے، اگر بیماری کی وجہ سے نہ ہوسکے تو بالکلیہ ترک نہ ہونا چاہئے، بالخصوص ذکر، اللہ

تعالیٰ آپ کی ہر طرح کی مدد فرمائے، رزق کا دروازہ مفتوح فرمائے، بارِ قرض سے سبکدوش فرمائے، تمہارے لیے تصریح سے ناموں کے ساتھ کئی بار صلوٰۃ وسلام بھی پیش کر چکا ہوں، والدہ، خالہ، علی میاں کی اہلیہ، تمہاری اہلیہ کی طرف سے بھی، عزیز حمزہ سلمہ سے بھی دعوات کہہ دیں یہ ناکارہ اس کے لیے بھی دعا گو ہے اور اس کی طرف سے صلوٰۃ وسلام بھی پیش کر دوں گا۔

فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث صاحب

بقلم عبدالرحیم ۲۶ جون ۶۹ء

ایک دوسرے مکتوب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ ذکر و معمولات میں صحت وقوت کے اعتبار سے کمی زیادتی کرنے کی رہنمائی کرتے ہیں وہ مکتوب بھی ملاحظہ ہو؛

باسمہ سبحانہ

عزیز گرامی قدر منزلت الحاج مولوی محمد ثانی سلمہ

بعد سلام مسنون، تمہارا محبت نامہ پہنچا تھا، رمضان کے بعد سے میری طبیعت بھی زیادہ خراب رہی اور اس کے بعد مہمانوں کا ہجوم بھی جو رمضان میں نہ آسکے تھے، اور دونوں سے زیادہ جو لوگ رمضان میں خطوط نہیں لکھ سکے تھے انکے قضاء کی بھرمار اور خود میرے انبار میں دوسرے خطوط پر یہ لکھا ہوا ہے کہ رمضان بعد سنایا جائے، اس لیے خصوصی خطوط میں بھی تاخیر ہوتی جارہی ہے، تم نے یہاں کے قیام کے متعلق جو کچھ لکھا یہ تمہاری محبت کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری اس محبت کو طرفین کے لیے دینی

ترقیات کا ذریعہ بنائے، تمہارے امراض اعذار مجھے بھی معلوم ہیں، ضعفاء کو اقویاء کی حرص نہیں کرنی چاہیے، اللہ جل شانہ کا احسان ہے کہ جتنا بھی وہ کام لے لے، اس کا کرم ہے، اپنا کیا استحقاق ہے، اس سیہ کار کے دل میں تمہاری طرف سے خدانخواستہ تکدر کیوں پیدا ہوتا، خدا نہ کرے کہ آئندہ بھی کبھی ہو، یہ سیہ کار توجہ کے قابل ہوتا تو پھر پوچھنا ہی کیا تھا، لیکن تم سید ہو، علی میاں کے بھانجہ ہو، اعلی حضرت سید صاحب قدس سرہ کی اولاد میں ہو، تمہارے لیے دعا کرنا تو میں اپنے لیے موجب عزت سمجھتا ہوں، اس سے قلق ہوا کہ اخیر رمضان میں تمہاری طبعت خراب ہوگئی جس کا اثر اب تک بھی ہے، اللہ تعالی صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے، معمولی زکام کا تو تم نے مجھ سے بھی ذکر کیا تھا، لیکن جتنی شدت تم نے لکھی ہے اس کا نہ تم نے ذکر کیا نہ میں سمجھا، علی میاں کا بمبئی سے مفصل خط پریشانیوں کا اور موانع اور انتشار کا آیا تھا، جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر میری روانگی ہوگئی تو حاجی یعقوب صاحب اطلاع دیں گے، ورنہ میں خود بھی حاضر ہو جاؤں گا، مگر حاجی یعقوب صاحب کے خط سے ان لوگوں کی روانگی معلوم ہوگئی، اللہ تعالی خیریت سے لے جائے، خیریت سے رکھے سفر کو مثمر ثمرات و برکات بنائے، اگر کوئی خط آئے تو لکھیں کہ حجاز سے لیبیا کا سفر تجویز ہوا یا واپسی، شہاب کے مضمون کا فوٹو عزیز سعدی سلمہ نے تقریبا چھ ماہ ہوئے بھیج دیا تھا اور عزیز واضح نے علی میاں کو بھی یہ مضمون سنا دیا تھا، مجھے آپ کی کوئی کوتاہی معلوم نہیں بار بار اس مہمل لفظ لکھنے کی

ضرورت نہیں میں تو پہلے بھی کئی مرتبہ لکھ چکا ہوں کہ تم سے
ناراض ہوکر میں کہاں رہوں گا۔

فقط والسلام
حضرت اقدس شیخ الحدیث
بقلم حبیب اللہ چمپارنی ۲۰ شوال ۱۳۹۲ھ

اجازت وخلافت

ایک کامل مرشد اپنے مسترشد کو اسی راستہ سے سلوک کا راستہ طے کرانا چاہتا ہے جو اس کے لیے اس کے شیخ نے طے کیا، اور اگر مرشد مسترشد کے اندر اس طریق سے مناسبت محسوس نہیں کرتا تو اس کے لیے دوسرا راستہ طے کرتا ہے، اور کبھی دوسرے شیخ یا اپنے خلفاء میں کسی کی طرف رجوع کرنے کو کہہ دیتا ہے جس سے اس کو زیادہ مناسبت اور اس کے ساتھ چلنے میں اس کے لیے زیادہ سہولت ہوتی ہے، اسی لیے جب مولانا عبید اللہ صاحب ملیاویؒ نے تربیت وسلوک میں شیخ کے انتخاب کے سلسلے میں اپنے استاد حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ سے مشورہ کیا، تو آپ نے ان کو مشورہ دیا تھا کہ دعوت وتبلیغ سے زیادہ مناسبت ہے تو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے اور ملی وسیاسی کاموں سے مناسبت ہے تو حضرت مولانا حسین احمد صاحب سے، تصنیف وتالیف تدریس وغیرہ سے مناسبت ہے تو حضرت شیخ الحدیث صاحب سے، اور الا اللہ کی ضربوں اشغال ومراقبات سے زیادہ مناسبت ہے تو حضرت مولانا عبد القادر صاحب سے بیعت ہو جاؤ، وہ حضرت مولانا الیاس صاحب کی خدمت میں چلے گئے، اور بیعت ہوئے اور بڑے ترقی کے منازل طے کیے، مولانا محمد ثانی حسنی کو طبعاً اور موروثی طور پر تصنیف وتالیف سے زیادہ مناسبت تھی اور علمی مزاج تھا اپنے خاندانی مربیوں کا اسی میں ایماء پارہے تھے اور خواب میں بھی اشارہ پا چکے تھے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے تربیت وسلوک میں باضابطہ تعلق قائم کریں، چنانچہ وہ بیعت ہو گئے،

حضرت شیخ الحدیث نے ان کی تربیت وسلوک طے کرانے میں وہی طریقہ اختیار کیا جو ان کے لیے ان کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نے اختیار کیا تھا، حضرت شیخ الحدیث کے خانوادہ کے نامور مؤرخ ومصنف حضرت مولانا نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی نے اس حقیقت کو اپنے مضمون میں بیان کیا ہے:

''مولانا محمد ثانی حسنی کو حضرت شیخ الحدیث نے خلافت سے سرفراز کرنے میں جلدی نہیں کی، اور اس وقت خلافت دی جب ان کی عمر پچاس سال ہوگئی اور پورا اطمینان کرلیا۔''

مولانا محمد ثانی حسنی کو حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ کو سہارن پور میں دار جدید کی مسجد میں اپنے معتکف میں ان کے ہم زلف مولانا سید محمد طاہر صاحب حسینی منصور پوریؒ کے ساتھ بلایا اور اس باطنی دولت سے سرفراز کیا اور بطور تحفہ وعلامت جانماز عطا کیا، مولانا محمد ثانی حسنی نے اس واقعہ کو قلمبند کیا تھا اور ''ایک مبارک تحفہ'' کے عنوان سے لکھا تھا۔

ایک مبارک تحفہ

مولانا محمد ثانی حسنیؒ ''ایک مبارک تحفہ'' کے عنوان سے اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''آج ۲۷ رمضان مبارک ۱۳۹۵ھ کی شب کو ۴ بجے دار جدید مظاہر علوم میں حضرت شیخ مدظلہ العالی نے مجھ کو اور برادرم مولوی طاہر صاحب کو اپنے معتکف میں بلایا اور مجھ سے فرمایا ''میں چاہتا ہوں کہ تم کو بیعت کرنے کی اجازت دوں مگر کچھ دنوں سے میں اس معاملہ میں سخت ہوگیا ہوں، اسلئے بعضوں کو میں اجازت دیتا ہوں تو ان کی ترقی رک جاتی ہے، اور میری نسبت ہی کیا ہے، کرنے سے ہوتا ہے، نسبت تو کمزور ہوتی ہے کرنے سے اس کو مضبوط بنایا جاتا ہے، خیر۔ بیعت کرنے کی

اجازت تم کو مبارک ہو۔

حضرت شیخ مدظلہ کے اس فرمانے سے میرے دل کی حالت غیر ہونے لگی، آنکھوں میں آنسو اور آواز میں ارتعاش پیدا ہو گیا، حضرت شیخ کی آواز پست اور اثر میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ روبقبلہ تھے، اور پیچھے گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا، خدام کمرہ میں آ جا رہے تھے، عجیب کیفیت کا عالم تھا میں سکتہ میں تھا، رنج و خوشی کے جذبات طاری تھے، اس بار امانت کی فکر بھی دامن گیر ہو گئی، میں نے عرض کیا معمولات میں کچھ فرق ہو گا، فرمایا نہیں، جو معمولات ہیں وہی قائم رکھو، اس کے فرمانے کے بعد فرمایا اچھا جاؤ، میں گھبراہٹ میں اٹھا اور جانے لگا، فرمایا یہ تو لے تو جاؤ، میں نے دیکھا کہ ایک تہہ کی ہوئی جانماز مولوی طاہر صاحب (داماد حضرت مولانا ڈاکٹر عبد العلی حسنی و والد مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کے ہاتھ میں ہے وہ انہوں نے مجھ کو دے دی، مولوی طاہر صاحب سے فرمایا، مزید اجازت تم کو مبارک ہو اور ایک جانماز ان کو بھی ملی۔

اللہ تعالیٰ اس اجازت کو خیر و برکت کا ذریعہ بنائے اور ترقی کی راہیں کھولے۔

محمد ثانی حسنی

۲۷ رمضان مبارک ۹۵ھ

شیخ کی ہدایات اور مجلس ذکر کا آغاز

بیعت و اجازت سے سرفراز ہونے کے بعد آپ کی طرف لوگوں کا رجوع اور آپ سے تربیت و ارشاد میں رہنمائی حاصل کرنے کا تقاضہ بڑھنا آپ کی شخصیت کی

دلآویزی اور آپ کی تاثیر و جاذبیت اور کشش کی وجہ سے غیر متوقع بات نہ تھی، مولانا عبدالعلیم فاروقی صاحب نے اس سلسلہ میں اپنا تاثر بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اگرچہ اکابر کی موجودگی میں مولانا کی حیثیت ایک خورد ہی کی حیثیت تھی جس کو وہ خود بھی محسوس کرتے تھے لیکن یہ ایک حقیقت ہے اور مولانا کو قریب سے دیکھنے والے اس کی تصدیق کریں گے کہ وہ اپنے زمانہ میں اپنی پاک نفسی، سادگی، عاجزی اور انکساری کی بنا پر جلیل القدر بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے ہمیشہ اپنے جوہر کو پوشیدہ رکھا اور نام ونمود، شہرت اور دکھاوے کے مواقع سے دور رہے، مولانا کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے بیعت کی اجازت حاصل تھی، مگر کبھی کسی کو مرید نہیں کیا، اکثر ایسا بھی ہوا کہ بعض خواہش منداحباب نے مرید ہونے کا ارادہ ظاہر کیا، مگر مولانا بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے اور اپنے بزرگوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔''(۱)

ایک موقع پر مولانا عبدالباری ندویؒ (مہتمم مدرسہ فلاح المسلمین) سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے فرمایا:

''یہ محمد ثانی ہیں، ان کو پہچانو، یہ میری جگہ پر ہیں۔''(۲)

چنانچہ مولانا محمد ثانی حسنی نے کسی کو بیعت میں داخل نہیں کیا، لیکن اپنے شیخ و مربی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی ہدایات کی روشنی میں مسجد حضرت شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں مجلس ذکر کا آغاز کر دیا، اس میں بھی تواضعاً خود پیش قدمی کرنے کے بجائے اپنے خال معظم اور خاندانی سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے درخواست کی اور ان کی پر اثر تقریر اور تلقین ذکر سے مجلس ذکر کا آغاز ہوا جمعہ کا

(۱) رضوان نمبر:۱۵۴ (۲) رضوان نمبر مضمون مولانا عظیم خان ندوی:۱۵۴

دن طے ہوا اور وقت مغرب بعد، دراصل حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کو آخر زمانہ میں شدید تقاضا اس بات کا تھا اور زور سے اس کا داعیہ پیدا ہو رہا تھا اور اس کا ایسا غلبہ تھا کہ اس سے وہ مغلوب الحال تھے وہ یہ کہ جگہ جگہ مجالس ذکر اور حلقہائے ذکر قائم ہوں فتنوں کا علاج اسی میں ہے، اور شرک و بدعت اور گناہوں کی ظلمت اسی سے کافور ہوگی، اور اسی کے خاطر انہوں نے یورپ و افریقہ کے کے ممالک کے پر مشقت سفر کیئے، اور اپنے خلفاء و مجازین کو ہدایات کیں کہ وہ اس میں کوتاہی نہ کریں، اسی لیے جب مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ساتھ مدینہ منورہ کا سفر فروری ۱۹۸۱ء کو کیا تو حضرت شیخ نے انہیں اس سلسلہ میں تاکید کی۔

مدینہ منورہ کا سفر فروری ۱۹۸۱ء میں مولانا محمد ثانی حسنی کا آخری سفر حجاز تھا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب بھی علالت وضعف کے اس مرحلہ میں تھے کہ وہ ہر ملاقات کو آخری ملاقات سمجھتے تھے، مولانا محمد ثانی حسنی کو قریب بلا کر انہوں نے چند سوالات کئے اور کچھ ہدایات فرمائیں، جن میں ان کی طرف سے اپنی زندگی کے اختتام کا بھی لطیف اشارہ ملتا ہے، یہ گفتگو مولانا کے روزنامچہ سے یہاں نقل کی جارہی ہے مولانا لکھتے ہیں:

> حضرت کا ایک فرستادہ ملا اس نے کہا کہ مولانا محمد ثانی حسنی کو یاد فرمایا ہے، اور لینے کو مجھے بھیجا ہے، یہ سنتے ہی ہم لوگ تیز قدم بڑھاتے ہوئے خدمت میں پہنچے، حضرت نماز سے فارغ ہوئے، مصافحہ فرمایا اور فرمایا میرے قریب بیٹھو، دو خدام نے حضرت کو اٹھایا اور پلنگ پر لٹا دیا، میں قریب گیا فرمایا اور قریب آؤ، میں پلنگ کی پٹی پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا، فرمایا تمہارا خط بہت دنوں سے نہیں آیا، اگر چہ میں ضعیف ہوں، خط لکھنا پڑھنا مشکل ہے، مگر تمہارے حالات معلوم نہیں ہوتے، معمولات کیا ہیں، ہم نے عرض کیا الحمد اللہ معمولات اور ذکر بالجہر کی پابندی کر رہا ہوں، فرمایا بہت خوشی ہوئی، اس وقت کوئی بات تو نہیں؟ ہم نے

عرض کیا: ذہنی انتشار رہتا ہے، فرمایا کس طرح کا؟ عرض کیا بعض دفعہ جی نہیں لگتا، طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں، یوں تم خط لکھا کرو، حالات سے مطلع کرنا اچھا ہی ہے، باقی اگر کوئی اشکال پیش آئے تو علی میاں سے رجوع کرلیا کرو، پھر فرمایا تمہارے یہاں لوگ ذکر کرتے ہیں؟ عرض کیا جی ہاں! فرمایا تمہاری نگرانی میں، میں نے عرض کیا، جی نہیں ماموں جی کی نگرانی میں، فرمایا ٹھیک ہے، میں نے عرض کیا، حضرت شہر والوں کو پہلے کم مناسبت اور تعلق تھا اب برابر آنے لگے ہیں، شام کو مجلس ہوتی ہے، اور شہر کے لوگ ماموں جی سے استفادہ کرتے ہیں، اسکو سن کر خوش ہوئے۔(۱)

مجلس ختم ہونے پر جب مولانا محمد ثانی حسنی نے حضرت کے آرام کا خیال کر کے اجازت چاہی تو فرمایا، جاؤ گے، مولانا کہتے ہیں، میں نے حضرت کے آرام کی وجہ سے عرض کیا، جی، فرمایا اچھا، مگر تمہارے مجلس ذکر سے بہت خوشی ہوئی، پیارے ذکر بڑی چیز ہے، اس سے فتنے دور ہوتے ہیں اس کا پورا اہتمام کرتے رہنا۔(۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سرپرستی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ روز اول سے مولانا محمد ثانی حسنی کے سرپرستوں میں تھے، لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد اب بلا شرکت غیرے سرپرست تھے اور مدینہ منورہ کے اس آخری سفر میں اس ہدایت کے بعد کہ "باقی اگر کوئی اشکال پیش آئے تو علی میاں سے رجوع کرلیا کرو" اب وہی روحانی مربی و مرشد بھی تھے، اور آپ ان کا اس درجہ لحاظ و پاس رکھتے تھے کہ ان چیزوں سے بھی احتراز کرتے جس سے ان کی انفرادیت میں فرق پڑتا، جیسے عید کے روز شیروانی نہیں پہنی ان کے ایک محب مخلص رفیق جناب محمد شرافت خاں

(۱) ماخوذ از روزنامچہ حجاز فروری ۱۹۸۱ء (۲) ماخوذ از روزنامچہ حجاز فروری ۱۹۸۱ء

صاحب نے عرض کیا حضرت شیروانی نہیں پہنتے، فرمانے لگے چاند ایک ہوتا ہے، اسی طرح حضرت شیخ الحدیث کے پاس مدینہ منورہ میں حاضری میں بیٹھے تو حضرت شیخ کو اشتباہ ہوا کہ مولانا علی میاں تو نہیں ہیں مولانا محمد ثانی حسنی نے ٹوپی بدل لی، اور طرز میں فرق کرلیا، یہ بات اس طرح پیش آئی جیسا کہ مولانا محمد ثانی حسنی بیان کرتے ہیں:

سلمان سلمہ (۱) کو لے کر حضرت شیخ کے یہاں گئے، مصافحہ کیا، اور پیچھے بیٹھ گئے، کتاب ہونے لگی تھوڑی دیر کے بعد حضرت شیخ کو بہت کھانسی آئی، پیچھے تکیہ لگا کر نیم دراز کیا گیا دوا کھلائی گئی، تو کھانسی کم ہوئی ہماری طرف دیکھ کر فرمایا کیا علی میاں ہیں، مولوی اسماعیل صاحب (۲) نے عرض کیا، نہیں محمد ثانی صاحب ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ماموں جی گول ٹوپی اور سفید رومال ڈالتے ہیں، اور ہم بھی گول ٹوپی، سفید رومال استعمال کرتے ہیں، اس لیے حضرت شیخ کو تشابہ لگ گیا، صرف حضرت شیخ نہیں بلکہ بہتوں کو تشابہ لگتا رہتا ہے، اس لیے ارادہ ہے کہ بجائے گول ٹوپی اور رومال کے شیروانی والی ٹوپی یا مخملی ٹوپی استعمال کریں گے تاکہ تشابہ نہ لگے۔ (۳)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو مولانا محمد ثانی حسنی کی قدر اور ان کی صلاحیتوں کا اعتراف روز اول سے تھا، اور ان کی سعادت مندی اور رشد وصلاح کی کیفیت سے وہ اچھی طرح واقف تھے، وہ جب رائے بریلی میں نہیں ہوتے تو مولانا

---

(۱) مولانا سید سلمان حسینی ندوی خلف اکبر حضرت مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوری ونواسہ حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی سابق ناظم ندوۃ العلماء

(۲) مولانا اسماعیل میوات صاحب مرحوم خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ جو مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے خدام میں تھے اور وہیں مقیم ہوئے اور روز ڈیڑھ قرآن شریف پورا کرنے کا معمول رکھتے تھے، اور اس کا بڑا حصہ مسجد نبوی شریف میں پورا کرتے تھے، مدینہ منورہ میں منگل ۱۷/ شوال ۱۴۳۸ھ موافق ۱۱/ جولائی ۲۰۱۷ء کو وفات پائی، اور بقیع خواب گاہ بنی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(۳) ماخوذ از روزنامچہ سفر حجاز فروری ۱۹۸۱ء

محمد ثانی حسنی کو اپنا قائم مقام بنا کر جاتے، اور جو لوگ آتے وہ مولانا محمد ثانی حسنی سے استفادہ کرتے، ان میں حضرت مولانا سے شکل وصورت میں مشابہت بھی تھی جیسا کہ حضرت شیخ کے عمل سے بھی معلوم ہوا کہ شیخ کو تشابہ ہو گیا تھا، بعض حضرات نے بتایا عام لوگوں کو بھی تشابہ ہو جاتا تھا، مولانا محمد ثانی حسنی اس نسبت کا پورا لحاظ کرتے، چنانچہ جیسا کہ محترمی جناب محمد شرافت خاں صاحب نے بتایا کہ عید کے موقع پر انہوں نے اوپری لباس زیب تن کرنے اور سر پر رومال وغیرہ ڈالنے سے گریز کیا گیا کہ جو حضرت مولانا زیب تن فرماتے کہ اس میں ہمسری کی بو آتی تھی، اور کسی نے عرض کیا کہ آج تو عید ہے آپ نے اہتمام کیوں نہیں کیا، فرمایا، چاند ایک ہوتا ہے، بہر حال بہت سے دینی امور اور معاملات میں وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی نیابت فرماتے اور جو کام بھی کرتے ان کی سر پرستی میں کرتے، ذکر و شغل لوگوں کو بتاتے لیکن بیعت کسی کو نہیں کیا، نکاح وغیرہ اور علاقائی پروگراموں میں جہاں حضرت مولانا نہیں جا پا رہے ہوتے آپ اس کمی کو پورا کرتے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ سے تعلق ومحبت اور فدائیانہ ربط

شاگرد کو استاد سے اور مسترشد کو مرشد سے جو قلبی تعلق ومحبت اور عظمت اور فدائیانہ ربط ہونا چاہیے مولانا محمد ثانی کو وہ پوری طرح عطا ہوا تھا، حضرت شیخ الحدیث صاحب ان کے استاد خاص اور مرشد روحانی تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے جذبات واحساسات کو متعدد قصائد میں نظم کیا ہے وہ ایک عاشق صادق ہی کی زبان ہے (۱) حضرت شیخ الحدیث کے ایک مخلص خادم اور خلیفہ مولانا عبدالرحیم متالا علیہ الرحمہ جن سے حضرت شیخ بہت سی راز کی باتیں بھی کیا کرتے تھے اور وہ حضرت شیخ کے بعض راز کے خطوط کے کاتب بھی رہے وہ بھی راقم سے فرمانے لگے کہ مولانا محمد ثانی صاحب حضرت شیخ کے عاشق صادق تھے۔ حدیث کے بڑے عالم اور حضرت شیخ کے علمی کاموں میں معاون شاگرد مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری صاحب اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم

(۱) ملاحظہ ہو مولانا محمد ثانی حسنی کا مجموعہ کلام "میزاب رحمت جس میں یہ قصائد موجود ہیں۔

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب (جن پر حضرت شیخ کی بڑی شفقتیں رہیں) بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔اور مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کے دونوں بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی بھی اس کے متعدد واقعات بیان کرتے ہیں۔حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنی مجلسوں میں متعدد باراوران کے متعلق اپنے مضمون میں بھی اس کی صراحت کی ہےاور مکہ مکرمہ سے جومکتوب حضرت شیخ الحدیث کوارسال فرمایااس سے بھی یہ تعلق پوری طرح ظاہر ہوتا ہے جس میں انہوں نے لکھا کہ" جناب کی طرف سے الحمدللہ طواف کی سعادت حاصل ہوتی رہی، عمرہ کیا عزیزی محمد ثانی سلمہ بھی آپ کی طرف سے عمرہ کر چکے اور طواف بکثرت کرتے رہتے ہیں، بعض رفیقات نے بھی طواف کیے۔(۱)

واضح رہے کہ اس سفر کے محرک حضرت شیخ الحدیث صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تھے اور دعوت وتبلیغ کے کام کی تقویت کے لیے کئی ماہ کا قیام تجویز تھا، اس لیے بھی گھر کی خواتین میں حضرت مولانا علی میاں صاحب کی والدہ، ہمشیرہ یعنی حضرت مولانا محمد ثانی حسنی کی خالہ صاحبہ اوراہلیہ محترمہ بھی تھیں۔

مولانا محمد ثانی حسنی حضرت شیخ کا بہت لحاظ فرماتے اور حضرت شیخ بھی ان کا بڑا خیال رکھتے تھے اس لیے حضرت شیخ نے اپنی دو بڑی محبوب شخصیتوں ایک استاد وشیخ ومربی حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری دوسرے بھائی اور داماد حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی سوانح حیات لکھنے کی ذمہ داری انہیں دی اور پوری سرپرستی فرمائی اور انہوں نے بھی تمام کاموں کو پس پشت ڈال کر یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ کہ سوانحی کتب خانوں میں یہ دونوں کتابیں اپنی امتیازی شان کے ساتھ ظاہر ہوئیں اور نمونے کی کتابیں قرار پائیں، پھر حضرت شیخ کے ہی حکم سے ان کے عزیز نواسہ مولانا محمد ہارون صاحب کے متعلق جامع ودل آویز تذکرہ لکھا اور حضرت شیخ کو ان کا طرز تحریر اس قدر پسند آیا کہ ایک بار فرمایا ابھی تو تم کو بہتوں کی سوانح لکھنی ہیں اور ایک بار یہاں تک فرمایا، پیارے تم ہی میری بھی سوانح لکھو گے۔لیکن مولانا محمد ثانی حسنی کا سانحہ ارتحال

---

(۱) مکتوب حرم ۱۹؍محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی حیات ہی میں پیش آگیا اور شیخ نے تعزیتی مکتوب میں حضرت مولانا علی میاں ندوی کو لکھا کہ رہ رہ کر عزیز مرحوم کی خوبیاں یاد آرہی ہیں۔(۱)

مولانا سید محمد ثانی حسنی کے لیے سب سے مشکل مسئلہ وہ تھا کہ جب سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی تصنیف فرمائی تو اس میں ان کے مربی وسرپرست اور برادر عم زاد حضرت شیخ الحدیث صاحب کے حالات لکھنے کا مسئلہ آیا تو انہوں نے اس کی ہمت نہیں کی بلکہ اپنے خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے التجا کی کہ اس پر قلم وہ اٹھائیں اور حضرت مولانا نے خود حضرت شیخ سے معلومات حاصل کر کے بڑا جامع مضمون سپرد قلم کیا اسی طرح حیات خلیل کا کام جب پورا کرلیا تو ان کے خلفاء کے تذکرہ میں حضرت شیخ الحدیث کا تذکرہ اپنے قلم سے لکھنے کے بجائے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ایک عربی مضمون کا ترجمہ ان کے برادرزادہ مولانا سید محمد الحسنیؒ صاحب سے کرا کر شامل کتاب کیا لیکن اپنے ان جذبات واحساسات پر قابو نہ رکھ سکے جو دل میں امنڈ رہے تھے اور ان کو اشعار میں لاکر کئی قصائد کہہ ڈالے اور وفات سے قریب بعض اپنے متعلقین سے یہ کہا کہ حضرت شیخ کو پہچانتے ہو پھر کہا نہیں پہچانتے اگر پہچانتے تو ان پر مرمٹتے دوسری طرف حضرت شیخ الحدیث صاحب نے ان کی وفات پر جو تعزیتی خطوط حضرت ابوالحسن علی حسنی ندوی کو تحریر فرمایا وہ خود مضمون کی ایک حیثیت رکھتا ہے اور وہ ان کے خطوط میں جو انہوں نے لوگوں کو لکھے ہیں اور خاص طور پر تعزیتی خطوط میں جو انہوں نے بعض اہم حوادث وصدمات پر تحریر کئے یا دوسروں نے تحریر کئے یہ تعزیتی مکتوب انفرادی نوعیت اور امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔

حضرت شیخ الحدیث انہیں اپنی بڑی خصوصی مجلسوں میں جس میں خاص اہل تعلق ہی شریک ہوسکتے تھے شریک فرماتے اور یہ تعلق ان کا ان کے بھائیوں کے ساتھ بھی تھا، ایک خصوصی مجلس میں ان کے برادر اصغر مولانا واضح رشید حسنی ندوی شرکت کے لیے آئے کسی نے روک دیا، وہ شریک نہ ہوسکے۔ شیخ نے دریافت کیا پھر استفسار کیا

---

(۱) مکتوب ۱۷/فروری ۱۹۸۲ء از مدینہ منورہ

اور سخت ناگواری ظاہر فرمائی کہ کس نے روکا اور ان سے کہا تم اور محمد ثانی جب چاہو آؤ۔ تمہیں کون روک سکتا ہے؟

بہر حال یہ تعلق جانبین میں بڑا قوی تھا جو موقع بہ موقع سامنے بھی ہو جاتا تھا، حضرت شیخ نے اپنے خاص اہل تعلق کو جو مدینہ منورہ سے کھجور یاد فرما کر بھیجا کرتے تھے ان میں مولانا محمد ثانی حسنی بھی تھے جن کے پاس یہ تحفہ آتا۔ راقم الحروف نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے رائے بریلی میں ماہ رمضان المبارک کے خانقاہی نظام میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی کتاب فضائل رمضان پڑھنا شروع کیا تو ایک روز حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے فرمایا کہ حضرت شیخ ہوتے تو بڑے خوش ہوتے کہ تم یہ کتاب پڑھ رہے ہو اس لیے کہ تم محمد ثانی کے نواسہ ہو۔

مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مخصوص خدام میں ایک اہم نام جناب سید حسن عسکری طارق صاحب انجینئر کا بھی ہے، دیار حبیب کی محبت اور وہاں کی مٹی کے شوق میں وہیں مقیم ہیں (۱) انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب سے ان کے سفر حجاز میں جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ یا جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اجلاس کی مناسبت سے ہوتا تھا اور ایک مرافق کی ساتھ لانے کی اجازت ہوتی تھی ان دونوں کے تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تقاضا کیا کہ اس بار مولانا محمد ثانی حسنی صاحب ساتھ لائیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی لکھتے ہیں:

> ۱۹۸۰ء میں جب مجھے رابطہ کی ایک مجلس ''المجمع الفقہی'' میں شرکت کے لیے دعوت نامہ موصول ہوا تو میں نے اپنے رفیق کے طور پر (جس کو ساتھ لینے کی رابطہ ہمیشہ اجازت

(۱) افسوس کہ ۲۶/ مارچ ۲۰۱۷ء کو اتوار کے دن مدینہ منورہ میں وفات پائی اور بقیع شریف میں اپنے مخدوم و مربی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے قریب سپرد خاک ہوئے اور کچھ ہی مدت کے بعد ان کی اہلیہ نے بھی طائف میں یکم رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ کی شب کو وفات پائی، جہاں وہ اپنے محارم کے پاس مقیم ہوگئی تھیں، رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

دیتا ہے اور انتظام کرتا ہے) محمد ثانی حسنی مرحوم کا انتخاب کیا اس انتخاب میں برادر عزیز سید حسن عسکری طارق کی تحریک کو بھی دخل تھا اور اس کا ایک محرک یہ بھی تھا کہ حضرت شیخ کی علالت نازک مرحلہ سے گذر رہی تھی، خیال ہوا کہ وہ عمرہ بھی کرلیں گے، مدینہ طیبہ حاضری بھی ہو جائے گی اور حضرت شیخ کی خدمت میں ان کو کچھ دن رہنے کا موقع بھی مل جائے گا۔(۱)

آگے مولانا، مدینہ طیبہ کے قیام سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

ہم لوگ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے عرصہ دراز سے میرا قیام شارع ابی ذر، باب الثمار کے سامنے بستان نورولی میں رہتا ہے وہاں سے مسجد نبوی کا فاصل ہے، میں اپنی کمزوری کی بنا پر پانچوں وقت موٹر سے جایا کرتا تھا، لیکن جہاں تک یاد آتا ہے وہ موٹر پر بیٹھ کر وہاں جانے سے امکانی حد تک بچتے تھے اور ہمیشہ پیدل حاضری دیتے تھے، فجر کی نماز کے بعد وہ پابندی سے حضرت شیخ کی مجلس ذکر میں حاضری دیتے اور شریک رہتے، حضرت شیخ بھی ان کے آنے سے بہت مسرور ہوئے اور حسب معمول بڑی شفقت فرمائی اس کے بعد ان کا حضرت شیخ سے ملنا نہ ہوا۔(۲)

حضرت شیخ کی اجازت سے پہلے اجازت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی اجازت سے پہلے آپ کو ایک اجازت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ حضرت شاہ محمد موسیٰ (مقیم مدینہ منورہ) نے اس وقت دی تھی جب مولانا محمد ثانی کی عمر ۲۲،۲۳ سال سے زیادہ نہ تھی ان کے باطن کا ادراک کرتے ہوئے انہوں نے یہ خصوصیت برتی، جیسا کہ مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے مولانا محمد ثانی حسنی کی کتاب ''لبیک اللھم لبیک'' کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے۔

---

(۱) چنانچہ ۸۱ء کے ماہ جنوری یا فروری میں یہ سفر ہوا اور ۱۹۸۰ء میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے رابطہ کی دعوت پر جو سفر کیا وہ حج کے موقع پر تھا اور اس میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی موجود تھے۔

(۲) پرانے چراغ حصہ سوم ص ۳۵۳-۳۵۴ طبع جدید

شاہ محمد موسیٰ نے اور بھی چند لوگوں کے ساتھ یہ خصوصیت برتی تھی جن میں ایک نام بھٹکل کے الحاج محی الدین منیری (سابق ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل) کا تعلق بھی ہے، منیری صاحب مرحوم نے راقم کو خود اپنی وفات سے چند روز قبل دارالعلوم ندوۃ العلماء میں یہ بات بتائی۔(۱)

عارف باللہ مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کا تعلق

عارف باللہ مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی مولانا سید محمد ثانی حسنی کے خاص دوستوں واحباب میں تھے، دونوں ایک دوسرے سے بڑے بے تکلف اور ایک دوسرے کا خوب خیال رکھنے والے اور محبت کرنے والے تھے، ایک دوسرے سے دل کی بات کرتے، اور آپس میں اپنے ذاتی دینی معاملات میں مشورے کرتے، اسی لیے حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی پر ان کی علالت اور پھر سانحہ وفات کا بڑا اثر پڑا انہوں نے اس دلی تاثر کا اظہار اپنے ایک مضمون میں کیا ہے جو رضوان مولانا محمد ثانی نمبر میں شائع ہو چکا ہے جس کا عنوان ہے "مخلص دوست مشفق رہنما" وہ تاثرات مولانا محمد ثانی حسنی کے اس رتبہ عالی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جو ان کو سلوک ومعرفت ارشاد وتربیت اور للّٰہیت وربانیت میں حاصل تھا۔

مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ فرماتے ہیں کہ بھائی صاحب مولانا محمد ثانی حسنی، مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب بستوی اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی میں باہم آپسی تعلق ومحبت حقیقی بھائیوں کی طرف تھا، اور یہ تینوں آپس میں بڑے بے تکلف اور ایک دوسرے کے بڑے قدرداں بھی تھے، یہ تعلق ایک بار نہیں کتنی بار میری آنکھوں نے دیکھا۔

---

(۱) حضرت شاہ محمد موسیٰ کا حال "بزم اشرف کے چراغ" میں مذکور ہے وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔

چھٹا باب

حج اور عمرے کے اسفار اور سفرنامہ حجاز

مشاہدات وتاثرات

حج کے سفروں کی اہمیت وعظمت تو مسلم ہے ہی اس کے تقدس اور حرمین شریفین سے محبت وعشق نے اس کے سفرناموں میں ایک خاص قسم کی تاثیر پیدا کردی، چنانچہ حج وزیارت کے سفرناموں کو شروع سے ہی بڑی اہمیت حاصل رہی اور لکھنے والوں نے اس سلسلہ میں لکھا بھی خوب، یہ ان کے دلی جذبات وتاثرات تھے جس کو وہ دباتے بھی تو کہاں تک دباتے، انہوں نے بھی اپنے تاثرات قلم بند کیے، جنہوں نے خاص اسی مقصد سے سفر کیا تھا، اس کے لیے پہلی مثال ابن جبیر اندلسی کی ہے اور انہوں نے بھی جو عالمی سیر وسیاحت کے لیے نکلے، لیکن متعدد بار حج کو جانا ہوا اس کے لیے سب سے بڑی مثال ابن بطوطہ مغربی کی ہے اور حج کے سفرناموں کے لکھنے والوں کی فہرست میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے دعوتی مقصد سے سفر کیا تھا۔(۱)

حج کے سفروں پر یہ مشتمل رودادیں مختلف زبانوں میں اتنی آچکی ہیں کہ

(۱) مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا سفرنامہ جو ہمارے اس وقت پیش نظر ہے وہ ''لبیک اللھم لبیک'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور کچھ وہ اوراق بھی پیش نظر ہیں جو تعمیر حیات کے ۱۹۸۱ء کے بعض شماروں میں شائع ہوئے۔ اور جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''شرق اوسط کی ڈائری'' کے طبع جدید سنہ ۲۰۱۷ء مطبوعہ مکتبۃ الشباب لکھنؤ میں شامل کردیے گئے ہیں۔ (م) ۱۹۸۱ء کے سفر حجاز کی روداد ابھی بھی غیر مطبوعہ ہے۔

صرف اس موضوع پر ایک پورا کتب خانہ تیار ہوسکتا ہے۔

پہلا سفر حجاز اور حج بیت اللہ کی سعادت

آپ کے سفروں میں سب سے طویل سفر حجاز مقدس کا تھا، جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ اور گھر کے کچھ لوگوں کے ساتھ حج کا سفر کیا۔ یہ قافلہ ۲۶ رجون ۱۹۴۷ء کو لکھنو سے روانہ ہوا اور اواخر جنوری ۱۹۴۸ء کو ہندوستان واپس ہوا، یہ سات ماہ کا سفر پانی کے جہاز سے تھا، یقیناً چھ ماہ ارض مقدس میں گذرے ہونگے، اس مدت میں وہاں کے علماء ادباء اور اہل فکر ونظر کی مجالس میں شرکت کا موقع ملا، مسجد نبوی، حرم شریف میں خاصا وقت گذارتے، طواف کے خوب مواقع ملے، حج کے فریضہ کی ادائیگی کی سعادت ملی ان سب باتوں کے ساتھ علمی ودعوتی کاموں میں کوئی فرق نہ آنے پایا۔ راستوں، گلیوں اور تاریخی آثار سے خوب واقفیت حاصل کرلی تھی، بقیع میں مقابر اور ان کے جائے وقوع کی ترتیب سے ایسے واقف تھے، کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''کہ ان کو اس کا حافظ کہا جاسکتا ہے'' اور آپ کے اس سفرنامہ کے متعلق رقمطراز ہیں'' مرحوم نے اس سفر میں سفرنامہ بھی لکھنے کا معمول رکھا جو بڑا موثر اور پرازمعلومات ہے لیکن افسوس کہ ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔

یہ سفر محض دعوتی اصلاحی اور تبلیغی مقصد سے تھا اس سلسلہ میں وہاں مفید کام بھی ہوا۔ عربوں نے اس کا تاثر بھی لیا۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی مدظلہ نے کاروان زندگی میں اور مولانا سید محمد ثانیؒ نے اپنے سفرنامہ میں ان اعیان عرب کے نام ذکر کئے ہیں جن کے دل میں بات اتری اور انہوں نے خاطر خواہ تعاون دیا، خاص طور پر قاضی مدینہ شیخ ابن زاحم، شیخ حمدی، شیخ محمد علی الحرکان، شیخ حسن المقری، شیخ علی الترکی شیخ عثمان الترکی، اور مکہ مکرمہ میں امام حرم شیخ عبدالرزاق حمزہ، شیخ عمر بن حسن ال الشیخ، شیخ علوی مالکی، شیخ حسن مشاط، شیخ امین کتبی، شیخ محمد سرور الصبان قابل ذکر ہیں، شیخ احمد محمد جمال اور استاد محسن باروم سے بھی اسی دوران قیام تعارف ہوا۔ مولانا مرحوم نے شیخ

ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے رسالہ "الـی مـمثلی البلاد الاسلامیۃ" کا بھی خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ اس سے دعوتی کام کے تعارف میں بڑی مدد ملی، عربوں پر اس رسالہ کا بڑا گہرا اثر پڑا، اس دوران قیام تبلیغی ودعوتی کام کے ساتھ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کو علامہ ابن القیم کی کتاب ''زادالمعاذ'' کی تلخیص کا بھی خیال پیدا ہوا۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

> رمضان کے بعد مولانا نے زادالمعاد کا خلاصہ کرنا شروع کردیا اور غزوہ احد کا حال جبل احد کے میدان کی مسجد میں مجھ سے لکھوایا، سامنے سیدنا حمزہؓ کا مزار تھا۔ لکھنے والے اور دونوں آبدیدہ تھے۔
>
> جب مسافر مکہ مکرمہ سے قریب تر ہو جائے اور حدود حرم شروع ہوجائیں تو اس کی کیفیت کیا ہونی چاہیے اس پر ایک لمبا وعظ کہا جاتا، مسائل کا دفتر کھولا جاتا،، تب جاکر کچھ سمجھ میں آتا لیکن ایک ایسا مسافر جو زبان ودل سے باادب ہو، جس کے دل میں سوز عشق، اور وصال محبوب کی تمنا نہیں تڑپ ہو، وہ اس جگہ کا حال اور وہاں کی کیفیت جس طرح بیان کرتا ہے اس کا طرز ادا اور انداز بیان ایک خاص تاثر رکھتا ہے۔
>
> سنیے مولانا کہتے ہیں!
>
> ''حدود حرم شروع ہو چکے ہیں، اور مکہ مکرمہ قریب سے قریب تر ہے ادب وتعظیم لازم ہے یہاں کی ہر ادا عاشقانہ ہے، ذرہ ذرہ عشق سے بھرا ہوا ہے محبوب کے وصال کا دن ہے جس کے فراق میں ان گنت راتیں آنکھوں میں کٹیں اور ہجر میں دل بیتے، جس کے دیدار کی آرزو میں زمانہ گذرا، ذرا ان عاشقان بیت اللہ پر

نظر کیجئے، جو مستانہ وار، برہنہ سر، کفن بردوش، پراگندہ بال، پریشان حال، مجنونانہ کیفیت، سرمستی و بے خودی کے ساتھ آگے بڑھتے جارہے تھے، نہ خوشبو سے کام نہ لگاؤ، نہ زینت و آرائش سے سروکار، دو بے سلی چادریں بدن پر پڑی ہوئی ہیں، گرد و غبار سے اٹے ہوئے بدن کپکپارہا ہے،، آنکھیں نم ہیں، نگاہیں جھکی ہوئی ہیں، زبانوں پر ''لبیک اللھم لبیک'' یا اللہ میں حاضر ہوں، یا اللہ میں حاضر ہوں کی صدا، نیند کوسوں دور، کسل کافور ہے، آرام وراحت سے کیا سروکار، نگاہ ہے کہ جھپکتی نہیں، مجسم اشتیاق اور سراپا انتظار ہے، دیدار بیت اللہ کے لیے بے تاب اور اتنے بے تاب کہ پل بھر بھی انتظار مشکل۔

ع مردم زا اشتیاق تو جانم بلب رسید

یہ تو تھا بیت اللہ شریف حاضری کا حال، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ کر کیا حال ہوتا ہے اسے بھی ملاحظہ کیجیے۔

مولانا کہتے ہیں جگر مرادآبادی کا شعر کہتے ہوئے ؎

لے ہی پہنچی ہے خودی شوق بزم یار تک
گو مجھے ایک ایک قدم ایک ایک منزل ہوگیا

جس مبارک ساعت کا نہ معلوم کب سے انتظار تھا جس مقدس دیار کے دیدار کو آنکھیں ترستی تھیں، جس پرنور آبادی کی تلاش میں نظریں ہر طرف پڑ رہی تھیں جس کا انتظار ہلال عید کے انتظار سے کم نہ تھا سو مشتاقان دید کی نظروں نے اس کو جالیا، انتظار کی زنجیر ٹوٹی اور منزل مقصود، کوچہ حبیب کے درودیوار سامنے آگئے، ہلال عید کی خوشی اس خوشی کے آگے گرد ہے، نظر کے سائے میں بالکل سامنے وہ چھوٹی سی آبادی مگر رحمت سے بھرپور ہے۔

جس کو آنکھیں ڈھونڈتی تھیں اور دل بے تاب تھا
آگیا وہ مظہر حسن وجمال آہی گیا

گنبد خضراء کے بارے میں مولانا محمد ثانی حسنیؒ لکھتے ہیں:

''پھیلی ہوئی آبادی اور وسط میں مسجد نبوی، پانچ منارے اس میں گنبد خضراء معلوم ہوتا ہے، کہ جیسے انگوٹھی میں نگ ہو، چاروں طرف پروانے ہوں، بیچ میں ایک شمع، ایک چاند اور چاروں طرف تارے''۔

مولانا مرحوم قاری کی توجہ اس دیار پاک کی عظمت کی طرف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خیال تو کیجئے یہ سامنے جو دیار پاک نظر آرہا ہے، یہ کون سی بستی ہے، کیا حقیقت میں یہی پاک طیبہ ہے جس کے دیدار کو لاکھوں آنکھیں ترس گئیں مگر دیدار نصیب نہ ہوسکا، جس کی حسرت میں نامعلوم کتنوں نے جان دے ڈالی، ہزاروں شعراء نے نعتیں کہیں، دفتر کے دفتر سیاہ کرڈالے ہزاروں آرزوئیں ناکام رہیں، آج اس کا دیدار یہ گنہگار آنکھیں کررہی تھیں اسی کے تو دیدار میں شہیدی نے تو یہاں پہنچ کر جان دی اور ان کی دیرینہ تمنا پوری ہوئی ؎

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

زہے قسمت آج وہ دیار پاک نظروں کے سامنے ہے جہاں آج سے تیرہ سو برس پہلے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چلا پھرا کرتے تھے، جہاں صحابہ کرام کے چلنے پھرنے کی آوازیں ابھی تک آتی ہیں''

اور کہتے ہیں:

آج ہم دیارِ محبوب میں ہیں، اللہ اللہ اس کے درودیوار خاک اور خاک کے ذرے سے محبوبیت ٹپک رہی ہے، یہاں پہنچ کر نہ وطن کی یاد ہے اور نہ وطن والوں سے محبت ہے، محبت ہے تو یہیں والوں سے ع

ہم اس کوچہ کے ہر ذرہ کو اپنا دل سمجھتے ہیں

حاصل کلام یہ ہے۔

خاک یثرب از دو عالم خوشتر است

اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر ست

یہ تو تھا مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پہنچنے کا حال، مدینہ میں کیا دیکھا اور کس چیز نے محفوظ کیا اور کس چیز نے متوجہ کیا اور فکر میں ڈالا اسکے بھی چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے۔

مولانا لکھتے ہیں:

''میں ہوں اور مسجد نبوی کا وسیع صحن ہے، صحن میں رملہ پر سیکڑوں لوگ ایک ایک دو دو چار چار چند قدموں کے فاصلے پر بیٹھے یاد خدا میں مشغول ہیں، کوئی تلاوت کلام پاک میں مشغول ہے، کوئی وظیفہ میں، اور ہمارے بعض ہندوستانی سیاسی گتھیاں سلجھانے میں مشغول، ایک دوسرے پر تبصرے تنقید اور تنقیص فرما رہے ہیں، ان کے نزدیک غالباً ان مبارک کاموں کے لیے مسجد نبوی سے بڑھ کر اور کوئی جگہ نہیں، صلوۃ وسلام کے لیے پہلے مردوں کا ہجوم پھر عورتوں کا تار لگتا ہے۔ ایک ایک معلم کے سپرد بیس بیس، دس دس زائرین ہیں، کوئی نماز پڑھ کر قیام گاہ کو جارہا ہے کوئی بیٹھا اشراق کا انتظار کررہا ہے، بہر حال یہ صبح کا وقت مسجد نبوی کا

عجیب پر لطف، دلکش اور دلچسپ ہوتا ہے، پورا رملہ کا حصہ آدمیوں سے بھرا ہوا ہے اور آوازوں سے گونج رہا ہے۔''

حرم نبوی کے دو دلکش وقت کے تحت لکھتے ہیں:

مسجد نبوی کی یوں تو ہر جگہ اور یہاں کا ہر وقت دلچسپ گذرتا ہے، مگر صحن مسجد میں دو وقت ایسے دلچسپ اور سہانے ہوتے ہیں کہ جن کے ذکر سے قلم قاصر ہے، اس کا حقیقی لطف وہی اٹھا سکتا ہے، جس کو یہاں آنا نصیب ہو جائے۔

(۱) بعد نماز فجر (۲) بعد نماز مغرب۔ ان دو وقتوں میں اگر کوئی اس مبارک صحن کا نظارہ کرے تو اس کے دل و دماغ کو ایسی فرحت اور ایسا انبساط ہوگا، جو غالباً بڑی بڑی دلچسپ سیر گاہوں میں نہ ہوگا، یہ ضرور ہے کہ یہ انبساط اسی کے حصہ میں پوری طرح جلوہ گر ہوگا جو خدا اور اس کے رسول کو پیارا اور دینی فضا کو محبوب جانتا ہو۔

ٹھنڈی اور سہانی صبح کو ہزاروں کبوتروں کا اڑنا اور بیٹھنا، ایک ساتھ دانہ چگنا، انسانوں سے مل کر چلنا پھرنا عجب بھلا معلوم ہوتا ہے، جس وقت یہ خوشنما جانور ایک سے ایک جڑ کر بیٹھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ رنگ کا ایک قالین جس پر ہلکے رنگ کے بوٹے جڑے ہیں، بچھا ہے۔ مغرب کو اگرچہ کبوتروں کا پتہ نہیں ہے، مگر بجلیوں کی روشنی کے نیچے انسانوں کا ایک جنگل جو اللہ کی عبادت میں مشغول ہے، آگے صراحیاں رکھی ہیں اور لوگ کہیں جمع ہو کر اور کہیں اکیلے اکیلے عبادت و تلاوت میں محو ہیں''۔

مولانا مرحوم نے جب یہ سفر کیا تھا انہی ایام میں تقسیم ہند کی وجہ سے ہندوستان میں ہولناک فسادات رونما ہوئے تھے اور آباد گھر اجڑ گئے تھے، خون خرابہ اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا، دیار عرب میں جو لوگ تھے خاص طور سے وہ لوگ جو زیارت حرمین کے لیے گئے ہوئے تھے انہیں ان غیر انسانی باتوں پر رنج و ملال کے ساتھ فکر و تشویش تھی، چنانچہ مولانا اس سلسلہ میں ہندوستان کے ماحول اور مدینہ طیبہ کی فضا کا موازنہ کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

''۲رذی قعدہ ۱۳۶۶ھ بروز چہار شنبہ نماز عصر کے بعد سورہ یٰسٓ کا ختم شروع کیا گیا ہے، ہندوستان کے ہولناک فسادات اور ناگوار حوادث کی خبروں سے کافی تشویش ہے، اسی بنا پر یہ ختم شورع ہوا ہے، اللہ اس سورت کی برکت سے اور اس مقدس ذات جو سامنے ہی گنبد خضراء میں آرام فرما ہے اس کی برکت سے اسلام اور مسلمانوں کو غالب اور کفار کو مغلوب فرمائے، مدینہ منورہ الحمدللہ ان تمام شر وفساد سے مامون ہے، نہ یہاں کسی کافر لعین کا کھٹکا، نہ لٹیروں اور فسادیوں سے کوئی خطرہ، نہ آپس کی تفرقہ بازی کا ڈر، نہ کسی میں شر اور دھوکہ، رات بھر گھر کھلا رہتا ہے، کمروں میں بڑے بڑے قیمتی قالین اور کپڑے پڑے رہتے ہیں مگر کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا''۔

لیکن مولانا اس پر رنج وملال کا ظہار کرتے ہوئے ان لوگوں کی شکایت کرتے ہیں جو حرم شریف میں بھی دنیوی باتوں میں اپنے کو مبتلا رکھتے ہیں۔

مولانا کہتے ہیں:

''حجاز پہنچ کر مجھے خوشی ہوئی تھی کہ انشاء اللہ کم ازکم پانچ ماہ تک ہندوستانی سیاسی پارٹی بازی اور فساد واختلاف، گالی گلوج اور تفرقہ بازی سے کان سننے سے اور آنکھیں دیکھنے سے محفوظ رہیں گی۔ کان نہ محفوظ رہ سکے، اول تو طبیعت کے میلان سے دوسرے لوگوں کے ہر وقت انہی باتوں میں الجھے رہنے سے مجبوراً سننا پڑتا ہے''۔

مگر وہ ان ناپسندیدہ باتوں کو ان کی مجبوری قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حرم شریف میں ان سیاسی باتوں اور جھگڑوں سے جو قتل وغارت کی خبروں سے پیدا ہوگئے ہیں، جی بہت الجھتا ہے مگر یہ تذکرہ کرنے والے اپنے تعلق اور اپنی مصیبتوں کی وجہ سے تذکرہ کرنے پر یقیناً معذور ہیں۔''

حاجیوں کی حالت زار پر مکہ جو اتنے مہتم بالشان فریضہ کو ادا کرنے آئیں اور وہ اس کے آداب واحکام سے نہیں، دین سے بالکل نا آشنا ہوں، فکر وتشویش ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں آج تعلیم کے سلسلہ میں چند حجاج کے پاس گیا، ان حجاج کی حالت کو دیکھ کر تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت کا بہت زائد احساس ہوا، حقیقت میں بڑے رنج کی بات ہے، کہ اتنے بڑے فریضہ کو انجام دینے آئیں اور باوجود ساٹھ سالہ وستر سالہ سن کے کلمہ تک سے نا آشنا ہوں اور فاتحہ تک نہ پڑھ سکیں ''فوا أسفاه علی الذین لا یعلمون ولا یعملون''.

حجاج کی دین سے غفلت وناواقفیت یا خوش اعتقادی میں حد اعتدال کو پار کر جانے پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان کے پڑھے لکھے علماء بھی ان کو نہیں بتاتے ہیں، انہیں تمام کاموں کے لیے الحمد للہ تبلیغی جماعت پورے انہماک اور خلوص سے ان کی خدمت کر رہی ہے، ہر سنیچر کو ایک ہندوستانی اجتماع مقرر کیا جاتا ہے، عصر بعد ہندی حجاج کو خوشامد کر کے ایک مکان میں مجتمع کیا جاتا ہے اور ان کو یہاں آنے کا صحیح مقصد بتایا جاتا ہے۔

مولانا مرحوم سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے مزار کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

سامنے سیدنا حمزہؓ کا مزار ہے ہم لوگ فاتحہ میں مشغول ہیں، حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کے چہیتے چچا اور سید الشہداء ہیں ان کی شہادت پر رسول اللہ ﷺ کو بہت زائد رنج ہوا تھا، کفار نے بری طرح ان کو شہید کیا اور مثلہ کیا گیا۔ آپ جنگ احد میں شوال ۳ھ میں شہید ہوئے۔

بکت عینی وحق لھا بکائھا
ومایغنی البکاء ولا العویل

مولانا جبل احد پر چڑھے، جبل رماۃ پر گئے، محل راحۃ النبی کا بھی تذکرہ کیا جہاں نبی کریم ﷺ نے آرام کے خاطر ٹیک لگایا تھا، مدفن دندان مبارک ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مزار حمزہؓ کے سامنے حضور ﷺ کے دندان مبارک کا مدفن ہے، پہلے گنبد بنا تھا، سعودی حکومت نے اس کو ڈھادیا مدفن شایا کے قریب کھڑے ہوکر ہم لوگ باتیں کررہے تھے بیٹری میرے ہاتھ میں تھی تھوڑی دیر کے بعد بیٹری گری اور اوندھی گری شیشہ ٹوٹ گیا، عجیب بات ہے، کئی بار گری مگر کہیں نہ ٹوٹی اس جگہ گر کر ٹوٹ گئی۔

مدینہ طیبہ میں گرمی کے متعلق لکھتے ہیں:

''آج گرمی ہے فارغ الہند صاحب تشریف لائے، فارغ الہند کے متعلق معلوم ہوچکا ہے کہ یہاں کی اصطلاح میں وہ بادل ہے جو ہندوستان میں برس کر خالی آئے اور یہاں نہ برسے اس سے گرمی بڑھ جاتی ہے اور ہوا رک جاتی ہے''

موسم گرم ہو یا سرد لیکن مسجد نبوی میں آنے جانے والوں میں کوئی فرق نہیں آتا ان کا تانتا بندھا رہتا ہے مولانا اس کی منظر کشی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آج بہت سے حجاج آئے اور بہت سے گئے اگر مسجد نبوی کا ایک کونہ خالی ہوتا ہے تو دوسرے کونے بھر جاتے ہیں: پنجوقتہ نماز کے بعد مواجہ شریف سے لیکر باب السلام تک ہزاروں عاشقان رسول کا جوش مارتا ہوا سمندر ہوتا ہے۔ صلوۃ وسلام کی آوازیں ایسی گونجتی ہیں جیسے لاکھوں شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں''۔

یہ تھا ۱۹۴۷ء کے پہلے سفر حج کا حال جس سفر کی آپ نے بڑے اہتمام سے روداد لکھی تھی۔ اس سفر سے واپسی پر ممبئی میں انہیں اپنی صاحبزادی سیدہ امامہ حسنی کی ولادت کی خوشخبری ملی تھی۔

دوسرا اور آخری سفر حج

آپ کا دوسرا سفر حجاز ۲ رسال بعد ۱۹۴۹ء میں اس وقت پیش آیا جب مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے اپنے ساتھ حج بدل کے طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب کیا تھا، انہوں نے رفاقت کا ایسا حق ادا کیا کہ جس سے مولانا مدظلہ ان کے فضل وصلاح کے معترف نظر آتے ہیں، وفات کے بعد ان کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''ہماری بڑی خواہش وتمنا تھی کہ کسی ایسے صاحب علم اور صاحب دل بندے کی رفاقت ہو جو حج کر چکا ہو، میں نے مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کا انتخاب کیا وہ میرے عرض کرنے پر بخوشی تیار ہو گئے اس سفر مبارک کی رفاقت نے راقم سطور کو ان کا بہت زیادہ معتقد بنا دیا۔''

اس سفر کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس میں بھی دعوت وتبلیغ کے تقاضے پیش

نظر رہے اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی اس موقع پر حج کے لیے آئے تھے اور انہوں نے بھی دعوت وتبلیغ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا تھا اور صرف یہی نہیں اپنے کو تبلیغی جماعت کے اصولوں کا پابند رکھ کر اس کے امیر کی امارت میں کیا تھا چونکہ اس وقت امیر وہاں مولانا مفتی زین العابدین صاحب لائل پوری تھے اس لیے ان سے اس کی صراحت بھی کر دی تھی اور کوئی اگر خواہ وہ بڑی مقتدر شخصیت ہی کیوں نہ ہوتا دعوت دیتا تو صاف کہہ دیتے کہ امیر صاحب سے اجازت لے لیجئے!

دوسری خاص بات مولانا کی انفرادی تھی جس کی طرف مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اپنے مضامین میں ذکر کیا ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مدینہ منورہ میں مقیم ایک مجاز وخلیفہ نے بے طلب اپنی روشن ضمیری سے ان کی طبیعت کی سلامتی اور فطرت کی سادگی کو دیکھ کر مجاز بنایا تھا"۔(۱)

افسوس کہ مولانا نے اس دوسرے سفر حج کی روداد تحریر نہ کی البتہ اپنے تیسرے اور آخری سفر حجاز کی روداد تحریر کی مگر وہ سفر حج نہیں تھا۔آپ صرف عمرہ کر کے تشریف لے آئے تھے۔"

مولانا عبداللہ عباس ندوی ان کے نام کی مناسبت سے ان کے دوسرے سفر حج کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"جو نعمتیں پائیں وہ دوہری تھیں، نام محمد ثانی تھا، ہر نعمت اول کے ساتھ ثانوی بھی ملی، درجہ کے اعتبار سے نہیں عدد کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں سہارن پور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مجاز ہوئے اور مدینہ مقدس میں حضرت تھانویؒ کے ایک خلیفہ (شاہ محمد موسیٰؒ) نے بلا طلب بلا طویل صحبت کے اجازت دی، آنکھ سے تاڑا اور دل پر اثر انداز ہو گئے، فارغ

(۱) مقدمہ "لبیک اللھم لبیک: ۱۵، مطبوعہ مکتبہ اسلام، لکھنؤ

التحصیل ندوۃ کے تھے، اور سہارن پور کے بھی، ذوق ادبی تھا اور
دینی بھی، حج بھی انہوں نے دو کیے۔
مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اپنے ایک سفر حج میں ان کو اپنا رفیق بنا
یا، مولانا نعمانیؒ فرماتے تھے لکھا بھی ہے اور زبانی مجھ سے فرمایا
بھی تھا کہ مکہ مکرمہ پہنچے طبیعت بسط کے بجائے قبض کی طرف ما
ئل تھی، ایک روز ایک نو جوان کو در کعبہ سے چمٹا ہوا روتے بلکتے
دیکھ کر دل کا غبار دور ہو گیا اور طبیعت کو بسط حاصل ہو گیا، وہ نو
جوان یہی مولانا محمد ثانی تھے رحمۃ اللہ علیہما۔(۱)

اس سفر حج کی ایک خاص بات یہ تھی کہ سید الطائفہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حج میں تھے، اور تبلیغی جماعت کے ساتھ اپنے کو شامل کرالیا تھا، جس کے وہاں امیر مولانا مفتی زین العابدین لائل پوریؒ تھے، اور امیر کی سمع وطاعت کا پورا خیال رکھتے تھے، حالانکہ ان کی بڑی حیثیت اور وہاں کے اعیان میں اچھا تعارف تھا، اس سے تبلیغی جماعت کو بڑی تائید وتقویت حاصل ہوئی۔

حاجی عبدالقیوم صاحب گونڈہ کہتے ہیں کہ:

''۱۹۴۹ء کے حج میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا
محمد ثانی حسنی اور قاری عبد الوہاب صاحب بانی مدرسہ فرقانیہ
گونڈہ، حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی کے ساتھ میرے والد ماجد
حاجی محمد یاسین خاں صاحب بھی تھے، اس کا تذکرہ حضرت
مولانا محمد منظور نعمانی نے اپنی کتاب ''تحدیث نعمت'' میں کیا
ہے، والد صاحب مرحوم اس حج کی باتیں بتاتے اور وہ مولانا محمد
ثانی حسنی صاحب کے متعلق فرماتے وہ بہت بلند شخص تھے، یہی

(۱) مقدمہ میزاب رحمت

حاجی محمد یاسین خاں صاحب مرحوم ہیں جن کی تحریک پر یہ سفر حج ہوا، انہوں نے مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو تیار کیا اور انہوں نے مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کو تیار کیا۔"

اس کی تفصیل حضرت مولانا محمد منظور نعمانی علیہ الرحمہ کے قلم سے مولانا محمد ثانی حسنی پر ان کے مضمون میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

تیسرا اور آخری سفر حجاز اور عمرہ کی سعادت

اس سفر میں بھی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ ہمراہ تھے یہ سفر فروری ۱۹۸۱ء میں پیش آیا مولانا مرحوم ایک مدت کے بعد حجاز مقدس تشریف لے گئے تھے، وہاں پہنچے تو مولانا کو پوری دنیا بدلی ہوئی نظر آئی، کتنی چیزیں منہدم کر دی گئی تھیں اور کتنی وجود میں آئی تھیں، رستوں اور جگہوں میں تبدیلی رونما ہو چکی تھی مولانا بڑے افسوس کے ساتھ پرانی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"۱۹۴۷ء کے سفر میں دیار حرم میں بہت کچھ پرانی قدریں موجود تھیں، مغربی تہذیب کی نہ اتنی یورش تھی نہ اتنی ظاہری چمک دمک، نہ پٹرول کی اتنی فراوانی، نہ کاروں اور ہوائی جہازوں کی اتنی کثرت، نہ باہر سے آئے ہوئے قدردانوں اور ناقدروں کا ہجوم جو اس وقت ملازمت کے خاطر یا تجارت کی ہوس میں اس دیار پاک کے ادب و احترام سے نابلد بن کر امنڈتا چلا آرہا ہے"۔

حرم مکی اور مدنی میں جو کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں اور اس سے متصل مکانات و عمارتوں، گلیوں اور بازاروں، اور رباطوں کا صفایا کر دیا گیا، آثار قدیمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ مولاناؒ ان باتوں کی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد کثرت حجاج و آبادی کو بڑا سبب بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ایسی ایسی تبدیلیاں واقع ہو گئی ہیں جو پہچاننے میں نہیں آتیں،

خصوصاً منیٰ میں رمی جمرات کی جگہ پل بنا دیے گئے ہیں کہ ایک
ساتھ ہزروں حجاج رمی کرسکیں اور کوئی حادثہ نہ ہو، آبادی کے
بڑھنے کے ساتھ ساتھ حجاج کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے ۱۹۴۷ء میں
سوالاکھ تھی ۱۹۸۱ء میں اٹھارہ لاکھ ہوگئی''۔

دوسرا سبب سعودی حکومت کی سختی وخشکی کو بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سعودی حکومت کی سختی اور خشکی کی وجہ سے اکثر مبارک آثار ختم
ہوگئے، سقیفۂ بنی ساعدہ جہاں خلافت اولی کی بنیاد پڑی تھی اور
ترکی زمانہ سے اس کا نشان موجود تھا اب ایک تکونے پارک کی
شکل میں ہے اوراس پر کوئی نشان نہیں کہ اجنبی آدمی یہ سمجھ سکے کہ
یہاں یہ تھا، یہاں وہ تھا، ایسے موقع پر یہ شعر یاد آتے ہیں:

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی
بتاتا باغباں رورو یہاں غنچہ وہاں گل تھا''

مولانا اب جب ایک طرف طویل عرصہ کے بعد حرم شریف میں داخل ہوئے تو انہیں اس مقدس دیار میں اپنی گذشتہ آمد اور ہر چیز میں جدت اور فرق نظر آیا مگر نہیں آیا تو وہ موذن کی اذان اور امام کی قرات میں جس سے مولانا پر کیف طاری ہوگیا۔

وہ لکھتے ہیں:

''مؤذن اور امام کی کی دلکش وپرنور آوازوں سے تیس سال پہلے
کی آمد تازہ ہوگئی'' مولانا میدان احد گئے تو جنگ احد کا شنیدہ
منظر وحال آنکھوں کے سامنے آگیا اور اسی خیال میں آپ
تھوڑی دیر کے لیے گم ہوگئے''۔

''سیدنا حمزہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ اور عبداللہ بن جحشؓ کا خیال آتے ہی دل پر اثر پڑا اور جو آج گلی کوچے بنے ہیں اور جہاں موٹریں دوڑ رہی ہیں، بچے کھیلتے رہتے ہیں، بکریاں بھاگتی پھرتی ہیں وہ ۱۳۰۰ سو سال پہلے ۳ ھجری میں میدان جنگ بنا تھا اور تلواریں چل رہی تھیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت حمزہؓ کس بے دردی سے شہید کئے گئے تھے، یہی وہ جگہ ہے جہاں حضورﷺ نے فرمایا "فداک ابی وامی" یہی وہ جگہ ہے جہاں دندان مبارک شہید کئے گئے اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا''

مزید لکھتے ہیں:

جبل احد اب وہ جبل احد نہیں ہے جو ہم ۳۱ رسال پہلے دیکھ چکے تھے اب حال یہ ہے کہ دامن احد تک آبادی ہے اور ایک قصبہ معلوم ہوتا ہے''

مواجہ شریف پر حاضری کا حال مولانا اس طرح لکھتے ہیں:

''مواجہ شریف پر سلام کے لیے حاضر ہوئے، آنسو جاری تھے اور زبان پر صلوۃ وسلام کا ورد تھا، خصوصا ماموں جی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پر عجیب کیف طاری تھا، ہچکیاں لے رہے تھے اور سلام پڑھ رہے تھے''۔

مواجہ شریف حاضری کے بارمیں مزید رقمطراز ہیں:

''مواجہ شریف پر بکثرت آدمی تھے، ایک شخص جو عرب معلوم ہورہا تھا جالی کے پاس چیخ چیخ کر رو رہا تھا، سپاہی اس کو پیچھے کررہے تھے مگر وہ بے قابو تھا اس کو چیختا اور ڈاریں مارتا ہوا دیکھ کر دوسرے بھی رو پڑے، ہم پر بھی مواجہ شریف پر بعض وقت عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور کون مسلمان ہے جس پر یہ کیفیت طاری نہ ہوتی ہو، ہماری زبان پر بار بار اپنے ہدیہ سلام

کا یہ پہلا بند آجاتا ہے"۔

وہ رسالت مآب اور شہ دوجہاں
پاک نام آپ کا لے یہ گندی زباں
ہے مجال اس کی کیا اور جرأت کہاں
اک خیال آگیا اور آنسو رواں
سید ولد آدم وہ خیرالانام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

اور کبھی کبھی منکرین رسالت کی طرف ذہن چلا جاتا ہے اور حضرت حسان ابن ثابتؓ کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آجاتا ہے ۔

فان ابی ووالدہ وعرضی
لعرض محمد منکم وقاء

مسجد نبوی کی حاضری کے آخری دن کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

برابر یہ شعر زبان پر آتا رہا

ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

مدینہ طیبہ سے نمدیدہ رخصت ہو کر مکہ مکرمہ جب تشریف لائے تو مولانا کی طبیعت کعبہ مشرف کے قریب ایسے وقت جانے کے لیے مضطرب رہی کہ جب وہاں لوگ کم سے کم ہوں اور آپ یہاں اپنی حاضری کو صحیح طور پر وصول کر سکیں، چنانچہ ۱۲ بجے رات کو ایک رفیق کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ گئے جب اکثر لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں، مولانا کہتے ہیں:

"کھانے کے بعد ہم لوگ لیٹ گئے، ۱۲ بجے اٹھ کر افتخار صاحب کے ساتھ حرم آئے، مطاف تقریباً خالی تھا۔ ۸ طواف

کئے اور ۴۰/ بار حجر اسود کو بوسہ دیا ملتزم پر دعائیں کیں اور تہجد ادا
کی، آج کی رات بڑی عجیب سی لگی، زبان حال کہہ رہی تھی ع

ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ(۱)

افتخار صاحب نے کہا کہ رات کو مولانا علی میاں طواف کر رہے تھے اور پڑھ رہے تھے ع

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیة من عرار

یہ تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی آخری حاضری کا اپنا حال تھا وہ حرم شریف کے دلکش منظر اور وہاں کی ایمان پرور فضا کی حاضری کا حال بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"علماء کی مجلسیں ہوتیں، مدرسین جگہ جگہ حلقہ بنائے درس دیتے، طواف کرنے والوں کی آوازوں، ملتزم پر رونے والوں کی ہچکیوں، حجر اسود پر پروانہ وار گرنے والوں کے بوسوں اور استلام، زمزم پینے والوں کا بئر زمزم پر ہجوم اور پلانے والے دول سے زمزم پلاتے اور لوگ پیتے تھے، اور ان کی زبان حال پر ہوتا ؎

مرے ساقیا مرے ساقیا تجھے مرحبا تجھے مرحبا
تو پلائے جا تو پلائے جا اسی چشم جام بجام سے

مولانا کے سفرنامہ کے یہ چند نمونے ہم نے پیش کئے جس میں پورا ایمانی جذبہ اور درد پایا جاتا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نے کتنی دلسوزی اور درد و تڑپ کے ساتھ اور کیسی عقیدت و محبت میں ڈوب کر حرم، حدود حرم، اور مقامات حرم کا بڑے ہی خوبصورت اور دلآویز اسلوب میں ان واردات قلبی کا ذکر کیا ہے، جس میں ادب کی پوری حلاوت اور چاشنی نظر آتی ہے، کسی بھی چیز کو اس کے نمونوں سے سمجھنا آسان ہوتا

(۱) حقیقت میں یہ شعر آپ پر پورے طور سے صادق آیا، ایک دن کے بعد آپ اس دیار مقدس سے اپنے وطن اور ٹھیک ایک سال کے بعد ۱۶/ فروری ۱۹۸۲ء کو اس دار فانی سے دار بقاء کوچ کر گئے۔ رحمہ اللہ تعالی وغفرلہ وتقبل خدماتہ

ہے، ہم اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولانا کا یہ سفرنامۂ حج وزیارت اپنے خاص ادبی اسلوب، طرز نگارش اور جذبۂ ایمانی ودلسوزی کی وجہ سے نمایاں مقام رکھتا ہے۔(۱)

''تعمیر حیات'' سے عمرہ کے اس سفر کے متعلق جو رپورٹ دی وہ اس طرح تھی:

> ''حضرت مولانا علی میاں اور مولانا سید محمد ثانی حسنی ۲/فروری ۱۹۸۱ء کو سعودی عرب میں رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے رسالۃ المساجد اور دیگر اہم جلسوں میں شرکت کی غرض سے گئے تھے، آپ اس سفر میں ریاض بھی گئے، اور حرمین شریفین کی بھی زیارت کی، ۶/مارچ ۱۹۸۱ء کو بیرونی سفر سے واپس آگئے''۔(۲)

البتہ مولانا محمد ثانی حسنی ریاض نہیں گئے، حضرت مولانا نے انہیں حضرت شیخ الحدیث سے استفادہ کے لیے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کو کہا تھا۔

---

(۱) یہ مقالہ اورنگ آباد مہاراشٹر میں رابطۂ ادب اسلامی کے زیر اہتمام ''ادب الرحلات'' کے موضوع پر ہوئے سیمنار میں پڑھا گیا اور پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ میں تین قسطوں میں ۲۵/۱۰ مارچ اور ۱۰/ اپریل ۱۹۹۷ء میں شائع ہوا اور اشاعت سے قبل اس پر ازراہ شفقت حضرت اباجان قدس سرہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے بھی نظر ڈالی تھی کہ اول اور پھر آخر سفر حجاز انہی کے مرافق کے طور پر ناناجان مولانا سید محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ نے کیا تھا۔(م)

(۲) تعمیر حیات، مارچ ۱۹۸۱ء

ساتواں باب

ماہنامہ ''رضوان'' کی ادارت

مولانا محمد ثانی حسنی کے دو مشغلے تھے جو انہوں نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاری کئے، ایک تجارت، دوسرا دعوت و تبلیغ، تجارت کے طور پر ایک دکان کی جہاں چھٹکر سامان ملتا اور ضرورت بھر کی آمدنی ہو جاتی، زیادہ نفع کے بجائے دوسروں تک بہ آسانی سامان پہنچانے کا جذبہ اور ضرورت مندوں کے کام آنے کا خیال رکھ کر یہ کام کرتے، پھر انہوں نے سامان تجارت بدل دیا اور اپنے بڑوں کے مشورے سے کتابوں کی تجارت کرنے لگے اس کی طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے اشارہ دیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ نافع علم کی صفت بھی حاصل ہو اور داعیانہ کردار بھی قائم رہے چنانچہ مکتبۂ اسلام کے نام سے خالص دینی کتابوں کی خرید و فروخت اور اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جس میں اللہ نے بڑی برکت دی پہلے وہ مختلف مکتبوں کی کتابیں رکھتے تھے اور پھر خود کتابوں کے ناشر بھی بن گئے اور ایسی کتابیں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جن سے معاشرہ میں انقلاب آیا اور لوگوں کا دینی مزاج بننا شروع ہوا اور یہ ایک تفصیلی موضوع ہے جس کی جگہ دعوت و تبلیغ کا باب ہے۔

خواتین کے لیے دینی رسالہ کی ضرورت، ماہنامہ رضوان کا آغاز اور اس کا پیغام

۱۹۵۶ء میں اس بات کے تقاضہ نے زور پکڑا کی خواتین کی تربیت و اصلاح کا

میدان بالکل خالی پڑا ہے ان میں کام کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ ایک رسالہ کا اجرا ہو جو ہر ماہ پابندی سے نکلے اور اس کی خریدار عورتیں بنیں، عورتوں میں جیسے جیسے دین راسخ ہوگا ویسے ان کی اولاد دین والی بنیں گی۔

مولانا سید محمد الحسنی جو آپ کے ماموں زاد بھائی اور برادر نسبتی تھے اس کے زیادہ محرک اور داعی تھے اور ان کو اپنے تعاون کا پورا یقین دلاتے تھے وہ ایک سال پہلے عربی مجلّہ ''البعث الاسلامی'' کے نام سے نکال کر عربوں کو دعوت فکر و عمل دینے کا کام اپنے پرجوش اداریوں اور اپنے عم مکرم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے فکر انگیز مضامین و مقالات سے انجام دینا شروع کر چکے تھے، ان کے ساتھ لکھنے والوں کی ایک جماعت تھی جس میں ان کے بھائیوں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے علاوہ خاص رفقاء و احباب میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی، ڈاکٹر محمد راشد اعظمی اور دوسرے لوگ تھے یہ سب مولانا سید محمد ثانی حسنی کے بھی معاون ہوتے۔

دسمبر ۱۹۵۶ء میں پہلا شمارہ لکھنو سے اسی مقام اور گھر سے نکلا، جس مقام اور گھر سے ایک سال قبل البعث الاسلامی نکلا تھا اور ان ہی بزرگوں کی سرپرستی میں نکلا جن کی سرپرستی میں البعث الاسلامی نکلا تھا، یعنی مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی ندوی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔

گوئن روڈ اور کچہری روڈ امین آباد کے قریبی محلے ہیں اس کی گلی محمد علی لین کی خوش قسمتی تھی کہ ان دو پرچوں کے ساتھ یہیں الفرقان کا بھی دفتر تھا جس کے مدیر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور النجم کا بھی دفتر تھا جس کے مدیر مولانا عبدالمومن فاروقی اور سرپرست امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی تھے، بعد میں رضوان اسی مقام پر رہا، لیکن یہ تینوں رسالوں کے مقام نشر و اشاعت بدل گئے، البعث الاسلامی ندوۃ العلماء منتقل ہوگیا اور الفرقان نظیر آباد منتقل ہوگیا اور

النجم نکلنا ہی بند ہو گیا۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے، ان سب رسالوں کے پیش نظر بلند مقاصد تھے جو دوسرے سے ٹکراتے نہیں تھے، البعث الاسلامی قومیت عربیہ کے مقابلہ کے لیے اسلامی وحدت کے نعرہ کے ساتھ اس پیغام کے ساتھ نکلا کہ "شعارنا الوحید الیٰ الاسلام من جدید" "الفرقان" حق و باطل کے فرق کو ظاہر کرنے کے لیے اصلاً بدعت جو بریلویت کا مذہب اختیار کیے جا رہی تھی نکلا اور دینی بیداری پیدا کرنے کے لیے اس کے مضامین و مقالات نے برصغیر میں ہلچل مچا دی، یہ بریلی سے نکلا پھر وہاں سے لکھنو منتقل ہوا، جہاں تک النجم کا تعلق ہے اس کے سامنے اصل ہدف شیعیت و رافضیت تھا اور اس کے سرپرست جو پہلے اس کے مدیر تھے حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی تھے، ایک گلی چھوڑ کر قبر ماموں بھانجہ والی گلی خاتون منزل سے مولانا عبدالماجد دریا آبادی "صدق" نکال رہے تھے جو پہلے سچ کے نام سے نکلتا تھا اور دنیائے صحافت میں اس کا غلغلہ تھا۔ اور یہ مغربی فکر و فلسفہ اور مغربی تہذیب و کلچر کی دھجیاں اڑا رہا تھا، ان مشہور و مقبول اور معیاری رسالوں اور جرائد میں "رضوان" نے بھی بہت جلد ایک نام پیدا کر لیا اور دور دور اس کی شہرت ہوتی چلی گئی، مولانا محمد ثانی حسنی کی خالہ معظمہ جو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ہمشیرہ محترمہ تھیں، سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ وہ معاون مدیر قرار پائیں، رسماً اور اعزازاً نہیں بلکہ عملی طور پر ان کی قلمی معاونت اس پرچہ کو بڑی زینت بخش رہی تھی، حدیث کی روشنی ان کا مستقل کالم تھا، اس کے علاوہ حالات حاضرہ سے متعلق اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے ان کے بڑے قیمتی مضامین و مقالات "رضوان" میں شامل ہوئے اور پھر اس پر مستزاد ان کی حمد، و مناجات، نعتیں اور نظمیں بڑی ولولہ خیز اور شوق انگیز ہوتیں اور یہ صاف محسوس ہوتا کہ یہ کسی عام فرد یا عام خاتون کا لہجہ اور اسلوب نہیں کسی انقلابی شخصیت کا ہے، جو درد دل اور خون جگر سے کہہ رہی ہے ؎

نقش ہے سب ناتمام خون جگر کے بغیر
عشق ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر

خواتین کا قلمی اشتراک وتعاون

خواتین میں ان کے علاوہ ان کی والدہ اور مولانا محمد ثانی حسنی کی نانی مخدومہ خیر النساء بہتر صاحبہ کے اشعار، اقوال، ہدایات اور عورتوں کے تعلق سے دوسری تربیتی چیزیں ہوتیں، مولانا محمد ثانی حسنی کی والدہ معظمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ بھی کچھ نہ کچھ لکھتیں اور ان تینوں اور مولانا محمد ثانی حسنی کی اہلیہ کا سلسلہ وار مضمون ''میری بے زبان استانیاں'' بھی شائع ہوا، اور بعض دوسری دین وملت کا درد رکھنے والی خواتین بھی اس میں حصہ لیتیں جن میں خاص طور سے بیگم سید اصغر حسین مرحوم کا نام قابل ذکر ہے ان مضامین نے عورتوں کے اندر مطالعہ کا جذبہ پیدا کیا اور بڑی دینی رہنمائی کا کام کیا۔

مولانا محمد ثانی حسنی کی اہلیہ اور ان کی بہنیں یعنی مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی کی سبھی صاحبزادیاں بھی اپنے مضامین بھیجتیں۔اور مولانا محمد ثانی حسنی ان کو اہمیت دیکر شائع کرتے ، گھر کے ان لڑکوں اور لڑکیوں یعنی طلبہ وطالبات نے بھی قلم اٹھائے اور بہت کم عمری سے مضامین لکھنے لگے، جن میں ذرا بھی اس کا شوق اور چنگاری تھی۔

رضوان کے نکلنے سے پہلے امرتسر وجالندھر سے ایک رسالہ ''مسلمہ'' عورتوں کے لیے نکلا کرتا تھا، اس میں بھی ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی صاحب کی صاحبزادیاں اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مضامین لکھ لکھ کر بھیجا کرتی تھیں۔

ماہنامہ ''رضوان'' میں دوسری لائن مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے سامنے ہی تیار کردی اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی وفات کے بعد اپنے صاحبزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی کو شریک ادارت کرلیا اور ان کی بہن (راقم کی والدہ مرحومہ) سیدہ امامہ حسنی اور ان کی اہلیہ سیدہ میمونہ حسنی (جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی صاحبزادی ہیں) کو معاون کے طور پر شامل وشریک کرلیا۔

ماہنامہ ''رضوان'' مولانا محمد ثانی حسنی کی زندگی میں اور وفات کے کچھ عرصہ بعد تک چھوٹے سائز میں چھپتا رہا، لیکن دنیا کے مختلف ملکوں میں لوگ اس کے خریدار رہے اور اس کے قارئین بڑے ذی علم لوگ اور اعلی طبقہ کے افراد سے لیکر عام حیثیت کے لوگ اور بڑی تعداد میں خواتین تھیں، بلاد عربیہ، یورپ، امریکہ، افریقہ اور پڑوسی ممالک، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ میں یہ رسالہ پہنچتا اور اس کا انتظار بڑے شوق و ذوق سے لوگ کرتے اور اس کی فائل بنا کر رکھتے، راقم کو اس وقت خاص طور پر بڑی مسرت ہوئی جب اس نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی مخصوص لائبریری ان کے مکان کچہ گھر سہارن پور میں ان کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی زید مجدہم کے اشارے پر دیکھی جو حضرت شیخ کے نواسہ مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری مدظلہ کی نگرانی میں ہے تو ماہنامہ ''رضوان'' کی فائلیں دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا، اسی طرح ممبئی میں ایک تعارف میں وہاں کے ماہر دندان ڈاکٹر داؤد صاحب نے ''رضوان'' سے اپنے والہانہ لگاؤ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے سبھی شمارے اس کے آغاز سے لیکر آج تک کے میرے پاس موجود ہیں اور میں نے تو اسی لیے اپنے بڑے بیٹے کا نام ''رضوان'' رکھا ہے۔ اللہ تعالی جزائے خیر دے ہمارے انجینئر محمد عثمان صاحب (حیدرآباد) کو کہ انہوں نے اس کے سبھی شماروں کو (سی ڈی) میں محفوظ کر کے اس کے افادہ کو عام کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ اور اس پر بڑی حد تک اس طرح عمل بھی ہوگیا ہے جو فائلیں یا شمارے موجود تھے ان کا عکس سی ڈی اور ڈی وی ڈی میں لے کر محفوظ کرلیا گیا ہے، اور مولانا اسماعیل بھولا ندوی اس کی حفاظت اور اشاعت کا الگ منصوبہ رکھتے ہیں۔

مولانا محمد ثانی حسنی جب مدینہ منورہ فروری ۱۹۸۱ء میں اپنے خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ساتھ گئے تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی خدمت میں بار بار حاضری دیتے، اسی موقع پر اپنے کرم فرما انجینئر سید حسن عسکری

طارق صاحب کے مکان پر بھی وہ گئے جو حضرت شیخ کے مخصوص لوگوں میں اور خدام میں تھے وہاں امیر علی قریشی صاحب سے ملاقات ہوئی، جو اصلاً پاکستان کے رہنے والے لیکن اب مدینہ منورہ میں مقیم اور رضوان کے بڑے شائق، دلدادہ اور اس کی اشاعت وفروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے تھے۔(۱)

مولانا محمد ثانی حسنی نے ان سے ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے ''رضوان'' سے تعلق کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رضوان کا پیغام کہاں کہاں کس کس طرح پہنچا۔

مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

''طارق صاحب کے گھر گئے، طارق صاحب کا گھر مختصر مگر خوبصورت ہے اور آرام دہ چیزیں موجود ہیں، آج کے کھانے میں ایک صوفی صاحب بھی شریک ہیں، ان کا تکیہ کلام ''استغفر اللہ'' ہے، ہر جملہ پر استغفر اللہ کہتے ہیں، خوشی کی بات ہو، رنج کا موقع ہو، استغفر اللہ ضرور کہتے ہیں، لوگوں نے ان کا نام صوفی استغفر اللہ رکھ دیا ہے، وہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کی خدمت میں رہے ہیں، حضرت رائے پوری کے مرید ہیں، حضرت شیخ کی خدمت میں آتے جاتے اور خدمت کرتے ہیں، زاہد وقانع، خدمت گزار اور ذاکر شاغل ہیں، آج انہوں نے ایسے ایسے واقعات سنائے اور استغفر اللہ کا استعمال اس طرح کیا کہ سارے حاضرین مجلس ہنستے رہے کسی طرح ہم کو محسوس ہوا کہ ان کو ہم نے کہیں دیکھا ہے، ہم نے نام پوچھا کہنے لگے، امیر علی قریشی، آپ کا وطن؟ بولے ملتان، ہم نے جھک کر سلام کیا اور عرض کیا آپ سے ہم ملتان میں ملے ہیں آپ وہی معلوم ہوتے

---

(۱) راقم کی ملاقات ۲۰۰۲ء کے سفر حج میں ان سے میدان عرفات میں ہوئی، افسوس کہ کئی سال ہوئے وہ وفات پاچکے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ہیں، جو رضوان بہت منگواتے تھے اور اس کے بڑے قدر داں
تھے، بولے میں وہی امیر علی ہوں، بس پھر کیا بہت گھل مل گئے،
غرض کہ آج کی مجلس گلزار بن گئی۔(۱)

مولانا عبدالقوی حیدرآبادی (ناظم مدرسہ اشرف العلوم و مدیر اشرف الجرائد حیدرآباد) نے راقم السطور سے ایک ملاقات میں فرمایا:

''ہمارے گھر میں ہر کتاب اور رسالہ کے آنے کی گنجائش نہ تھی
والد صاحب اس میں بہت سخت تھے لیکن رضوان بہت شوق سے
پڑھا جاتا تھا اور اس کا انتظار رہتا تھا۔
اس شمع کو گل ہونے نہ دیجئے''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا تاثر اور پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو رسالہ ''رضوان'' سے اس قدر تعلق تھا کہ جب ان کو یہ محسوس ہوا کہ رضوان مالی دشواریوں کی وجہ سے کہیں بند نہ کرنا پڑ جائے تو انہوں نے اس رسالہ سے اپنے تعلق اور لوگوں کے لیے اس کی ضرورت کو باور کراتے ہوئے ایک طاقتور موثر مضمون سپرد قلم کیا۔ وہ نظر ناظرین کیا جاتا ہے:

ع اس شمع کو گل نہ ہونے دیجئے

ساری دنیا کے مسلمان عمومیت کے ساتھ اور برصغیر ہند و پاکستان کے مسلمان خصوصیت کے ساتھ جس اخلاقی زوال، ذہنی انتشار اور معاشرتی خلفشار کے نازک دور سے گزر رہے ہیں اس پر جن حضرات کی نظر ہے اور مسلمانوں کا موجودہ معاشرہ ان کے سامنے ہے، وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ صورت حال کا ذمہ دار زیادہ تر وہ بگاڑ ہے جو طبقہ نسواں میں تیزی کے ساتھ پھیلتا جا رہا ہے، درحقیقت اس معاشرہ یا سوسائٹی میں اس اخلاقی اور دینی زوال کی رفتار اس وقت سے بہت تیز ہوگئی اور نمایاں طریقہ پر

(۱) ماخوذ از روزنامچہ سفر حجاز فروری ۱۹۸۱ء

سب کو نظر آنے لگی جب سے مسلمان خواتین اور مسلمان بچیوں اور لڑکیوں میں مغربی تہذیب و تعلیم نے اپنا اثر دکھایا، غیر دینی، بلکہ مخالف دین اور مخرب اخلاق لٹریچر، ناولوں اور ترقی پسند رسالوں اور پرچوں نے ان کے دل و دماغ کو متاثر کیا، خدا کا خوف، آخرت کی فکر، حقوق و فرائض کا خیال اور اپنے جذبہ خدمت، انس و محبت اور صبر وقناعت سے، اپنے گھر کو نمونۂ جنت بنانے سے ان کی توجہ ہٹ کر باہر کی دنیا سے لطف و مسرت حاصل کرنے کی طرف مبذول ہوگئی اس وقت سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی خانگی زندگی کو ایک تپ کہنہ لاحق ہوگیا، بلکہ خالص دینی دعوت و اصلاح کے راستے میں بھی ایسی سخت رکاوٹیں اور مشکلات پیش آئیں جن کا عبور کرنا بڑی سے بڑی طاقتور و دینی تحریک کے لیے ناممکن بن گیا، اس لیے کہ باہر کی تمام کوششوں اور جدوجہد پر گھریلو زندگی کا انتشار اور گھر والوں کی بے راہ روی، گھنٹوں اور منٹوں میں پانی پھیر دیتی ہے، پھر وہ بچے جو گھر کی زندگی اور تربیت سے برے اثرات قبول کر لیتے ہیں، کوئی نظام تعلیم ان کی اصلاح نہیں کرسکتا، اگر ماؤں اور گھر والوں کا تعاون کسی دینی درسگاہ یا اخلاقی تحریک کو حاصل نہیں تو اس کی اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

ان سب حقیقتوں کے پیش نظر عرصہ سے اس کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ مسلمان خواتین اور مسلمان لڑکیوں کے لیے کوئی ایسا رسالہ نکالا جائے جو ان کے دل و دماغ کے لیے صحیح دینی غذا مہیا کرے، ان کے دلوں میں دین کی محبت و عظمت اور آخرت کی اہمیت اور فکر پیدا کرے، ان کے سامنے نیک بیبیوں اور باخدا عالم و فاضل، عابد و زاہد مسلمان عورتوں کی زندگی کے نمونے اور کارنامے پیش کرے اور مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کو ان کا بھولا ہوا سبق اور زندگی کا وہ رخ یاد دلاتا رہے، جو نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔

اب بھی خدا کے فضل سے سینکڑوں کی تعداد میں ایسے مسلمان گھرانے ہیں جو ابھی اس سیلاب میں پورے طور پر بہے نہیں، ان کے ضمیر اور دلوں کی روشنی ابھی بجھی نہیں،

البتہ مناسب حال دینی کتابیں اور دینی رسائل نہ پانے کی وجہ سے ان خاندانوں کے سرپرست اور گھروں کی نیک طبیعت اور خداترس مائیں بچوں کی تعلیم وتربیت میں بے بسی محسوس کرتی ہیں اور خود بھی ایسی کتابوں اور رسائل کے لیے مشتاق رہتی ہیں، اس ضرورت کو محسوس کر کے میرے گھرانے کے چند افراد نے دسمبر ۱۹۵۶ء سے رسالہ رضوان جاری کیا۔ جس کو شروع سے اس وقت تک بہت سے دیندار اور باحمیت مسلمانوں کی تائید وسرپرستی اور بزرگوں کی دعائیں حاصل رہیں، مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ اس نے اپنے محدود دائرہ میں رہ کر گذشتہ اکتالیس (۴۱) سال میں بڑا مفید کام انجام دیا(۱) اور اس کے پڑھنے والوں کو اس سے ایک ذاتی اور جذباتی تعلق پیدا ہو گیا اس کے پڑھنے سے بہت سی عورتوں نے اپنی غلط زندگی سے توبہ کی اور اپنے بچوں کی دینی واخلاقی تعلیم کا انتظام کیا اور اس کو ایسے گھرانوں تک پہنچایا جہاں تک اس کی رسائی مشکل تھی، یہاں تک کہ ہندوستان وپاکستان کے علاوہ امریکا اور یوروپین ممالک، عرب اور افریقہ میں بسنے والے بعض ہندوستانی وپاکستانی مسلم گھرانوں میں وہ مقبول ہونے لگا اس سے تعلق رکھنے والے بھائیوں اور بہنوں کی ہمت افزائی سے اس نے کئی خصوصی شمارے بھی نکالے جو بہت مقبول ہوئے اور بہت جلد نایاب ہو گئے۔

ادھر کچھ عرصہ سے مختلف اسباب کی بنا پر سخت مالی مشکلات سے دوچار ہے، جس کی وجہ سے اس کے ذمہ دار مجبور ہو کر اس کے بند کرنے کے مسئلہ پر غور کرنے لگے، لیکن میں نے اور میرے بعض دوستوں اور بزرگوں نے نیز ''رضوان'' سے ذاتی اور جذباتی تعلق رکھنے والے بھائیوں نے اور بہنوں نے زبانی خطوط کے ذریعہ ان کو اس ارادہ سے باز رکھا کہ یہ کسی ملت کے زوال کی بہت بری علامت اور کسی ملک کے باشندوں کے لیے بڑی بدشگونی کی بات ہے کہ .... ایک ایک کر کے ان کے چراغ گل ہوتے اور ان کے ادارے بند ہوتے چلے جائیں، یہ ملت کی نااہلی، پست

(۱) اب یہ رسالہ اپنی عمر کے ۵۷ سال پورا کر چکا ہے اور اس کا سفر تا ہنوز جاری ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔ (مؤلف)

ہمتی، مردہ دلی اور بے حمیتی کی نشانی ہے۔

ہمارے حوصلہ دلانے سے رضوان کے ذمہ داروں نے ہمت کی ہے کہ وہ ایک بار پھر کوشش کریں گے اور رسالہ کو جاری رکھیں گے، اب ہمیں اپنے سب دوستوں اور ان سب لوگوں سے پوری امید ہے جن کے دلوں میں دین کا درد اور اپنی بچیوں اور بہنوں کے اخلاقی اور دینی رجحان کی فکر ہے کہ وہ اس رسالہ کو بند ہونے سے بچائیں گے اور اس کار خیر کے جاری رکھنے بلکہ اس کو وسعت وترقی دینے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

ایسے ہمدردوں کی تھوڑی سی کوشش سے اس رسالہ کو نئی زندگی مل جائے گی اور دین واخلاق کی آواز مسلمان گھرانوں میں پہنچتی رہے گی۔

امید ہے کہ اس اپیل کے پڑھنے والے اس کو اپنا ذاتی کام اور دین واخلاق کی خدمت سمجھ کر اس کے لیے دامے درمے سخنے، قدمے کوشش کریں گے اور رضوان کی توسیع واشاعت اور اس کو مسلم گھرانوں تک پہنچانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی فکر کریں گے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ ابوالحسن علی ندوی

مسلمان نسل کی خدمت کا ایک مؤثر ذریعہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ رضوانی خدمات کے متعلق رقمطراز ہیں:

’’رضوان کو مسلمان خواتین اور متوسط علم وصلاحیت کی مسلم نسل کی خدمت کرتے ۲۷ رسال ہو چکے ہیں اور اس کی عمر کا بیشتر حصہ جو پچیس برسوں پر محیط ہے برادر معظم مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی محنت وفکر مندی اور ادارت میں گذرا، انہوں نے ہی تربیت واشاعت دین کا یہ پودا لگایا تھا اور اپنی خالہ صاحبہ سیدہ امۃ اللہ تسنیمؒ کے تعاون سے نگہداشت اور ترقی کی منزلیں طے کرائیں ان کو اس سلسلہ میں ناسازگار حالات سے بھی سابقہ پڑا اور بعض مرحلوں میں یہ اندیشہ تک پیدا ہو گیا تھا کہ یہ پودا ناسازگار موسم کی باد

صرصر کی نذر نہ ہوجائے، لیکن خدا کا فضل اور احسان ہے کہ یہ پودا جو اب ایک چھوٹا درخت ہے اپنی استطاعت کے مطابق خدمت انجام دے رہا ہے۔

افسوس ہے کہ اس درخت کی نگہداشت کے لیے وہ اولین ہاتھ باقی نہ رہے، پہلے امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کا انتقال ہوا، پھر چند سال بعد ۱۹۸۲ء کے شروع میں مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا بھی انتقال ہوگیا، اس کے بعد اس کی نگہداشت وفکر مندی ان کے صاحبزادہ عزیزی مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی سلمہ کی ذمہ داری میں آئی اور وہ اس کو خوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس تربیتی ودینی کام میں ان کو قوت وکامیابی سے نوازے اور قارئین سے گذارش ہے کہ وہ قدر وہمت افزائی سے اور تعاون سے ساتھ دیں۔

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے اپنی اس زندگی میں جو ''رضوان'' کے ساتھ اور اس کی فکر میں گزاری ''رضوان'' کے ذریعہ قارئین کو اپنی استطاعت کے مطابق اچھے سے اچھا مواد فراہم کیا اور خواتین نیز نوخیز مسلم نسل کے اخلاق وسیرت کا جو معیار ہندوستان کے شریف مسلم گھرانوں میں قائم تھا اسی معیار کے مطابق معلومات ورہنمائی مہیا کرنے کی کوشش کی، دراصل یہ ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت تھی کہ ان کے گھروں کے لیے شریفانہ مسلم کردار کا جو طرز علماء وصلحاء کی رہنمائی میں چلتا رہا تھا اس کو باقی رکھا جائے، خاص طور پر اس لیے بھی کہ یہ ملک ایک آزاد مسلمان ملک نہ ہونے کی بنا پر مذاہب اور تہذیبوں کی

ہواؤں کی زد میں ہے، جس میں اگر مسلمان گھر کو اس کی اپنی صحیح قدروں پر نہ قائم رکھا جاسکا تو وہ کسی بھی دوسری تہذیب و کردار یا بے کرداری کا نشانہ اور بربادی کا شکار بن سکتا ہے اور اس صورت میں ادھر ادھر کے تعاون سے کام نہیں چل سکتا۔

رضوان کا طرز نہ تو انقلابی تھا اور نہ حالات زمانہ کے لحاظ سے ہر وقت تغیر پذیر تھا، وہ مسلم قدروں اور شریفانہ مسلم کردار کا پابند ہو کر چل رہا تھا اور اس کی اسی خصوصیت کی بنا پر اس کو مسلمانوں کے مستقیم السیرت طبقہ کی تائید وحمایت حاصل تھی، اور ہے، اور ہندوستان جیسے ملک کے حالات میں مسلمان گھرانوں کی یہ بڑی ضرورت ہے جس کے لیے سب کو تعاون کرنا چاہیے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے رضوان کے لیے جو اداریے اور مضامین لکھے ان کی سب سے اہم خصوصیت ان کا سادہ اور دلنشیں اسلوب اور افادیت کا حامل مواد ہے، جس سے ذہنوں کی اسلامی و دینی تربیت ہوتی ہے اور آسان طرز پر معلومات بہم پہنچتی ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسلامی اور خوش اسلوب قلم سے مسلمان نسل کی جو خدمت کی ہے وہ رضوان کے بے شمار شماروں میں بکھری ہوئی ہے۔(۱)

اسلامی تعلیمات کا چراغ ہدایت

مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خان صاحب رضوان کے اجرا کو ایک کارنامہ قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ان کا سب سے بڑا کام بلکہ کارنامہ مسلم خواتین کے لیے ماہنامہ

---

(۱) اداریہ رضوان مولانا محمد ثانی نمبر ص ۴، ۸

''رضوان''، لکھنو کا اجرا ہے جس کے ذریعہ انہوں نے ربع صدی تک مسلمان خواتین کی دینی بیداری، معاشرتی اصلاح اور ہمہ جہتی ترقی کا سروسامان کیا اور ان کے لیے ایک متوازن تعلیم وثقافت شستہ وسنجیدہ لٹریچر کی فراہم کا کامیابی کے ساتھ بیڑا اٹھایا، تعلیم وآزادی نسواں کے چلے ہوئے فیشن اور کھوکھلے نعروں کے سیلات کے مقابلے میں انہوں نے اصلاحی واخلاقی تعلیمات کے ذریعے بند باندھنے اور مذہب وشائستگی کے بتائے ہوئے طریقوں سے پشتہ تعمیر کرنے کی کوشش کی، اور مرتے دم تک تعلیم نسواں کے اس چراغ کو روشن رکھا اور بداخلاقی فحاشی وعریانی، آخرت فراموشی اور خدا بیزاری کے اندھیروں میں اس مشعل کو فروزاں رکھا اس رسالہ میں انہیں مشاہیر اہل قلم کا تعاون حاصل رہا اور بہت سی خواتین نے بھی اس میں حصہ لیا، قرآن کا پیام، ارشادات رسولؐ اور اداریہ ''اپنی بہنوں سے'' مستقل عنوانات ہوتے ہیں، ان کے علاوہ آزادی نسواں کی پرفریب تحریک اور مغربی تہذیب کے افسوسناک انجام ونتائج کا محاسبہ اور پوسٹ مارٹم بھی کیا جاتا رہا ہے، مثبت انداز میں عورتوں کی دلچسپی کے عنوانات کے تحت ان کے ایمانی جذبے کی تسکین کے ساتھ انہیں ان کے حقوق وفرائض سے بھی آگاہ کیا جاتا رہا ہے۔

اس رسالہ کے اداریے اپنے دینی رنگ اور جذبہ اصلاح کے سبب بڑی اہمیت وافادیت کے حامل ہوتے تھے جن کے ذریعہ ہر ماہ خواتین کو ''نئی روشنی'' کی پھیلائی ہوئی تاریکیوں سے باخبر کیا جاتا اور ان کے ہاتھوں میں اسلامی تعلیمات کا چراغ ہدایت دیا جاتا تھا۔

اہم اور بڑا مقصد

مولاناڈاکٹرشمس تبریز خاں مرحوم سابق صدر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی نے رضوان کے اجراء کے مقاصد میں ایک اہم مقصد مغربی تہذیب وتمدن کے مسلم معاشرہ پر اثرات کے ازالہ کو بھی بتایا ہے اور رضوان کے اجراء کے اول شمارہ کے اداریہ کی روشنی میں اس کی وضاحت ہے اور اپنے مضمون میں اس کے اقتباسات بھی ذکر کیے ہیں، ایک اہم سبب اور مقصد ان کی ہی تحریر سے یہ ذکر کیا ہے کہ:

> ''بداخلاقی کی ہمہ گیر تحریک اور فحش لٹریچر کے اس سیلاب کے مقابلے کے لیے جو آج بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے جو بھی کوشش کی جائے اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اس کو پھیلانے کی کوشش کرنا اخلاقی ودینی فرض ہے، اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس رسالہ کا اجراعمل میں لایا گیا ہے''۔(۱)

رضوان مولانا کی وفات کے بعد

مولانا کی وفات کے بعد ان کے ورثا نے ماہنامہ رضوان کو ذاتی ملکیت سے بلند کر کے ان کے نام سے ٹرسٹ قائم کر کے اس کے حوالہ کر دیا اور ادارتی ذمہ داریاں جاری رکھیں ان کی وفات پر ان کے صاجزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی نے اس کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''رضوان جس کو مولانا محمد ثانی حسنی نے جاری کیا اور زندگی بھر اس کو شائع کرتے رہے، ان شاءاللہ آئندہ بھی شائع ہوتا رہے گا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ورثاء نے طے کیا ہے کہ رضوان اب مولاناؒ کے ایصال ثواب کے لیے وقف کر دیا جائے، اس لیے ایک ٹرسٹ قائم کر دیا گیا ہے جس کا نام مولانا محمد ثانی حسنی ٹرسٹ ہے، اب رضوان اسی ٹرسٹ کی ملکیت ہوگا''۔(۲)

---

(۱) رضوان مولانا ثانی نمبر ص ۱۰۳ تا ۱۰۵ (۲) ماہنامہ رضوان، شمارہ مارچ-اپریل ۱۹۸۲ء

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھا ہوا رضوان کا اولین اداریہ

''اپنی بہنوں سے''

اللہ تعالی نے جہاں مردوں کو بہت سی صلاحیتیں اور خصوصیتی عطا فرمائی ہیں وہاں عورتوں کو بھی بے بہا صلاحیتوں اور قوتوں کا مالک بنایا ہے اور بے شمار نعمتیں اور استعداد و دیعت فرمائی ہیں انہیں کے دم سے زندگی کا سکون وقرار ہے اور انہیں کی وجہ سے زندگی کا سوز وساز ہے، قوموں کے سدھارنے اور بگاڑنے، زندگی کو پر سکون اور پر آشوب بنانے میں ان کے کردار وعمل کو بڑا دخل ہے ۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

لیکن اسلام سے پہلے یہ تمام صلاحیتیں مردہ تھیں، اگر کہیں بھی تھوڑی بہت زندگی تھی تو وہ پست مقاصد پر صرف کی جارہی تھی، ساری دنیا کی سوسائٹی میں عورت کا مظلوم طبقہ درد وکرب کی زندگی گزار رہا تھا، کسی سوسائٹی میں عزت وعظمت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا عوت کے حقوق پامال کیے جاتے تھے، عورت ظلم وشقاوت کا شکار تھی یا عیش وعشرت کے متوالوں کے عیش کا سامان، اس کا وجود باعث شرم سمجھا جاتا تھا، بعض معزز سوسائٹی میں رواج تھا کہ لڑکی پیدا ہوتی تو دفن کردی جاتی، اگر زندہ رہ جاتی تو حیوانوں کی زندگی گزارنی پڑتی، اسلام جہاں سارے عالم کے لیے رحمت بن کر آیا۔ وہ آیا اور آکر اس نے تمام صلاحیتوں اور خصوصیتوں کو ابھارا، تمام بندھن توڑے، غلامی سے آزاد کیا اور احساس کمتری کو دور کیا، ان مسلمان عورتوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ مل کر سسکتی ہوئی انسانیت اور آفت کی ماری دنیا کی خدمت کی،

اسلام کے پھیلانے میں پورا پورا تعاون کیا، سب سے بڑے فخر اور عزت کی بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کلمہ حق بلند کیا اور اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے جس ذات نے لبیک کہا وہ اسی طبقہ کی معزز خاتون حضرت خدیجہؓ تھیں۔ اور پھر آخر عمر تک حضور ﷺ کا ساتھ دیا، حضرت عائشہؓ ام المومنین اسی طبقہ کی ایک فرد تھیں جنہوں نے گھر کی زندگی سے لے کر سیاسی اور علمی زندگی تک میں دوسروں کی رہنمائی کی اور پھر انہی دو پر انحصار نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں اور آپ کی قائم مقامی کرنے والوں میں اس طبقہ کی ہزاروں بیٹیاں شامل ہیں، دین کی راہ میں قربانی و ہجرت دیکھنا ہو تو ام سلمہ ام المومنین اور حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ پر نظر کرو، علمی اور سیاسی زندگی کا سبق لینا ہو تو حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے سبق لو، بہادری اور جرات دیکھنا ہو تو حضرت صفیہؓ حضور کی پھوپھی اور حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر کی بیٹی پر نظر ڈالو، صبر و تحمل مطلوب ہو تو حضرت ام سلیمؓ کا واقعہ پڑھو۔ جہاد میں شرکت اور مجاہدین کی خدمت و ہمت کا حال دیکھنا ہو تو قبرص کی لڑائی اور ام حرام کی شرکت و شہادت کا حال پڑھو حضرت سمیہؓ حضرت ام شریکؓ کی اللہ کی راہ میں قربانی اور شہادت، ام حکیم کی بہادری، ام عمارہؓ کی جرأت و مقابلہ، حضرت عائشہؓ و زینبؓ کی سخاوت و فیاضی، حضرت اسماءؓ بنت یزید کی قابلیت و علمی شغف، ام حبیبہؓ کی حق گوئی و بے باکی، حضرت زینبؓ کی عبادت و ریاضت اور دوسری ہزاروں خواتین کی دین سے والہانہ محبت آج کی خواتین کے لیے درس عبرت ہے۔

حضرت خنساءؓ جو دور جاہلیت کی بہت بڑی شاعرہ تھیں اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں یا تو ان کا حال یہ تھا کہ جب دو بھائی قتل ہوتے ہیں تو روتے روتے زمانہ گذر گیا اور بڑا دلدوز مرثیہ کہا، لیکن جب اسلام کی غلامی میں آ کر آزاد ہوئیں تو عالم یہ ہو گیا کہ جنگ قادسیہ میں اپنے چاروں عزیز جوان بیٹوں کو ابھارا بھار کر جہاد میں شریک کیا اور ان کی شہادت پر خدا کا شکر ادا کیا۔

انہی جیسی ماؤں نے پھر بڑے بڑے زاہد اسلام کے سپاہی دین کے لیے مرنے

اور جینے والے اشخاص پیدا کیے، انہی اولوالعزم خواتین کی گودوں میں پلے تھے وہ لوگ جو بعد میں فضل وتقوی کے لحاظ سے فضیل بن عیاض،، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتی، حضرت نظام الدین اولیاؒ اور علمی حیثیت سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور امام غزالیؒ کے نام سے مشہور ہوئے اور انہی صفات وخصوصیات کی مالک تھیں وہ خواتین جنہوں نے طارق بن زیادؒ، محمد بن قاسمؒ، یوسف بن تاشفین، صلاح الدین ایوبی، نورالدین زنگی اور محمد فاتح جیسے سلاطین اور قائد اسلام کو دیئے جن کے عزم وقوت کے سامنے بڑے بڑے باجبروت بادشاہ پسینہ پسینہ ہوجاتے ہیں۔

یہ سلسلہ صدیوں تک چلا اور ایک ہزار سال تک ایسی مائیں اور بہنیں اور ان کی گودوں میں پلے ہوئے ایسے ایسے نامور اشخاص پیدا ہوتے رہے جن کے چند نمونے گذر چکے ہیں، لیکن مغربی تہذیب وتمدن نے ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کے رخ کو بدل کر سطحی اور کھوکھلے راستہ پر ڈال دیا یہ تہذیب آئی اور اپنے ساتھ بداخلاقی اور بے حیائی کا ایک طوفان لائی، فحش لٹریچر، عریاں کتابیں اور رسالے، فلمی گانے اور سنیما بینی نے بازاروں سے لیکر گھر کے اندر تک رسائی پیدا کی اور قلب ودماغ کی دنیا کو الٹ کر رکھ دیا، اور اس کے نتیجے میں بے حیائی بے چینی، افتراق، کشمکش اور ہزاروں فاسد سوسائٹی میں سرایت کر گئے۔

ماؤں اور بہنوں کی عادات وفضائل طرز زندگی اور رہائش گفتگو اور اعمال کے اثرات لازمی طور پر بچوں کے معصوم دماغوں میں پرورش پاتے ہیں، اگر مائیں اور بہنیں خود نیک ہوں گی ان کی نگاہ ودل پاک ہونگے، ان کی زندگی ستھری ہوگی، ان کے اعمال وکردار اچھے ہونگے تو بچے بھی ان ہی اعمال وکردار کے حامل ہونگے، اس لیے ماؤں اور بہنوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" (تم میں ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کی بابت سوال ہوگا)، ان میں کسی ایک کی خصوصیت اور کسی ایک کا استثناء نہیں ہے عورتوں کی ذمہ داری اس لیے زیادہ ہے کہ بچوں اور بچیوں کی پہلی تربیت گاہ اور تعلیم

گاہ ان کی گود ہیں اور مجلسیں ہیں، آج جب کہ فحش و عریاں لٹریچر گندے و حیا سوز ناولیں اور افسانے دلچسپ سے دلچسپ طریقہ سے تیار کئے جارہے ہیں اور بڑی قوت وطاقت ان کو گھر گھر پہنچارہی ہے اور شریف زادیوں اور حیادار بیٹیوں کے ہاتھوں میں بڑی آسانی سے یہ ناقابل برداشت لٹریچر پہنچ رہا ہے اور اس کا زہر دل ودماغ میں پیوست ہورہا ہے اس زہر کے تریاق کا کیا سامان بہم پہنچایا جاتا ہے، صرف چند کتابیں وہ بھی خشک غیر دلچسپ چند رسالے اور ماہنامے، جن کا گھر گھر پہنچنا مشکل اور بعض دفعہ ناممکن ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کا احساس دیندار طبقوں میں پیدا ہوگیا ہے اور وہ ایک عرصہ سے اس کی کوشش کررہے ہیں اور طاقت بھر ہاتھ پیر ماررہے ہیں اور بعض حلقوں سے اصلاحی اور مستند رسالے نکلنے لگے ہیں اور وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہیں، مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کوشش کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔

ایک دو رسالوں سے کام نہیں چل سکتا، بداخلاقی کی ہمہ گیر تحریک اور فحش لٹریچر کے اس سیلاب کے مقابلے کے لیے جو آج بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے جو بھی کوشش کی جائے اس کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اس کو پھیلانے کی کوشش کرنا اخلاقی ودینی فرض ہے، اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس رسالہ کا اجرا عمل میں لایا گیا ہے۔ اگر چہ حالات انتہائی ناسازگار ہیں اور ہر طرح کی دشواریاں حائل ہیں لیکن عزم وعمل کی راہ میں یہ چیزیں رکاوٹ نہیں بن سکتیں۔ ہم آپ حضرات سے خصوصاً ان خواتین سے جو موجودہ اخلاقی اور دینی گراوٹ کو شدت سے محسوس کرتی ہیں اور آج کی حیا سوز سوسائٹی اور بے خدا ماحول سے پریشان ہیں، پرزور درخواست کرتے ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعاون کریں، ہم اس بات کی پوری کوشش کریں گے کہ رسالے میں مفید سے مفید اور ٹھوس سے ٹھوس مضامین شائع ہوتے رہیں۔

اللہ تعالی ہماری کوشش اور آپ کے تعاون سے نیک مقاصد میں کامیاب فرمائے۔ السعی منا والاتمام من اللہ۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ ''رضوان کا پہلا شمارہ دسمبر ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا تھا، رسالہ کا اجرا کرتے ہوئے مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے جو پہلا اداریہ تحریر فرمایا تھا وہ بطور یادگار پیش کیا جارہا ہے۔ (مؤلف)

’’رضوان‘‘ کا آخری اداریہ جو مولاناؒ کے قلم سے لکھا گیا

صحابیات کی دینی خدمات

تاریخ اسلام اس کی گواہ ہے کہ گذشتہ صدیوں میں بے شمار خواتین اسلام نے ہر شعبہ زندگی میں ناقابل فراموش کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ شعبہ چاہے سیاست کا ہو یا اخلاق ومعاشرت کا، علم ولیاقت کا ہو یا صنعت وحرفت کا، زہد وریاضت کا ہو، یا تقوی وطہارت کا، عقل وخرد کا ہو یا ذہانت وذکاوت کا، ملکی خدمات کا ہو یا ریاست وبادشاہت کا، تربیت اولاد کا ہو یا ادائیگی حقوق کا، ان سارے شعبوں میں مسلمان خواتین کا فضل وکمال اور ان کی قابل تقلید مثالیں ملیں گی۔

خواتین اسلام مذکورہ بالا صفات وکمالات میں اپنے پیشرو ومتبرک اور پاکیزہ صفات خواتین اکابر صحابیاتؓ بنات طیبات اور ازواج مطہرات (امہات المومنین) کی مقلد تھیں، جنھوں نے ہر شعبہ حیات میں اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لیے بہترین مثالیں چھوڑی تھیں۔ اور زندگی کے ہر معاملے میں اسوۂ حسنہ پیش کیا تھا۔ مختصر طور پر چند عنوانات اور ان کے تحت صحابیؓ خواتین کے کارناموں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جن کی قدرے تفصیل زیر نظر شمارہ ’’صحابیاتؓ نمبر‘‘ میں آپ کو ملے گی، صحابیاتؓ کے مختلف کارناموں اور خدمات کے سلسلے میں سرفہرست حضرت خدیجہؓ ام المومنین کی خدمات ہیں جنھوں نے شروع سے حضور سرور کائنات ﷺ کی ہر طرح پشت پناہی کی اور اسلام کی اشاعت میں بڑا کام کیا اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں مثالی کردار ادا کیا۔ اپنی پاک دامنی کی بنا پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں اور حضور اقدس ﷺ کا ہر طرح ساتھ دیا۔

غارحرا میں جب حضورﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھر واپس تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھ کو کپڑا اڑھاؤ مجھ کو کپڑا اڑھاؤ، اور پھر پورا معاملہ سنایا اور فرمایا مجھ کو ڈر ہے حضرت خدیجہؓ نے فرمایا آپؐ متردد نہ ہوں، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا، کیونکہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے کسوں اور فقیروں کے کام آتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور پھر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل (جو مذھباً نصرانی تھے) کے پاس لے گئیں جنھوں نے آپؐ سے واقعہ سن کر نبوت کی بشارت سنائی۔

حضرت خدیجہؓ جو آپ کی زوجہ مطہرہ تھیں شب و روز ساتھ رہتیں، ساتھ نوافل ادا کرتیں، آپ کو مشرکین مکہ سے جو مصائب اٹھانے پڑتے تھے اور ان پر جو آپ کو صدمہ پہنچتا حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا۔ اس لیے حضرت خدیجہؓ آپؐ کو پوری تسلی دیتیں۔ مشرکین مکہ نے جب آپؐ اور آپ کے خاندان کو شعب ابو طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہؓ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ جب تک حضرت خدیجہؓ حیات رہیں، کفار مکہ کو کھل کر حضورﷺ کو پریشان کرنے میں رکاوٹ محسوس ہوتی تھی، لیکن ان کے انتقال کے بعد قریش نے کھل کر ستانا شروع کر دیا، اسی لیے حضرت خدیجہؓ انتقال کے سال کو ''عام الحزن'' (غم کا سال) کہا جاتا ہے۔

حضور اقدسﷺ نے فرمایا ہے کہ عالم میں افضل ترین خاتون مریمؑ اور خدیجہؓ ہیں۔

علوم وفنون سے واقفیت بڑا درجہ رکھتی ہے، صحابیاتؓ میں متعدد خواتین گزری ہیں جو تفسیر و قرات، حدیث و فقہ، فرائض، ادب اور دوسرے علوم و فنون میں ملکہ رکھتی تھیں۔ ان میں سر فہرست ام المومنین حضرت عائشہؓ، ام المومنین حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ ہیں، جن میں بعض کو پورا قران شریف حفظ تھا تفسیر میں حضرت عائشہ کو کمال حاصل تھا، حدیث کی روایت میں حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام عطیہؓ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ، حضرت ام ہانیؓ اور حضرت فاطمہؓ بنت قیس کے نام آتے ہیں، جو کثیر الروایہ تھیں۔

فقہ میں حضرت عائشہؓ کے بے شمار فتاوٰی ہیں، ان کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ حضرت فاطمہؓ زہرا، ام عطیہؓ، ام الارواءؓ، ام شریکؓ، عاتکہ بنت زیدؓ سہلہ بنت سہیل، اسماءؓ بنت ابی بکر، فاطمہ بنت قیس وغیرہ کئی صحابیات ہیں جن کے فتاوٰی موجود ہیں۔

فقہ کے علاوہ علم اسرار خطابت، خوابوں کی تعبیر، طب اور جراحی اور شعروسخن میں بھی کئی صحابیاتؓ درک رکھتی تھیں، ان میں حضرت خنساءؓ کی مثال شعر کہنے میں کم ہی ملتی ہے۔

عملی کاموں میں صنعت وحرفت کا ایک شعبہ ہے جس میں سلائی، زراعت، کتابت، کپڑا بننا بھی ہے۔ان کاموں میں متعدد صحابیات ملکہ رکھتی تھیں۔

دین کی حفاظت اوراسلام کی خدمت واشاعت اہم ترین کام ہے اس کام میں تقریباً ساری صحابیاتؓ دلچسپی لیتی تھیں، لیکن بعض صحابیات اس میں عظیم المرتبہ تھیں، حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر ان کے بھائی حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔حضرت ام سلیمؓ کی کوشش پر حضرت ابوطلحہؓ مسلمان ہوئے، حضرت ام حکیم کی ترغیب دینے پر ان کے شوہر عکرمہؓ بن ابوجہل جو یمن بھاگ گئے تھے واپس آکر حضور ﷺ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوکر ایمان لائے، ام شریکؓ دوسیہؓ کی دعوت پر قریش کی بہت سی عورتوں نے اسلام قبول کیا۔

جہاد اسلام کا اہم فریضہ ہے۔صحابہ کرامؓ نے جس ذوق شوق سے اس میں حصہ لیا اس کے واقعات تاریخ اسلام میں سیکڑوں صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں لیکن اسکو فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ صحابیات نے بھی اپنی طاقت، حیثیت اوراپنے مقدور بھر اس اہم فریضہ کوانجام دیا، ان کا جوش، اخلاص، عزم اوراستقلال اپنے شوہروں، بھائیوں، بزرگوں اور لڑکوں سے کم نہ رہتا تھا۔غزوۂ احد میں جبکہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا تو حضرت ام عمارہ حضور اقدسؐ کے پاس پہنچیں اور دشمنوں کے تیراندازوں کے سامنے کھڑی ہوگئیں اور حضورؐ کی حفاظت کرنے لگیں، ابن قمیہ حضورؐ کی طرف بڑھا اور حملہ کر دیا، حضرت ام عمارہؓ نے حملہ روکا اور سامنے پڑ جانے کی وجہ سے ان کے کاندھے پر زخم آگیا۔انھوں نے

اس کی پرواہ نہیں کی اور ابن قمیہ پر تلوار چلا دی۔ مسیلمہ کی جنگ میں پامردی سے مقابلہ کیا۔ اور بارہ زخم کھائے، ایک ہاتھ شہید ہوا۔ غزوۂ خندق میں حضرت صفیہؓ (عمۃ النبی ﷺ) نے ایک یہودی دشمن کو قتل کیا، غزوۂ حنین میں حضرت ام سلیمؓ ہتھیار لے کر مقابل ہوئیں، جنگ یرموک میں حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر، حضرت ام ریانؓ، خولہؓ، ام حکیمؓ، ام المومنین حضرت جویریہؓ اور اسماء بنت یزید نے پامردی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ ۲۸ھ میں قبرص کو فتح کرنے میں حضرت ام حرامؓ نے مسلمان لشکر میں شرکت کی۔

یہ تو ہتھیار لے کر جنگ میں شرکت کا حال تھا۔ ایسی بھی صحابیات تھیں جنھوں نے مختلف غزوات اور جنگوں میں دوسری خدمات انجام دیں، جیسے پانی پلانا، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، شہدا اور زخمیوں کو اٹھا کر محفوظ مقامات پر لانا تیر اٹھا اٹھا کر لڑنے والوں کو دینا، کھانے پینے کا انتظام کرنا، لڑنے والوں کو ہمت دلانا ان سارے کاموں میں حسب ذیل خواتین سر فہرست رہتی تھیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ (۲) حضرت ام سلیمؓ (۳) حضرت ام سلیطؓ (۴) حضرت ربیع بنت معوذ (۵) حضرت ام زیادؓ (۶) حضرت ام عطیہؓ (۷) حضرت ہندؓ (۸) حضرت خولہؓ (۹) حضرت فاطمہؓ وغیرہ، ان میں کچھ تو مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں، کچھ زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں کچھ مجروحین کو اٹھا کر میدان جنگ سے مدینہ منورہ لاتی تھیں۔ کچھ نے چرخہ کات کر مسلمانوں کی مدد کی تھی کچھ تیر اٹھا کر لاتی تھیں، کچھ کھانا پکا کر کھلاتی تھیں اور بعض نے تو گورکنی (قبر کھودنے) کی خدمت بھی انجام دی اور کچھ ہمت دلانے کے لیے اشعار بھی پڑھے اور لڑنے والوں کو جوش دلایا۔

عشق الٰہی اور محبت رسولؐ میں صحابیاتؓ، صحابہؓ سے کچھ کم نہ تھیں، غزوۂ احد کا وہ مشہور واقعہ ہے کہ جب مسلمانوں کی شکست کا شور ہوا تو ایک صحابیؓ خاتون اپنے گھر سے اس لیے بیتابانہ نکلیں کہ سرور کائنات ﷺ کا کیا حال ہے۔

ایک صاحب ملے انھوں نے خبر دی کہ تمھارے شوہر شہید ہو گئے۔ انھوں نے انا للہ پڑھی اور پھر پوچھا ہمارے آقا کا کیا حال ہے؟ پھر ان کو خبر دی گئی ہے کہ تمھارے

بھائی شہید ہوگئے، عاشق رسول بی بی بولیں۔ مجھے تو رسول اقدسؐ کا حال بتاؤ۔ اس کے بعد ان کو بتایا گیا کہ آپؐ بحفاظت ہیں نیک بی بی نے خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر آگے بڑھتی رہیں جب تک سرکار دو عالمؐ کی زیارت نصیب نہ ہوگی چین نہ آئے گا سامنے عشاق نبی کے جھرمٹ میں آپ نظر آئے وہ بی بی سراپا شوق بن کر آگے بڑھیں، اپنی پر شوق آنکھوں سے آفتاب عالم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئیں اور عزت و احترام کا ذکر مولانا شبلی مرحوم نے چند اشعار میں کیا ہے وہ بجائے خود بہت موثر ہیں۔

الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں صحابیؓ بیبیوں نے اپنے بعد آنے والی خواتین کے لیے بہترین نمونہ چھوڑا ہے۔ جن کی مختلف تفصیل کتابوں میں ملتی ہے، خصوصاً ان کتابوں میں جو صرف صحابیاتؓ کے حالات پر لکھی گئی ہیں۔ اور یہ بھی فخر کی بات ہے کہ علماء نے اس بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی بلکہ تذکرہ نگاروں نے مستقل اور ضمنی طور پر صدہا صحابیات کے حالات قلم بند کئے ہیں ان تذکرہ نگاروں میں ابن اثیر، ابن معبد، ابو نعیم، قاضی ابن عبدالبر، ابوموسیٰ اصفہانی، ابن سعد، زہری، حافظ ابن حجر عسقلانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنھوں نے صحابیاتؓ کے حالات لکھنے میں خاصی دلچسپی لی ہے۔ اور بہت حد تک کامیاب رہے ان حضرات کی تصنیفات تاریخ النساء، استیعاب، اصابہ، طبقات الصحابہ، اسد الغابہ، تہذیب التہذیب ہیں۔ ان کتابوں میں کسی میں ۳۹۸ کسی میں ۶۲۷ کسی میں ایک ہزار صحابیاتؓ سے زیادہ کے حالات ہیں۔ اور ان میں سے سب سے زیادہ حالات ابن حجر عسقلانی کی کتاب اصابہ کی آٹھویں جلد خاص خواتین کے حالات پر مشتمل ہیں۔ یعنی اس حصہ میں تقریباً ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ ہے۔

اتنی تفصیل اس لیے عرض کی گئی ہے تاکہ مسلمان خواتین خصوصاً رضوان کی پڑھنے والی بہنیں اور بچیاں، خوشی محسوس کریں کہ ان کی اور قابل احترام خواتین جن کو صحابیات کا شرف حاصل تھا کس پائے کی تھیں۔ اور ان کے حالات کتنی تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کتابوں کے نام بھی لکھ دیئے گئے ہیں کہ جن میں ان کے حالات ملتے ہیں اردو زبان میں بھی صحابیات کے حالات پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جو

بازار میں ملتی ہیں، ان میں بعض کتابیں صرف امہات المومنین کے حالات پر مشتمل ہیں اور بعض صرف بنات النبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے تذکرہ پر حاوی ہیں اور بعض اکابر مہاجرو انصار صحابیاتؓ کے واقعات کو پیش کرتی ہیں جن کا مطالعہ ضروری ہے۔

اب آخر میں ان مخصوص اہل کمال اور قابل تقلید چند صحابیات کے نام پیش کئے جاتے ہیں جن کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور جو بارگاہ نبویؐ میں عالی مرتبہ تھیں ان مبارک خواتین میں پہلا نام امہات المومنینؓ کا تھا جو تعداد گیارہ میں تھیں اور امہات المومنین میں حضرت خدیجہؓ حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ، حضرت زینبؓ ام المساکین حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ حضرت جویریہؓ حضرت ام حبیبہؓ، حضرت میمونہؓ حضرت صفیہ تھیں، جن کے احسانات سے امت مسلمہ سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد بنات طیبات تھیں۔ جن میں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ حضرت فاطمہؓ ام الحسنین، سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں۔ یہ چاروں حضور اقدس سرور کائنات ﷺ کی محبوب صاحبزادیاں تھیں اور آپ کی جگر گوشہ تھیں خدا ان سب کی قبروں کو نور سے بھر دے۔

عام صحابیات میں مخصوص اور قابل تقلید و قابل رشک خواتین میں حضرت صفیہ عمۃ النبی ﷺ، حضرت امامہؓ، ام ایمنؓ، فاطمہ بنت اسدؓ، ام الفضلؓ، ام رومانؓ حضرت سمیہؓ ام سلیمؓ، ام عمارہؓ، ام ہانیؓ، فاطمہ بنت خطابؓ، اسماء بنت ابی بکر، اسماءؓ بنت یزید، ام حکیمؓ خنساءؓ ام حرامؓ خولہؓ بنت حکیم، شفاؓ، اسماء بنت عمیس سرفہرست ہیں ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد صحابیاتؓ کی ہے جن کی قربانیوں، کارناموں اور علمی اور عملی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

اللہ تعالیٰ ساری مسلمان خواتین کو ان صحابیؓ بیبیوں کی تقلید کرنے کی توفیق دے۔

زیر نظر شمارہ چند صحابیؓ بیبیوں کے تذکروں پر مشتمل ہے یہ نمبر اپنے موضوع پر کتنا کامیاب ہے۔ یہ پڑھنے والوں کی پسند پر منحصر ہے۔ کوشش تو یہی کی گئی ہے کہ باوجود اپنی تنگ دامنی کے یہ زیادہ سے زیادہ مفید اور پر از معلومات ہو، خدا سے دعا ہے کہ وہ

کامیاب کرے اور پڑھنے والوں کو اس سے کچھ حاصل ہو آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری کہ برسوں سے ''رضوان'' کے جمع وترتیب اور انتخاب ونشر کی ذمہ داری میرے فرزند نور چشم مولوی سید محمد حمزہ حسنی سلمہ کے سر ہے جو وہ بخیر وخوبی انجام دے رہے ہیں اس درمیان انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود کئی مفید نمبر نکالے اور نمبر مقبول ہوئے۔ پڑھنے والے بھائیوں اور بہنوں نے ان کو سراہا اب وہ ''صحابیات'' نمبر پیش کر رہے ہیں اور اس نمبر میں پوری ترتیب اور انتخاب مضامین انھیں کی کوشش اور پسند کا نتیجہ ہے۔ وہ جس ذوق شوق سے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں اس کی ہمت افزائی ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ ان کو استقلال وہمت عطا فرمائے اور ان کے علم وعمل اور ذوق شوق میں ترقی دے اور ان کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائے اور ان کو صحیح راستے پر چلائے ان کے قلم اور کوشش کا رخ صحیح رکھے اور رضوان کے ذریعہ مسلمان کے خواتین کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچا سکے۔

امید ہے کہ قارئین رضوان ان کے ساتھ تعاون کریں گے اور رضوان کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور اس مختصر لیکن مفید ماہنامہ کو گھر گھر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔(۱)

محمد ثانی حسنی

۱۱صفر۱۴۰۲ھ

دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی

رضوان کے نمبرات اور خصوصی اشاعتیں

ماہنامہ رضوان نے مختلف نمبرات اور خصوصی اشاعتیں پیش کیں جو بہت مقبول ہوئیں، خاص طور پر ماں نمبر جس کی بہت ہی مانگ تھی، اور خیر النساء بہتر نمبر،

(۱) ۱۹۸۲ء میں شائع ہونے والے صحابیات نمبر کے لیے مولانا محمد ثانی حسنیؒ مندرجہ ذیل اداریہ تحریر فرمایا تھا ''صحابیات نمبر'' شائع ہونے سے قبل ہی مولانا وفات پاگئے تھے، یہ اداریہ ان کے قلم سے تحریر کردہ آخری اداریہ تھا۔

امۃ اللہ تسنیم نمبر اور آخر میں صحابیات نمبر جس پر ان کا آخری اداریہ تھا، ان کے بعد ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے خلف الرشید اور مدیر الرضوان مولانا سید محمد حمزہ حسنی نے امہات المومنین نمبر خلفائے راشدین نمبر اور ان دو نمبروں سے پہلے بانی رضوان مولانا محمد ثانی حسنی نمبر کا تحفہ قارئین کو پیش کر کے بڑے نیت وحوصلہ کا کام کیا، زیر نظر کتاب کی زمین یہی مولانا محمد ثانی حسنی نمبر ہے خیر النساء بہتر نمبر کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ذکر خیر، اور امۃ اللہ تسنیم نمبر کو پیش نظر رکھ کر راقم سطور کی تصنیف عائشہ بی، اور مولانا محمد ثانی حسنی نمبر سے راقم سطور کی پیش نظر تصنیف سوانح مولانا محمد ثانی حسنی سامنے ہے، جب کہ صحابیات نمبر اور امہات المومنین نمبر مولانا سید محمد حمزہ حسنی کی طرف سے مکتبہ امامہ حسنی جامعہ ام المومنین عائشہ رائے بریلی سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

آٹھواں باب

دعوت وتبلیغ

مولانا محمد ثانی حسنی پر دعوت وتبلیغ کے کام کی اہمیت اور دوسرے کاموں پر اس کی برتری روز روشن کی طرح واضح اسی وقت سے ہوگئی تھی جب ان کو یہ سعادت ملی کہ امام الدعوۃ والتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے ساتھ کچھ وقت گذاریں اور ان کے ساتھ تشکیل میں حصہ لیں، گشت کے لیے نکلیں اور ان کے ساتھ جماعت میں جائیں، چنانچہ کانپور، رائے بریلی وہ حضرت کے ساتھ ہی گئے اور اس دوران ان کا دردو سوز اور فکر و تڑپ دیکھی، ان کے ساتھ جو افراد تھے، ان میں سے ہر فرد انسانیت کی ہدایت، امت کی اصلاح اور دین کے فروغ اور سربلندی، سنت کی اشاعت واحیاء، منکرات اور بدعات کے ازالہ کے جذبہ سے سرشار تھا، اس کے سامنے اپنے تقاضے نہیں دین کے تقاضے تھے اور وہ دین کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دینے والے تھے، مولانا محمد ثانی حسنی پر اس کا جو نقش مرتسم ہوا اور اس کی جو چاشنی ان کو نصیب ہوئی انہوں نے چاہا کہ دوسرے بھی اس سے محظوظ ہوں، قلم کے ذریعہ بھی انہوں نے دوسروں کو فائدہ پہنچانا چاہا، مضامین لکھے، کتابچے ترتیب دیے۔ ''حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے ساتھ ایک مبارک سفر'' کے عنوان سے جو مضمون تحریر کیا وہ بہت عام ہوا اور کئی رسالوں نے اس کو شائع کیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے انتقال پر مضامین، منظوم تاثرات لکھے اور پھر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی طرف سے ان کی سوانح حیات لکھنے کی

ذمہ داری بھی سپرد ہوئی اور انہوں نے اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیا، جس کے برصغیر ہندوستان وپاکستان سے دسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں اور اب ان کے بھتیجہ مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی نے عربی میں بھی اپنے والد ماجد مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ کی نگرانی میں ترجمہ کرکے اس کے افادہ کو اور عام کردیا ہے، مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی کی توجہ وعنایت سے اس کی طباعت کا نظم ہوا اور بہت جلد کئی ایڈیشن نکل گئے۔

مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے صاحبزادہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی کی زندگی بھی دعوت وتبلیغ سے عبارت تھی ان کا تذکرہ لکھا وہ بھی بڑا اثر انگیز تذکرہ ہے، اور دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے ان کی یہ دونوں کتابیں بہترین رہنما اور مرشد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس کے علاوہ ماہنامہ ''رضوان'' جس کے وہ مدیر تھے کے ذریعہ دعوتی مشن کو آگے بڑھانے اور اس تحریک کو تقویت پہنچانے کا کام لیتے رہے اور اس کے علاوہ جب ندوۃ العلماء سے ''تعمیر حیات'' کا اجرا ہوا تو اس کے ذریعہ بھی لوگوں کو دعوت وتبلیغ کے مشن سے جوڑنے اور داعیانہ کردار کے ساتھ زندگی گذارنے پر ابھارنے کا کام لیتے۔

تبلیغی جماعت سے وابستگی اور اس کے ذمہ داروں کی طرف سے اظہار قدردانی

مولانا محمد ثانی حسنی کی تبلیغی جماعت سے وابستگی اس کے بانی وامیر اول حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے زمانہ سے اور ان کے ساتھ گشت کرنے اور سفر کرنے کے وقت سے رہی جس کا انہوں نے تذکرہ مولانا محمد ہارون میں ان الفاظ میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''راقم السطور کو خوب یاد ہے کہ جولائی ۱۹۴۳ء میں حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی ایک بڑی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لا

ئے تھے، اور چند دن دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا تھا، ان کے تشریف لانے سے لکھنؤ کی فضا ایمان ویقین اور تبلیغی دعوت کے نور سے معمور ہو گئی تھی، ہر بڑے محلّہ میں جماعتیں گشت کر تیں اور ہر بڑی مسجد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقریب ہوتی لکھنؤ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کانپور کا سفر فرمایا، اس سفر میں مولانا سید سلیمان ندوی بھی حضرت کے ہم رکاب تھے، کانپور میں جماعت کا قیام مدرسہ فیض عام میں ہوا، اس جماعت میں راقم السطور بھی تھا، اور مجھ پر حضرت کی بے پایاں محبت وشفقت تھی، مسلم حلیم کالج کے وسیع ہال میں تبلیغی اجتماع تھا اور طلبہ واساتذہ کے سامنے حضرت کی تقریر ہونے والی تھی، جس وقت ہال میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ داخل ہونے لگے تو اچانک ان کی نگاہ دروازوں اور دیوار پر گئی، جن پر مشہور ادیبوں اور سیاسی لیڈروں کی تصویریں لٹکی ہوئی تھیں، حضرت مولانا کے قدم رک گئے، اور فرمایا جب تک یہ تصویریں ہٹا لی نہیں جائینگی یا ان کو کپڑے سے ڈھانپ نہیں دیا جاتا میں قدم اندر نہیں رکھ سکتا حضرت مولانا کے پیچھے مولانا سید سلیمان ندوی اور دوسرے علماء اور تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات اور کالج کے طلبا اور اساتذہ کھڑے تھے، اعلان حق اور جرات وبے باکی کے مظاہرہ کا یہ بڑا پر کیف اور روح پرور منظر تھا، کالج کے پرنسپل عبد الشکور صاحب نے فوراً ان تصاویر کو کپڑے سے ڈھانپ دینے کا حکم دیا، اور تصویروں کو ڈھانک دیے جانے کے بعد حضرت مولانا اندر تشریف لے گئے۔ (۱)

---

(۱) تذکرہ مولانا محمد ہارون ص ۱۱۸ طبع جدید مکتبہ ابوالحسن علی جامع مسجد دہلی

حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی صحبت و رفاقت کا آپ کو خوب موقع ملا، اور حج کے سفروں میں دعوت وتبلیغ کا بڑا کام کیا پہلا سفر حج حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ کیا اور ۶، ۷ ماہ حجاز مقدس میں قیام فرمایا، اس میں ان کی نانی، خالہ، ممانی اہلیہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی تھیں، خدمت کی سعادت بھی خوب حاصل کی اور جو قافلہ روانہ ہوا تھا اس میں مولانا عبیداللہ بلیاوی، مولانا مفتی زین العابدین لائل پوری جیسے جفاکش داعی بھی ساتھ تھے یہ سفر ۱۹۴۷ء میں ہوا، پھر ۱۹۴۹ء میں دوسرا سفر حج حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے ساتھ کیا، اس موقع پر حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی حج کے لیے تشریف لائے تھے اور انہوں نے تبلیغی نظام کا اپنے کو پابند کرلیا تھا اور وہاں اس وقت امیر مولانا مفتی زین العابدین لائل پوری علیہ الرحمہ تھے، چنانچہ مکہ مکرمہ میں کسی کی دعوت بھی قبول کرنی ہوتی اور یا کہیں بدرجہ مجبوری جانا ہوتا تو وہ امیر جماعت سے اجازت حاصل کرتے بلکہ یہی نہیں داعی کو متوجہ کرتے کہ وہ امیر جماعت سے اجازت سے لے. اس لیے کہ میں نے اپنے کو جماعت کے نظام کا پابند کرلیا ہے، مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری نے سوانح حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ میں تذکرہ کیا ہے۔(۱)

مرکز نظام الدین دہلی میں قیام اور مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی صحبت بابرکت میں

مولانا محمد ثانی حسنی نے تکمیل تعلیم کے بعد خاصا وقت حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے ساتھ گذارا تھا اور ان کے قریب رہ کر ان کا جو فکر و تڑپ اور درد و سوز اور تمام کاموں پر دعوت کے کام اور امت کی اصلاح کی فکر اور امت پنا کا جذبہ غالب دیکھا تھا، اس نے ان کے اندر ایک بے چینی اور آخرت کا پورا خیال پیدا کردیا تھا، چنانچہ وہ کوئی کام کرتے آخرت میں جواب دہی کے خیال سے کرتے اور اللہ کی رضا

(۱) ملاحظہ ہو سوانح، از: مولانا محمد شاہد صاحب

ڈھونڈھتے ہوئے انجام دیتے، مولانا محمد یوسف کی شخصیت نے مولانا محمد ثانی حسنی کے قلب ودماغ اوراعصاب پر گہرا اثر ڈالا، اس لیے ان کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مضمون سے دو اہم اقتباس پیش کیے جاتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''کسی دینی دعوت وتحریک کو وہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں جن کا عشق ''آتش نمرود'' میں بے خطر کود کر عقل کو ''محوِ تماشائے لب بام'' کردے بلکہ اس تھوڑے سے ایثار اور قربانی کی جنس بھی نایاب ہوگئی ہے، جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی، مادی ترقی اور مادی اقدار کی اہمیت وتقدس کی مسلسل اور پر جوش تبلیغ وتلقین نے خود اس امت کو متاثر کرلیا ہے، جس کی ساری طاقت اور جس کی فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوت، رضائے الٰہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا، مسلمانوں نے ذرائع معاش کو اپنا رزاق سمجھ لیا ہے، مادیت کے اس وبائے عام کے دور میں مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ایمان بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سینکڑوں سامعین کے دل ایمان کے جذبے سے معمور اور قربانی کی لذت سے مخمور ہو جاتے تھے اور وہ اس کے اثر سے ایثار وقربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگے تھے، جن کو عقل ودلائل، حکمت ومصلحت اور علم وخطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں کیا جاسکتا تھا اور جن کی بنیاد پر یہ تحریک دنیا کے دور دراز گوشوں میں پہنچ گئی، ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے، مہینوں کے لیے گھر بار چھوڑ کر دوسرے براعظموں کا سفر کیا اور دعوت وتبلیغ کے راستہ میں بڑی بڑی

مشقتیں برداشت کیں، انہوں نے بڑی دریا دلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا۔" (۱)

اور لکھتے ہیں:

"اپنی دعوت کے ساتھ ان کو ایسا شغف وانہماک تھا جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی، بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی وسیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خودفراموشی وللّٰہیت اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آتی، ان کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور اتنا حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصے ان کی خدمت میں رہنے اور کسی سفر میں ان کی معیت کا موقع نہ ملا ہو وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا، چند دن رہ کر آدمی ان کی مشغولیت وانہماک اور ان کے جذب واستغراق کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا تھا اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی قوت وتازگی کہاں سے آتی ہے اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں "عشق" اور خاص حالات میں تائیدالٰہی اور نصرت غیبی کے سوا ان کی توجیہ نہیں ہوسکتی۔" (۲)

جہاں تک صحبت ورفاقت کا تعلق ہے جس کی غیر معمولی تاثیر کی طرف مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اشارہ کیا ہے۔ یہ مولانا محمد ثانی حسنی کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں اس کے بہتر سے بہتر مواقع ملے اور سفر وحضر میں صحبت ورفاقت میسر آئی، انہوں نے اس نعمت کی پوری قدر کی اور وہ قرب واختصاص پیدا کرلیا جو کم لوگوں کے حصہ میں آیا اور اسی لیے ان کی سوانح حیات لکھنے کے لیے ان کا انتخاب کیا گیا اور ان کی شخصیت کا مولانا محمد ثانی حسنی پر جو اثر تھا وہ ان کے مرض وفات میں کھلے طور پر ظاہر ہوا، اور وہ

---

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم ص: ۷۵ (۲) پرانے چراغ حصہ سوم ص: ۷۶

بھی ایسے حال میں جب بولنا مشکل اور اپنی اور اپنی اولاد کے علاوہ کوئی دوسری فکر مستولی نہیں ہو پاتی ہے وہ اس سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف دعوت ومحبت کی زبان بول رہے تھے۔کبھی ہمنشینوں سے کہتے قرآن مجید کی آیات سناؤ،کبھی ایمان واحتساب کی طرف متوجہ کرتے،کبھی ظاہری وضع قطع ڈاڑھی اور دینی لباس کی طرف، کبھی باطنی اخلاق اور ایمانی کردار کی طرف متوجہ کرتے۔اور پھر مولانا محمد یوسف کاندھلوی اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کا تذکرہ کرکے کہنے لگتے، اگر تم ان کو پہچان لیتے تو ان پر مر مٹتے۔(۱)

مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے ساتھ مولانا کا خاصا وقت گذرا تھا،ان کے بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھتے ہیں:

"تعلیم کی تکمیل کے بعد تقریباً ایک سال تبلیغی کام میں صرف کیا اس کے دوران میں عموماً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی رفاقت کا شرف حاصل رہتا۔مولاناؒ سے اس طرح قریب رہنے سے ان کی شخصیت کو جو فائدہ ہوا اس سے ان کی صحیح اور معتبر سیرت تیار کرنے میں ان کو مدد بھی ملی۔"(۲)

اور خود مولانا محمد ثانی حسنی نے مولانا محمد یوسف کاندھلوی سے اپنے گہرے تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"راقم الحروف الحمدللہ ان خوش نصیبوں میں ہے جنہوں نے مولانا کی دن رات کی مصروفیتوں کو سفر وحضر میں بار بار دیکھا ہے"۔(۳)

مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی دعوت میں فنائیت اور زہد کا ایک واقعہ مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے مشاہدہ کا لکھا ہے کہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے انتقال کے

(۱) اس کی تفصیل ان کے بھانجے مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے مضمون میں دیکھی جاسکتی ہے جو علالت ووفات کے باب میں شامل ہے۔

(۲) رضوان اداریہ مولانا محمد ثانی نمبر ص:۸ (۳) سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص،۷۰۶

تقریباً چار پانچ ماہ بعد ایک بڑے تاجر جو حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے بڑے عقیدت مند تھے تشریف لائے اور مولانا کی خدمت میں ایک بڑی رقم پیش کی، مولانا نے لینے سے انکار کر دیا، انہوں نے کہا، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد سے میرا کیا تعلق تھا وہ مجھ سے کتنی محبت فرماتے تھے، لیکن مولانا نے فرمایا:

''مجھ کو یہ رقم نہیں چاہیے، مجھے آپ مطلوب ہیں، آپ وقت دیجئے اور اس کام میں شریک ہوئیے''(۱)

مولانا محمد ثانی حسنی تذکرہ مولانا محمد ہارون میں اپنا تبلیغ سے تعلق بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''راقم السطور ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں سہارنپور اور ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں نظام الدین دہلی میں مسلسل کئی ماہ رہا، اس وقت مولوی ہارون کی عمر چار پانچ سال کی تھی، اور میری عمر ۱۹ یا ۲۰ سال کی، حضرت شیخ الحدیث اور مولانا محمد یوسف صاحب نے میرے خاندان کے شفیق بزرگوں کی طرح شفقت ومحبت کا معاملہ کیا، اس وجہ سے مولوی ہارون اور مولوی طلحہ صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مجھ سے چھوٹے بھائیوں کی طرح مانوس رہے، میں نے ان میں جس سعادت اور حسن اخلاق ومحبت کے آثار دیکھے وہ کہیں اور نہیں دیکھے، گھر اور گھر کے متعلقین کے بچوں کے علاوہ کہیں دوسری جگہ آتے جاتے نہیں دیکھا، لباس میں وضع قطع میں، بول چال میں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر دیکھا۔

ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ کا واقعہ ہے میں نظام الدین میں تھا لکھنؤ اور دوسرے شہروں کی جماعتیں آئی ہوئی تھیں، مالب (میوات) میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع ہونے والا تھا، مسجد کے بیرونی حصہ میں

---

(۱) سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص، ۶۸۱

تعلیم کا حلقہ لگا ہوا تھا، کہ گھر کے اندر سے مسلسل اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی اور بہت زور کے ساتھ کوئی بچہ ذکر کر رہا تھا، لکھنؤ کے ایک ساتھی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کس بچہ کی آواز ہے، یہ آواز تو بچکانہ ہے، مگر جوش اور طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا یوسف صاحب ذکر کر رہے ہیں، میں نے جواب دیا کہ مولانا تو نہیں ہیں، ان کے صاحبزادے میاں ہارون ہیں، تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ میاں ہارون اونچی دوپلی ٹوپی لگائے ہاتھ میں ایک بڑی تسبیح لیے تیزی سے مولانا یوسف صاحب کے کمرہ سے نکلے اور حلقہ کی طرف دوڑتے ہوئے آئے اور غور سے ہمارے حلقہ کو دیکھنے لگے اور درس سننے لگے کچھ دیر بعد مسکرا کر چلے گئے۔

اس چھ سالہ صاحبزادہ کو دیکھ کر ہم سب کو ایسا رشک آیا کہ اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتے ہیں، میں تو ان کی یہ کیفیت پہلے ہی سے جانتا تھا، جماعت کے دوسرے حضرات بہت زیادہ متاثر ہوئے'' (۱)

اس ایک واقعہ میں اس وقت کے ماحول کی جو عکاسی ہوتی رہی ہیں مولانا محمد ثانی حسنی کے وہاں کے قیام کا حال معلوم ہوتا ہے کہ وہ طویل طویل قیام وہاں کرتے رہتے تھے اور مظاہر العلوم سہارنپور سے تکمیل کر کے وہ مرکز نظام الدین (بنگلہ والی مسجد) دہلی میں نہ صرف کئی کئی ماہ رہے، بلکہ بعد میں بھی یہ تعلق برقرار رکھا اور آمد ورفت جاری رکھی جس کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مقدمہ کتاب میں اس طرح بیان کیا ہے کہ

''ان کا بار بار نظام الدین میوات اور سہارن پور جانا ہوتا رہتا تھا''۔(۲)

---

(۱) تذکرہ مولانا محمد ہارون ص۳۰ طبع جدید

(۲) مقدمہ کتاب ۵، شعبان ۱۳۹۴-۲۴/۸/۱۹۷۴ء

دنیا میں اسلام کے فروغ کا جذبہ

مولانا محمد ثانی حسنی مخدومہ خیرالنساء بہتر صاحبہ کے نواسے اور مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی ندوی کے بھانجہ تھے، اس لیے اگر ان کو یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ماں کے آغوش سے ہی یہ جذبہ اور فکر ملا تھا کہ اس محروم طبقہ جو توحید کے پیغام اور رسالت کی حقیقت اور آخرت کی معرفت سے آشنا نہیں ہے اس سے روشناس کرایا جائے اور اسلام کا تخم ان کے سینوں میں ڈالا جائے اور ان کے دل کی زمین میں ہل چلایا جائے، چنانچہ دعوت و تبلیغ کے راستہ سے داعیوں اور مبلغوں میں وہ اس کی ترغیب اور تشویق کے مواقع سے فائدہ اٹھاتے اور تاجروں اور مسافروں میں اس کا جذبہ پیدا کراتے اور اس کی اہمیت باور کراتے اور تحریر و تصنیف میں بھی اس کا کوئی موقع ہوتا تو اس کو غنیمت جانتے ہوئے فائدہ اٹھاتے۔

سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی میں جماعتوں کی نقل و حرکت اور مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی بے چینی کا ذکر کرتے ہوئے افریقی ممالک میں اس کام کی بنیاد پڑنے اور وہاں جماعتوں کی نقل و حرکت کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی جغرافیائی حیثیت اور وہاں کے لوگوں کی سادگی اور اصل فطرت پر ان کے قائم ہونے اور اس کے نتیجہ میں دعوت کو قبول کرنے کی ان کی قدرتی اور فطری صلاحیت کو بیان کرتے چلے گئے ہیں تاکہ قارئین اور داعیوں میں کسی کے دماغ کو یہ بات لگ جائے اور وہ ایمان سے محروم انسانیت کو اللہ کی معرفت اور توحید کے زمزمہ سے آشنا کرائے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''افریقہ ہندوستان کے جنوب مغرب میں ایک بڑا براعظم ہے جس میں چھوٹے بڑے مسلم اور غیر مسلم آبادی والے بیسیوں ملک ہیں، بعض ممالک میں ۹۰ - ۹۵ فیصد مسلمانوں کی آبادی ہے اور بعض ممالک میں بڑی چھوٹی مسلمانوں کی اقلیت بستی ہے، افریقہ کے مختلف ملکوں میں ہندوستانی اور پاکستانی تاجر

بڑی تعداد میں تجارت کرتے ہیں، اس وقت افریقہ پر دنیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں اس لیے کہ وہ آئندہ دنیا کا مرکز بن سکتا ہے اور دنیا کے نقشے میں اس کو بڑی سے بڑی اہمیت حاصل ہوسکتی ہے، مختلف تحریکات خواہ وہ حق ہوں یا باطل، اسی طریقہ سے مختلف مذاہب کے مبلغین اس وقت افریقہ میں سرگرم عمل ہیں، جن کی تفصیل کے لیے ''افریقہ ایک چیلنج'' (مرتبہ شیخ احمد عبداللہ المسدوسی) کتاب کا پڑھنا مفید اور ضروری ہے، افریقہ میں بعض علاقے ایسے دورافتادہ ہیں جہاں مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات اس وقت تک نہیں پڑ سکے ہیں اور جہاں کے لوگ اپنی اصل فطرت پر قائم ہیں، ان کی قبائلی زندگی ہے جسے بہت سی برائیوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں، ان کے دل دماغ اتنے سادہ ہیں کہ ہر معقول اور غیر معقول چیز کو قبول کر لیتے ہیں اور صہیونیت نیز اور دوسرے باطل مذاہب اور تحریکیں اپنے پورے مادی وسائل کے ساتھ اسی براعظم کے ممالک میں چل رہی ہیں اور ان کی اشاعت کے لیے دولت وثروت اور خدمت وحسن سلوک، مادی ترقیات کے ساتھ قوموں کی قومیں کام کررہی ہیں اور بڑے بڑے ممالک اپنی مشنریوں کے ذریعہ ان کام کرنے والوں کے ساتھ تعاون کررہے ہیں، لیکن اسلام کی جاذبیت اور دل کشی بے سروسامانی کی حالت میں بھی ان سیدے سادے انسانوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے ۔

ذرا نم ہوتو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (جب ۱۹۵۱ء مصر وسوڈان گئے تھے) ان کے برادر معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی (ایم بی بی

ایس) جن کو عالم اسلام سے بڑا تعلق اور تاریخ و جغرافیہ سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ ہمیشہ افریقہ کے ممالک میں دینی دعوت کی اشاعت کے لیے کوشاں رہے اور جب حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے تعلق پیدا ہوا اور بعد میں مولانا محمد یوسف کاندھلوی اس تحریک سے بڑی دلچسپی لینے لگے تو ان کو ان ممالک میں تبلیغی کام کرنے کی آس بندھی اور راہیں کھلتی نظر آئیں، اس لیے کہ ان کے نزدیک ان ممالک میں وہی طریقہ سہل و کارآمد تھا جس کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے دنیا کے سامنے پیش کیا"۔(۱)

مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کا مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو ایک مکتوب

مولانا محمد ثانی حسنی نے افریقی ممالک میں دعوتی کام کے لیے مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی کے اس مکتوب کو اہمیت دی ہے جو انہوں نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو بھیجا جب وہ حجاز، عراق مصر و سوڈان کے سفر پر تھے اور ندوۃ العلماء اور مرکز نظام الدین دہلی کے خرچ پر کچھ افراد ان کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔

مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب موصوف نے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو ایک خط بھیجا جس میں افریقہ کی جغرافیائی حیثیت اس میں کام کرنے کے طریقے اور اشاعت دین کے سلسلہ میں تفصیل سے روشنی ڈالی تھی، اس خط کا ایک حصہ درج ذیل ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچے گا۔"

---

(۱) سوانح مولانا محمد یوسف صاحب ص ۵۰۲-۵۰۳

''سوڈان جنوب میں مشرقی افریقہ سے متصل ہے، یوگنڈا، کینیا، اور حبش کا پہاڑی علاقہ اور بلجین کانگواس سے ملے ہوئے ہیں، مغرب میں اس کا تعلق فرانسیسی سوڈان سے ہے اور فرنچ مقبوضات مغرب میں بحر اٹلانٹک اور جنوب مغرب میں بحر روڈلف تک پہنچتے ہیں، تکرونی قوم اتنے بڑے رقبہ میں آمد ورفت رکھتی ہے اور تجارت قافلوں کے ساتھ ہوتی ہے، اتنے بڑے علاقے میں اگر دین کے لیے نقل وحرکت ہونے لگے تو اللہ تعالی کے فضل سے امید ہے کہ انہیں اللہ تعالی ایمان کی حلاوت نصیب فرمادے اور عالم میں امن وسلامتی پھیلانے کا کام ان سے لے لے، یہ قومیں تمدن سے بالکل علیحدہ رہی ہیں اب اگر اسلام کے تمدن کے ساتھ اٹھیں گی تو عرب وبربر کے اٹھنے کی طرح اٹھیں گی۔ انشاء اللہ تعالی۔

صدر اسلام میں فتوحات وتبلیغ سے اسلام مصر سے مغرب کی طرف گیا، ساحل بحر روم پر بسنے والی بربر قومیں مسلمان ہوئیں اور اسلام کے لیے باعث تقویت ہوئیں انہیں کی وجہ سے صحرائے اعظم میں بھی اسلام پہنچا اور اس کو پار کرکے نائیجیریا اور سینی گیمبیا کی وادیوں تک پہنچا۔ نائیجیریا اور سینی گیمبیا کی وادیوں میں مسلمان کہیں کم اور کہیں زیادہ ہیں، ان کے ساتھ وحشی کفار بھی بستے ہیں، یوگینڈا اور کانگو اور اس کے جنوبی علاقے میں عموماً کفار ہیں، سوڈان کے جنوبی حصے میں کفار بہت ہیں جو عربی سے ناواقف ہیں، ان سب میں اسلام کی تبلیغ کرنا ہے''۔(۱)

---

(۱) سوانح مولانا محمد یوسف صاحب ص: ۵۰۳-۵۰۴

دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسلام کی اشاعت کی فکر

دنیا میں ایک کنارے افریقی وامریکی ممالک ہیں، دوسرے کنارے مشرقی، ایشیائی ممالک چائنا، کوریا، جاپان وغیرہ ہیں اور کوریا کا محل وقوع اس طرح ہے کہ وہاں جو چیز داخل ہوتی ہے وہ چائنا اور دوسرے علاقوں میں پہنچتی ہے، وہ گویا اس پورے علاقہ کا مدخل ہے اسلئے اسلام کا وہاں داخل ہونا پورے خطہ میں اسلام کے پہنچنے کا سبب ہوگا، ان کے دل بھی سادہ ہیں اور وہ عرب ممالک میں روزگار کی تلاش میں بڑی تعداد میں ہیں، مولانا محمد ثانی حسنی کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو ان کو فکر لاحق ہوگئی کہ ان تک حق بات پہنچنے کی کوئی سبیل نکالنی چاہیے چونکہ وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ساتھ سفر حجاز میں تھے اور مدینہ منورہ میں ان کو یہ بات معلوم ہوئی تھی، اس سلسلہ میں جو پیش رفت ہوئی اس کا تذکرہ مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنی ڈائری میں کیا ہے۔

وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آج کی مجلس میں کافی لوگ تھے، الخبر سے ایک تبلیغی جماعت بھی آگئی تھی، مقامی لوگوں میں خصوصی طور پر صوفی اقبال تھے، باہر فضل عظیم صاحب مرادآبادی الخبر والی جماعت کے ساتھ ملے اور کہا کہ مولانا (یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) سے ملنے ہم لوگ بھی جارہے ہیں، موٹر سے جائینگے، تم بھی موٹر سے چلو، ہم نے بہت دامن بچایا مگر ان کے اصرار پر بیٹھنا پڑا، آدمی زیادہ تھے، اس لیے دقت ہوئی، راستہ میں فضل عظیم نے ان سے ہمارا تعارف کرایا، اس پر ان میں سے ایک صاحب بولے مولانا سے ایک بات کہنی ہے، آپ ترجمان بن جایئے، بات یہ ہے کہ سعودی عرب میں کوریا کے باشندے تقریبا دولاکھ ہیں، جن

میں تھوڑے تو مسلمان ہیں، باقی عیسائی اور بدھ مذہب کے ماننے والے ہیں، مگر عموما ان کا رجحان اسلام کی طرف ہے، کوئی ایسا لٹریچر ہو جو ان کے لیے مفید ہو، یہ بات کر ہی رہے تھے کہ بستان (نورولی) آ گیا اور ہم لوگ اتر گئے اندر داخل ہوئے تو عربوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی ان میں شیخ محمد المجذوب بھی تھے اور ان کے ساتھ بعض اہل قلم عرب تھے، ہم لوگ پہنچے تو وہ اٹھ رہے تھے اور کسی دن دعوت پر اصرار کر رہے تھے، ان کے جاتے ہی الخمر والے ملے ان میں سے ایک صاحب عبدالباسط تھے جو ایک بڑے تاجر ہیں اور شیخ عبدالرؤوف عبدالسلام کے بھائی ہیں، یہ فرم ''رضوان'' (۱) کی قدرداں رہی ہے۔

ان حضرات نے ماموں جی سے بھی وہی بات کہی جو ہم سے کہہ چکے تھے، ماموں جی نے کہا ہمارے پاس ایسے لوگوں کے لیے اردو اور انگریزی میں بہت اچھا لٹریچر ہے، آپ اس کو منگوا لیجئے اور کورین زبان میں ترجمہ کرا کے ان کو دیجئے، ان لوگوں نے وعدہ کیا ہے کہ منگائیں گے۔ (۲)

مسرت کی بات یہ ہے کہ آج کوریا میں اسلام کو تیزی سے فروغ مل رہا ہے اور ان کے دلوں کی سادہ تختیاں اسلام کے نور سے پر ہو رہی ہیں اس وقت وہاں کے داعی اکبر اور مجاہد عالم دین دارالعلوم ندوۃ العلماء کے خریج (فاضل) اور سابق استاذ دارالعلوم شیخ عبدالوہاب زاہد حق حلبی شامی ہیں اور اب وہ مہاجر کورین ہیں، انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے علمی دینی وروحانی تربیت حاصل کی اور بیعت

---

(۱) ماہنامہ رضوان لکھنو جس کے مدیر کاتب السطور مولانا محمد ثانی حسنی تھے، اور اب ان کے خلف الرشید خال مکرم مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء مدیر رسالہ ہیں۔

(۲) ماخوذ از روزنامچہ سفر حجاز فروری ۱۹۸۱ء

وارادت کا تعلق بھی قائم کیا اوران کے ارشاد وسرپرستی میں زندگی گذارنے کا فیصلہ کیا، ان کے وطن تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں بھی وقت گذارا، ان کے بھانجوں مولانا محمد ثانی حسنی، مولانا محمد رابع حسنی اور بھائی مولانا ابوالخیر صاحب محدث سے بھی استفادہ کیا، اب اللہ کے فضل اور توفیق سے بڑی تعداد کورین کی ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرچکی ہے اور بیعت واسترشاد کا تعلق بھی قائم کر کے دین میں پختگی حاصل کر رہی ہے وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کے مجاز بیعت وارشاد ہیں ان کا مدرسہ بھی ہے اور دعوتی سنٹر بھی ہے اور تربیت گاہ بھی "ذلك فضل الله يوتيه من يشاء"۔

دعوت وتبلیغ کے کام میں عمومی محنت اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی نمائندگی

یہ بھی اپنی جگہ واقعہ ہے کہ مولانا محمد ثانی حسنی نے محلوں، علاقوں، گاؤں، گلیوں میں جاجا کر لوگوں کو دین کی طرف لانے کی کوشش کی، اپنے وطنی علاقوں میں لکھنؤ رائے بریلی اور ان کے اطراف ونواح میں انہوں نے پیدل، سواری سے جماعتوں کے ساتھ جاجا کر اجتماعی طور پر اور انفرادی طور پر جاجا کر لوگوں کو دعوت دی اور تبلیغ میں وقت لگانے پر آمادہ کیا، معاشرت کی اصلاح، نمازوں اور معاملات کی درستگی کی طرف توجہ کیا، لکھنؤ میں پانی گاؤں والے جواب لکھنؤ نہر کا حصہ ہے، پہلے شہر سے باہر گاؤں تھا، مولانا محمد ثانی حسنی کو یاد کرتے ہیں وہ وہاں جاتے اور دین کی باتیں بتاتے اور نئی نسل کو دینی تعلیم دلانے پر آمادہ کرتے تھے، چنانچہ اس کا فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ وہاں سے مولانا مفتی محمد طارق ندوی مرحوم (سابق استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے ندوہ میں تعلیم حاصل کی اور پھر ندوہ میں مدرس اور مفتی ہوئے اور لکھنؤ میں ایک فعال متحرک سرگرم عالم دین کی طرح رہ کر اپنی عمر پوری کی، اس طرح کے اور بھی واقعات ہیں، اسی طرح رائے بریلی میں ان کی محنت رہی، ان حلقوں سے بھی رابطہ بنائے رکھا جو عقائد وافکار ورجحانات میں الگ خیال کے تھے اور اپنے حسن اخلاق

سلوک برتاؤ سے اتنا متاثر کیا کہ وہ قریب ہوگئے اور قریب تھا کہ وہ کچھ دن اور رہ جاتے تو ان کی محبت واخلاق سے پوری فضا بدل جاتی، وہ لکھنو میں رہ کر لکھنو کے تبلیغی مرکز میں اور رائے بریلی میں ہوتے تو وہاں کے مرکز میں پابندی سے شرکت کرتے، اسی لیے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے یہ بات لکھی ہے کہ:

''انہوں نے مرکز نظام الدین کی سرگرمیوں میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا اور ان کو بہت جلد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا قرب اور اعتماد حاصل ہوگیا، وہ اکثر ان کے میوات کے سفروں میں ساتھ ہوتے تھے، لکھنو کے کام میں بھی جس کا اس وقت مرکز ندوۃ العلماء کی مسجد اور بعد میں کچہری روڈ کا مرکز تھا، شرکت اور رفاقت جاری رکھی اور اس میں ان کے اس دعوت کے اصول ومزاج کو اخذ کر لینے کی وجہ سے بہت جلد خصوصی مقام حاصل ہوگیا اور اکثر میری اور مولانا منظور صاحب کی نیابت کرنے لگے۔''(۱)

مولانا محمد ثانی حسنی کا تبلیغ سے جو تعلق تھا وہ حضرت مولانا یوسف صاحب کے دور میں بہت کھل کر سامنے آیا، اور سفر حضر میں انہیں ان کی جو شفقتیں حاصل ہوئیں اور قریب سے ایک دوسرے کو دیکھنے کا جو موقع ملا اس نے ان کے قلم سے سوانح حضرت مولانا محمد یوسف لکھوائی جو تبلیغ سے متعلق سب سے مستند ذخیرہ تسلیم کیا جاتا ہے، ان کے اس تعلق کے بعد کے ذمہ داروں حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی، مولانا عبید اللہ بلیاوی، مولانا سعید احمد خاں، مولانا محمد ہارون، مولانا مفتی زین العابدین لائل پوری، مولانا اظہار الحسن کاندھلوی رحمہم اللہ سبھی کو قدر تھی۔

مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی، مولانا عبید اللہ بلیاوی اور ان کے ساتھ نظام الدین ایک گاڑی قافلہ مولانا محمد ثانی حسنی کے انتقال کے بعد دو ہفتہ ہی میں رائے

---

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم ص، ۳۴۹

بریلی تکیہ کلاں آیا اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی سے ملاقات کی، مستورات کی تسلی کے لیے ان میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے بیان بھی فرمایا، اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے مدینہ طیبہ سے ایک ایسا تاریخی نوعیت کا تعزیتی مکتوب ارسال کیا جو تعزیتی مکاتیب میں انفرادیت کا حامل ہے کہ تعلق بلکہ حضرت شیخ کے تبحر علمی، قوت حافظہ کا پتہ بھی دیتا ہے، مولانا محمد ہارون کاندھلوی جن کا انتقال مولانا محمد ثانی حسنی کے انتقال سے ۹ ر سال قبل ہو گیا تھا اوروں کا تذکرہ بھی مولانا سید محمد ثانی حسنی کے قلم سے نکلا، وہ اپنی وفات سے قبل اپنی آخری ملاقات میں جو ایک تبلیغی سفر سے واپسی پر لکھنؤ اسٹیشن پر ہوئی تھی جس تعلق وانبساط کی کیفیت سے ملے تھے وہ اسی قدر دانی کا اظہار تھا مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم تحریر کرتے ہیں:

"راقم السطور کو یاد ہے کہ وہ کسی سفر سے واپس ہو رہے تھے ایک بڑی جماعت ساتھ تھی، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بھی تھے، لکھنؤ اسٹیشن پر عشاء کی نماز باجماعت ہوئی، مولوی محمد ہارون راقم السطور سے ملے اور اس محبت و یگانگت سے ملے کہ اس طرح وہ زندگی بھر نہیں ملے تھے، اور یہ ملاقات آخری ملاقات تھی، نہیں معلوم تھا کہ اس کے بعد اس جہان سے رخصت ہو جائیں گے اس ملاقات کا نقش ابھی تک دل پر ثبت ہے۔" (۱)

مقامی طور پر بھی مولانا محمد ثانی حسنی تبلیغی جدوجہد اور اطراف واکناف اور قصبات اور دیہاتوں میں جا جا کر کام کرنے دین اور اس کی دعوت کے لیے وقت فارغ کرنے کی طرف توجہ دلاتے اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کا نکلنا اور پھر دوسروں کو نکالنا اور ان کی دینی تبلیغی دعوتی تقاریر کے اثر سے لوگون کا دیندار بننا یہ آج بھی لوگوں کے نوک زبان ہے، اس سلسلہ میں مقامی طور پر لکھنؤ اور رائے بریلی اور اس کے اطراف میں ان کی محنت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ چودھری علی مبارک عثمانی مرحوم مولانا سید محمد ثانی حسنی

(۱) تذکرہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی ص ۸۸

کے ایک تبلیغی سفر اور تقریر کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''رائے بریلی تکیہ کلاں کے حسنی خاندان میں سب سے پہلی ملاقات مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ سے ہوئی وہ اس طرح کہ وہ سید مسعود حسین آزاد فتح پوری کے ہمراہ تبلیغی جماعت کے ساتھ سترلاکھ آئے اور مختصر تقریر فرمائی، یہ غالباً ۱۹۴۸ء کی بات ہے جبکہ حالات غیر یقینی اور فضا کافی مکدر تھی، وجہ تقسیم ملک شورش تھی، مولانا ثانی صاحب کی تقریر جو کسی حد تک ذہن میں ہے صحابہ کے ایثار و جذبہ اخوت سے متعلق تھی، حالات کی پراگندگی اور نامساعدت کا کوئی اثر مولانا کے لب ولہجہ پر نہیں تھا، نہایت پرسکون اور خوش اسلوبی کے ساتھ انہوں نے وہ ''سِری'' والا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک صحابی نے ''سِری'' دوسرے گھر میں بھیج دی، یہاں تک کہ وہ ''سِری'' سات گھروں میں ہوتی ہوئی انہیں صاحب کے گھر واپس آ گئی، اسلام کی روشن تعلیمات کو عمل میں لانا چاہیے اور زندگی شریعت اور اتباع نبی کریم ﷺ میں گذارنی ضروری ہے۔''(۱)

مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی مہتمم دارالمبلغین لکھتے ہیں:

''مولانا کی تقریر بہت سادہ اور پر اثر ہوا کرتی تھی اپنی عمر کا اچھا خاصا حصہ تبلیغی جماعت میں صرف کیا اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی دعوت وتبلیغ کی خدمت انجام دی، گذشتہ ۷رسال سے میرے اصرار پر تقریباً ہر سال مجلس تحفظ ملت لکھنو کے سالانہ شہدائے اسلام کے جلسوں میں شرکت فرماتے اور مولانا ہی کی دعا پر ان جلسوں کا اختتام ہوتا۔''(۲)

دعوتی خطاب اور اصلاحی گفتگو مولانا کا اندر کا تقاضا تھا جسے دبانا مشکل ہوتا البتہ

---

(۱) از مقدمہ منتخب کلام ثانی مرتبہ چودھری علی مبارک عثمانیؒ (۲) رضوان نمبر ص: ۱۵۵-۱۵۶

وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور اپنے دوسرے بڑوں کے احترام ولحاظ میں اس تقاضے کو دبانے اور کہیں بھی نمایاں ہونے سے گریز کرتے، البتہ جب بڑوں کی طرف سے ہی پڑ جاتی تو تعمیل حکم میں وہ اس موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے۔ ''لکھنؤ سے ناگور تک'' کے اپنے سفر نامہ میں جو جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے سفر کے طور پر لکھا تھا، جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کی مسجد میں اپنے خطاب کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

''بعد نماز صبح مسجد ہی میں راقم الحروف نے ﴿ومن أحسن قولا ممن دعا إلىٰ الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين﴾ کی تلاوت کر کے مختصر تقریر کی''(۱)

یہ سفر ۱۹۷۱ء میں مارچ کے آخری ہفتہ میں ہوا تھا اور خطاب کے عنوان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا قرآنی پیغام کو پیش نظر رکھتے ہوئے دعوت کو موضوع بناتے تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ کھیت میں رہتے ہوئے دکان کرتے ہوئے، اخلاق برتتے ہوئے معاملہ کرتے ہوئے اپنے داعیانہ کردار کو فراموش نہیں ہونے دیتے تھے اور مرض وفات میں اس کا اور کھل کر اظہار ہوا، مولانا ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی جو برسوں مولانا محمد ثانی حسنی کے رفیق وشریک کار رہے، اس تعلق سے اپنا تاثر یوں بیان کرتے ہیں:

''میں مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کو ۱۹۵۵ء سے جانتا تھا جب میں مدرسہ ابواحمدیہ علی آباد میں مدرس تھا، میں نے ان کے بارے میں یہ سن رکھا تھا کہ وہ مولانا علی میاں صاحب کے بڑے بھانجے ہیں، بہت ہی نیک اور بڑے اچھے مقرر ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں جب ایک بار لکھنؤ آیا تو مکتبہ اسلام حاضر ہوا اور مولانا سے مفتی کفایت اللہ صاحب کی مکمل ''تعلیم الاسلام'' خریدی جو اب تک میرے پاس موجود ہے، مولانا اس وقت تک مجھے نہیں

(۱) از: سفر نامہ لکھنؤ سے ناگور تک

جانتے تھے، اسی سال ایک تبلیغی جماعت علی آباد آئی، بڑے مخلص لوگوں کی جماعت تھی، اس میں حاجی بادشاہ علی صاحب بھی تھے اور مولانا محمد ثانی حسنی بھی، پہلی رات علی آباد کی جامع مسجد میں قیام ہوا، پچھلے وقت تہجد سے فراغت کے بعد جب کہ طلوع صبح صادق میں کچھ ہی منٹ باقی تھے لوگ انفرادی دعا میں مشغول ہوئے تو چراغ گل کر دیے گئے، ہر شخص زاروقطار رو رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ در و دیوار رو رہے ہیں، آسمان سے نزول رحمت ہو رہا ہے، مجھ پر بھی عجیب کیفیت تھی، میرے گاؤں کے لوگ اس وقت تک دین کے نام پر تعزیہ و فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ جانتے تھے، جی چاہا کہ ان کی منت وسماجت کر کے اس مخلص جماعت کی زیارت کرآؤں، چنانچہ نماز کے بعد اپنے گاؤں روانہ ہو گیا جو علی آباد سے نو میل تھا، الحمدللہ کوشش میں کامیاب ہوا، واپسی میں سائیکل پر پیچھے اپنے چھ سالہ بچے مرغوب مرحوم (ا) کو بٹھائے ہوئے تھا، خدا کی مصلحت اس کا ایک پیر پہیئے میں آکر بری طرح زخمی ہو گیا، واپس ہو کر مرہم پٹی کر کے اس کو اس کی ماں کے حوالہ کیا اور خود علی آباد آ گیا، شام کو علی آباد

(ا) مولانا مرغوب احمد صدیقی ندوی مرحوم بڑے صالح نوجوان اور ذی استعداد تھے، ۶/ جون ۱۹۷۰ء کو پونے گیارہ بجے دن بروز شنبہ میں وفات پائی، مولانا قاضی محمد فاروق ندوی بھٹکلی ان کے رفیق درس تھے، وہ ان کی صلاح وصلاحیت کی تعریف کرتے ہیں، آپ کو جمعہ کے دن غسل کے بعد گیارہ بجے بخار آیا، شام تک کوئی علاج نہ ہو سکا، صبح شنبہ کو علاج کی فکر ہوئی، تین آدمی آگے پیچھے ساڑھے چھ بجے، ساڑھے آٹھ بجے اور دس بجے ردولی گئے مگر انتقال کے بعد ہی ڈاکٹر اور دوا آسکی، انا للہ وانا الیہ راجعون، بدھ کی شام کو جنت، فرشتے اور قبر کی گفتگو کی، نکیرین کے سوال و جواب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کی زیارت کے شوق میں موت کو اپنے لیے پرلطف بتایا اور لہجہ سے اس کا اشتیاق ظاہر کیا۔ محمود

سے متصل گلچپہ کلاں کی مسجد میں قیام تھا، مولانا محمد ثانی صاحب کی تقریر تھی، تقریر اتنی موثر تھی کہ ہر شخص کا دل پگھل رہا تھا، جس وقت مولانا نے ایک صحابی کا قصہ سنایا (جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی بچی کو زندہ دفن کر دیا تھا اور پھر یہ قصہ حضور ﷺ کو سنایا تھا) تو کوئی بھی اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا، تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کی محبت اور آپ کی اطاعت ہی اسلام ہے، نیز اپنی اصلاح کی فکر اور دوسروں کو اس کی دعوت حضور ﷺ کی محبت اور اطاعت ہی کے تقاضے سے ہے، تقریر کے بعد ہمارے گاؤں والوں نے کہا کہ یہ لوگ تو حضور ﷺ سے سچی محبت بھی رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی اطاعت بھی کرتے ہیں، لیکن ان کے مخالفین صرف محبت کا دعوی کرتے ہیں اطاعت میں بالکل کورے ہیں۔"(۱)

مکتبہ اسلام اور رسالۂ رضوان

دعوت دین اور تعلیمات اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے مولانا نے ایک ذریعہ مکتبہ کو بھی بنایا، اس سلسلہ میں ان کے معاون اور مکتبہ اسلام و ماہنامہ رضوان کے منیجر مولانا ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی (حال معاون ناظر تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء، لکھنؤ و سابق ناظر معہد دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کی تحریر ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

"میں مکتب مرکز اصلاح و تبلیغ شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس ہو کے آیا تھا، پکریا والی مسجد کی خدمت بھی سپرد تھی، ۱۹۶۴ء کا کوئی مہینہ تھا، دفتر نظامت ندوۃ العلماء میں مولانا سید محمد طاہر صاحب مظاہری معاون ناظم کے پاس بیٹھا تھا (اس وقت دفتر

(۱) ماہنامہ رضوان مولانا محمد ثانی حسنی نمبر

نظامت مسجد سے قریب اس عمارت میں تھا جس میں اب مسلم رفاہی سوسائٹی کا دفتر ہے اور اب جسے مجلس تحقیقات اسلام نے خرید لیا ہے) مولانا طاہر صاحب نے فرمایا کہ مولانا محمد ثانی صاحب کہتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو ہارون رشید شام کے اوقات میں ایک سے دو گھنٹے میرے مکتبہ میں بیٹھ جایا کریں، ان کو بیس روپئے ماہوار پیش کردیے جایا کریں گے میں نے منظور کرلیا اور اگلے ہی روز سے بیٹھنا شروع کردیا۔''(۱)

آگے ڈاکٹر ہارون رشید صاحب لکھتے ہیں:

''مکتبہ اسلام صرف کتابوں کی دکان نہ تھا، بلکہ اردو اور دینی ماہنامہ ''رضوان'' کا دفتر بھی تھا، مولانا اس کے ایڈیٹر بھی تھے اور مالک بھی تھے، میرے ذمہ ''رضوان'' کا کام بھی ہوا اور مکتبہ کا بھی، میں دفتری کاموں سے بالکل ناواقف تھا، مولانا نے مجھے سکھایا کہ کس طرح رجسٹر تیار کیا جاتا ہے اور چندہ آئے تو کس طرح جمع کیا جاتا ہے وغیرہ۔ خدا کی مدد سے میں بہت جلد سارا کام سیکھ گیا، خریداروں سے تقاضا کرنا، وی پی بھیجنا، پوسٹنگ کرنا، پوسٹنگ کے لیے پتے تیار کرنا، ڈاک خانہ جاکر پرچہ پوسٹ کرنا، کتابت کی کاپیاں پڑھنا، ترمیم کروانا، پروف پڑھنا، کاغذ کا حساب لگانا، خریدنا، رضوان چھپوانا، کتابیں چھپوانا، غرض سارے کام بہتر طور پر انجام دینے لگا، جب میں نے سارا کام سنبھال لیا تو ایسا لگتا تھا کہ مولانا کچھ جانتے ہی نہیں چنانچہ کئی بار ضرورت ہوئی تو فرمایا، بتاؤ یہ کام کیسے کیا جاتا ہے،

---

(۱) ماہنامہ رضوان مولانا محمد ثانی حسنی نمبر

لیکن مجھے بہت ہی افسوس ہے کہ یہ کام میرے ذمہ سولہ سال تک رہا مگر نہ مکتبہ کو ترقی ہوسکی اور نہ رضوان کو، جس کا بڑا سبب دکان کا صرف پارٹ ٹائم کھلنا تھا، عموماً سارا دن دکان بند رہتی، صرف شام کو کھلتی، اس طرح مقامی اور پھٹکر گاہک تقریباً ختم ہوگئے، صرف آڈر ہی بک ہوتے تھے کئی بار میں نے مولانا سے عرض کیا کہ وہ اس مسئلہ پر غور کریں لیکن ایسا لگتا کہ مولانا ان دنیوی جھمیلوں میں پڑنا نہیں چاہتے، فرمایا تم ہی جو نظم چاہو کرو، میں نے تلاش کر کے پورے وقت کا ایک آدمی رکھا جو صبح سے چار بجے (۴) تک بیٹھتا، لیکن حالات میں کوئی تبدیلی نہ آئی، اس لیے کہ دوسرا بڑا سبب سرمایہ کی کمی بھی تھی، مولانا بڑے متوکل مزاج تھے ان کی حالت جہاں تک مجھے معلوم ہے ان کے بھائی اور ماموں بھی نہ جانتے تھے، واللہ اعلم، مولانا کی کچھ آمدنی اپنی جائداد سے بھی تھی، لیکن اس طویل ساتھ میں میں نے بارہا یہ پایا ہے کہ قیام لکھنو میں کئی کئی روز تک ان کی جیب خالی رہتی تھی، وہ بڑے نفاست پسند تھے، ہمیشہ صاف ستھرے لباس میں رہتے تھے، وہ بڑے خوددار اور وضع دار تھے، شام کو دکان پر بیٹھتے، دوست احباب جمع ہوجاتے، کئی کئی بار چائے آتی اور میں دکان کے حساب سے ادا کرتا، جبکہ بعض دنوں میں ایک پیسہ بھی بکری نہ ہوتی وہ بڑے حساس تھے، لیکن دین واخلاق کے بارے میں نفاست وخودداری کے بارے میں، دنیا کی دولت کے بارے میں نہیں اس سے تو ان کو جیسے کراہت سی تھی۔

لکھنو کے تمام مکتبے تاجرانہ تعاون کے لیے تیار تھے اور وہ خود

حسب ضرورت مکتبہ اسلام کی مطبوعات لے جاتے لیکن جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں کہ مکتبہ صرف شام کو کھلتا، بکری برائے نام ہوتی، اس پر طرہ یہ کہ مولانا کے بعض عقیدت مند مکتبہ میں آ کر بیٹھ جاتے اور بے اجازت جو کتاب چاہتے اٹھا کر مطالعہ شروع کر دیتے، مولانا کو بالکل برا نہ لگتا بلکہ جیسے ان کا کام ہو رہا ہو اور میں اندر ہی اندر کڑھتا، مگر کچھ کہنے کی ہمت نہ کرتا، نتیجہ یہ ہوتا کہ چند روز میں کتابیں میلی ہو جاتی تھیں یا کور پھٹ جاتا، جسے گاہک پسند نہ کرتے اس طرح نفع کے بجائے نقصان ہوتا، ایک بار میں نے تنہائی میں مولانا سے اجازت چاہی کہ ایسے حضرات کو میں روک دوں کہ کتابیں نہ اٹھائیں، مولانا نے کراہت سے اجازت دی، میں نے لوگوں کو روکا، اس کے نتیجے میں بعض لوگ مولانا سے اجازت لیکر کتابیں پڑھنے لگے، حال وہی رہا، چنانچہ میں نے مکتبوں سے کتابیں مہیا کرنے میں کوتاہی برتی تا کہ مولانا کو مزید نقصان نہ پہنچے اللہ تعالی مجھے معاف فرمائیں۔

میں نے جب کام سنبھالا تو تو رضوان تین ہزار سے کچھ کم چھپتا اور پوسٹ ہوتا تھا، یہ صحیح ہے کہ اس وقت اجرت کتابت سستی، کاغذ ارزاں اور اجرت طباعت معمولی تھی۔ آمدنی خرچ سے زیادہ ہوتی اور باوجودیکہ سینکڑوں لوگ چندہ بھیجنے سے مستغنی تھے لیکن رضوان بلا کسی پریشانی کے چل رہا تھا، دھیرے دھیرے گرانی نے اپنے ہاتھ پیر پھیلانا شروع کئے، رضوان بھی متاثر ہونے لگا، مفت خواں اپنی عادت پر جمے رہے، ادھر مولانا کی ہدایت تھی کہ ایک بار خریدار بن جانے والا جب تک منع نہ

کرے نام خارج نہ کیا جائے بس چندہ کا تقاضہ کیا جائے، چنانچہ کئی سو حضرات ایسے ہوگئے جن پر کئی کئی سال کی بقایا ہوگئی ادھر بعض اصولی حضرات نے گرانی کے سبب رسالہ بند کرادیا جس سے آمدنی اور کم ہوگئی، اب یہ طے پایا کہ اطلاع دیکر تمام بقایاداروں کو وی پی بھیج کر بقایا وصول کی جائے چنانچہ اس پر عمل ہوا لیکن افسوس کہ اکثریت نے وی پی واپس کردی، جس سے بڑا خسارہ ہوا، بقایا تو گیا ہی ڈاک خرچ کا جرمانہ بھی ہوگیا، اس طرح رضوان کا مالی نظام درہم برہم ہوگیا، کئی بار مولانا نے گھر سے رقم لگائی لیکن گاڑی قابو میں نہ آئی مجبوراً اشاعت کم کی گئی اور کم ہوتے ہوتے ہزار پر آگئی، مولانا چاہتے تو اشتہارات سے یہ خسارہ پورا کرلیتے لیکن مولانا نے بازاری اشتہاروں سے ہمیشہ گریز فرمایا، مولانا کو اس کی فکر برابر رہی کہ یہ دینی خدمت کس طرح جاری رہے، فرماتے کہ قابل برداشت خسارہ کے ساتھ بھی اسے بند نہ کیا جائے گا، غالباً اب بھی پرانے رجسٹر موجود ہوں جن میں آمد وخرچ لکھا کرتا تھا، ایڈیٹر کی حیثیت سے مولانا کو کبھی ایک پیسہ نہ مل سکا، کہنے کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ تو مالک تھے لیکن میں بتاتا ہوں کہ اس طویل زمانہ میں مولانا کی ملکیت بھی اعزازی تھی بس جو کچھ آمدنی تھی وہ مکتبہ اسلام سے تھی وہ بھی برائے نام۔ مولانا کے وصال کے بعد حمزہ میاں نے مکتبہ ورضوان دونوں کو سنبھالا ہے اور الحمد للہ دونوں ترقی پر ہیں اللہ تعالیٰ مزید ترقی وبرکت عطا فرمائیں۔" (۱)

---

(۱) رضوان مولانا ثانی نمبر ص: ۸۱-۸۶

داعیانہ مزاج اور اعلیٰ اخلاقی کردار

دعوت وتبلیغ میں مولانا محمد ثانی حسنی کا مزاج خالص داعیانہ اور نبوی اسوہ کا حامل تھا، جس میں محبت وشفقت ہر ایک پر سایہ فگن ہوتی ہے، جس سے قریب ورشتہ دار اور ہم مسلک ومشرب افراد کے علاوہ دوسرے مسلک ومشرب کے افراد بھی حصہ پائے، اس کا اثر صاف محسوس کیا گیا کہ دوسرے مسلک ومشرب کے بعض علماء وقائدین تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، غیر مسلموں پر بھی اس کا اثر پڑا، چنانچہ ان کا بڑا مجمع ان کے جنازہ میں موجود تھا اور متاثر تھا، غیر مسلم کسانوں کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہوتا کہ ان کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے کام نہ ہوتے ہوئے بھی کام لے لیتے اور اس کا ان کو معاوضہ ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دیتے، غریب مسلمانوں کے ساتھ بھی ان کا ہمدردی کا یہ معاملہ ہوتا، خوشی اور غمی کے مواقع پر غم خواری اور ہمدردی کا معاملہ عام تھا، کسی ایک کے ساتھ ملاطفت کا معاملہ کر رہے ہوتے دوسرے موجود شخص کو بھی اس میں شریک کر لیتے، محبت کا ایک سوتا تھا جو پھوٹا پڑ رہا تھا، اپنے اخلاق سے، دین سے مانوس کر کے، دین سے اور سنت کی راہ سے قریب کرتے، اس سے انہوں نے حق کی حمایت اور اشاعت میں بڑا کام لیا، اور لوگوں میں بدعت سے دوری پیدا ہوئی جس کا اثر کھلے طور پر جنازہ میں ظاہر ہوا اور سلف کی یہ بات صادق آگئی کہ

"بیننا و بینهم الجنائز" کہ ہمارے اور ان کے درمیان جنازے فرق ظاہر کر دیں گے)

نواں باب

سوانحی ادب اور تذکرہ نگاری میں نمایاں مقام اور متنوع تصنیفی ذوق

تاریخی وادبی ذوق

مولانا محمد ثانی حسنی کو تاریخی اور ادبی ذوق ورثہ میں اپنے نانا مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی اور ان کے والد مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی سے ملا تھا، اس سے پہلے اس سلسلہ میں مولانا سید محمد نعمان حسنی (دفین بیت المقدس) (عم نامدار امیر المومنین حضرت سید احمد شہید) خاندان میں ممتاز رہے تھے، اور ان کی کتاب ''اعلام الہدیٰ'' سے ان کے بعد کے لوگ استفادہ کرتے رہے، ان کے علاوہ اسی خاندان والاشان کے لائق فخر عالم دین علامہ سید محمد حکم بن سید محمد بن حضرت شاہ علم اللہ حسنی کو تصنیف اور علمی وادبی ذوق میں شہرت وانتیاز حاصل ہوا، لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ ان کا ذخیرۂ تصنیف محفوظ نہ رہ سکا، جس میں ان کی عربی لغت، تلخیص الصراح، اور عربی وفارسی زبانوں میں الگ الگ مکمل قرآن کریم کی تفسیریں بھی تھیں، نایاب ہوگئیں، ظاہری طور پر اس میں بڑا دخل سیلاب کی آمد کو ہے جو تکیہ کلاں میں بار بار آتا رہا، جس کے نقصانات سے بچا نہ جا سکا، علمی وتصنیفی ورثہ کے حامل مولانا سید محمد نعمان کے بعد قریبی رشتہ میں ان کے بھتیجہ مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی محدث (متوفی ۱۲۲٦ھ) (تلمیذ رشید حضرت شاہ عبدالعزیز

محدث دہلوی) ہوئے، انہوں نے اپنے برادرزادہ مولانا سید محمد ظاہر حسنی بن مولانا سید غلام جیلانی کو اس کا امین ووارث بنایا، اس لیے کہ وہی خاندان علم اللہی میں علمی و تصنیفی مذاق میں دوسروں سے ممتاز اور فائق تھے، ان سے یہ دولت ان کے نواسہ اور لائق فخر مصنف ومؤرخ مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی کو ملی، اور ان کے قلم سے "مہر جہاں تاب" جیسی تحقیقی کتاب اسلامی تاریخ اور اس کے رجال کے تذکروں اور دیگر علوم و فنون پر نکلی، فارسی میں ہونے کی وجہ سے اس سے زیادہ فائدہ نہ اٹھایا جاسکا اور جیسی اس کی قدر ہونی چاہیے وہ نہ ہوسکی، اسی طرح ان کی خاندانی تاریخ پر کتاب "سیرۃ السادات" تھی اس کا بھی افادہ عام نہ ہوسکا، البتہ ان کے خلف الرشید مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے اس ذخیرۂ علمی سے بھرپور فائدہ اٹھایا، اور اپنی تصنیف "نزہۃ الخواطر" (آٹھ جلدوں) میں جو بعد میں "الاعـلام بـمـن فـی تـاریـخ الهـنـد من الأعلام" کے نام سے طبع ہوئی ہے، استفادہ کیا، اس کے علاوہ ان کے قلم گہربار سے دوسری علمی تاریخی ارسوانحی کتابیں منظر عام پر آئیں، جن میں "گل رعنا" (تذکرہ شعرائے اردو) "الهند في العهدالاسلامی"، "الثقافة الاسلامية في الهـنـد" اور بعض دوسری کتابیں ہیں، مولانا عبدالحی حسنی کا یہ فیض ان کی ملی اولاد میں ان کے فرزند اصغر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور دختری اولاد میں نواسہ مولانا سید محمد ثانی حسنی میں منتقل ہوا، اور ان دونوں نے بڑا تاریخی تصنیفی ورثہ اپنے پیچھے چھوڑا، اور اس ذوق کے حامل ان کے پوتے مولانا سید محمد الحسنی بن مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی بھی ہوئے، جن کے قلم سے تذکرہ شاہ علم اللہ، سیرت مولانا محمد علی مونگیری، اور دوسری کتابیں نکلیں، مزید وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت شاہ عبدالسلام ہنسوی کے تذکرے بھی مرتب کررہے تھے کہ انہوں نے ۱۳ر جون ۱۹۷۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا، نواسوں میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے قلم سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی حیات وخدمات پر عہد ساز شخصیت اور دوسری متعلق

شخصیات پر ''یادوں کے چراغ'' نکلی اور مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی کے حصہ میں ''رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام'' کی تکمیل کی سعادت آئی، اس طرح یہ ذوق نسلا بعد نسل منتقل ہوتا رہا، مقام مسرت یہ ہے کہ بعد کے لوگوں میں مولانا سید محمد حمزہ حسنی کے قلم سے تذکرہ سید احمد شہید اور مولانا بلال عبدالحی حسنی (پسر مولانا محمد الحسنی) کے قلم سے سوانح مفکر اسلام بھی منظر عام پر آچکی ہے۔

تاریخی وسوانحی کتابوں کا ایک جائزہ اور ایک حسرت

مولانا محمد ثانی حسنی کی کتابوں میں راقم الحروف کے سامنے خاندانی تاریخ پر خانوادہ علم اللہی یعنی خانوادہ حضرت شاہ علم اللہ حسنی اور عالمی تبلیغی تحریک کے تعارف پر مشتمل اس کے داعی وامیر حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کی سوانح حیات اور حیات خلیل جو حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کی مفصل سوانح حیات ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے، لیکن دونوں حصے ایک ہی جلد میں طبع ہوئے ہیں اس کے علاوہ ان کی مطبوعہ سوانحی کتابوں میں داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے صاحبزادہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی کی ۳۵ رسالہ زندگی کے حالات وواقعات، صفات وکمالات، تاثرات ومشاہدات پر مشتمل کتاب ہے، غیر مطبوعہ کتابوں میں تذکرہ مولانا سید محمد الحسنی ہے جو ''سوانح مولانا سید محمد الحسنی'' کے نام سے طبع ہوئی، اور صادقین صادق پور ہے جو حضرت سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے عظیم آبادی وصادق پور افراد کے احوال پر مشتمل ہے، یہ دونوں کتابیں بھی سید احمد شہید اکاڈمی دار عرفات رائے بریلی سے منظر عام پر آئیں، اگر مگر کی اگر گنجائش ہوتی تو یہ لکھنے کی بھی راقم الحروف جرأت کرتا کہ ان کے قلم گہر بار سے ضرور اپنے محبوب استاد ومربی وشیخ ومرشد حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور دوسرے محبوب ترین استاد ومربی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سوانح حیات بھی نکلتی، اور اس کا اشارہ خود حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات کاروان زندگی تصنیف کرنے سے

قبل دیا تھا کہ محمد ثانی (بھانجہ) اور محمد میاں (بھتیجہ) رہے نہیں ورنہ یہ کام تو ان کے کرنے کا تھا (روایت حضرت مولانا نثار الحق ندوی مرحوم) اور سوانح شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے مقدمہ میں صاف صاف تحریر فرمادیا:

''اسی کے ساتھ رہ رہ کر یہ خیال دل میں چٹکی لیتا ہے اور اس سے دل کے داغ تازہ ہوجاتے ہیں کہ اس بات کے پورے قرائن وآثار تھے، کہ یہ سوانح خواہرزادہ عزیز گرامی مولوی محمد ثانی کے قلم سے نکلے گی جنہوں نے حضرت شیخ کے حکم سے پہلے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی ضخیم سوانح ''سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ'' کے نام سے مرتب کی (یہ سوانح ۸۰۲ صفحات پر مشتمل ہے اور ہندوستان وپاکستان دونوں جگہ سے شائع ہوچکی ہے) اور حضرت شیخ کی خوشنودی اور تحسین کا پروانہ حاصل کیا اور ان کی دعاؤں کی سعادت کا، پھر انہی کے حکم سے ان کی شدید خواہش پر ان کے محبوب ومطاع ومربی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کی سوانح حیات ''حیات خلیل'' کے نام سے تالیف کی، پھر حضرت شیخ ہی کے ایماء اور ان کی تسکین قلب کے لیے ان کے جواں سال اور جواں مرگ وباکمال نواسہ مولوی محمد ہارون کی سوانح لکھی، ان تینوں کتابوں کی ترتیب وتالیف حضرت شیخ کے ان کے ساتھ تعلق خصوصی اور ان کی سوانح نگاری کی صلاحیت پر کلی اعتماد کی دلیل تھی کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے تعلق وعقیدت رکھنے والے، ان کے ساتھ سفر وحضر میں رہنے والے، سیکڑوں علماء اور بیسیوں اہل قلم کی موجودگی میں شیخ نے اس وسیع اور نازک کام کی تکمیل کے

لیے ان کا انتخاب کیا اور پھر حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی جیسے حضرت سہارن پوری کے با اختصاص مرید وخلیفہ وکہنہ مشق مصنف کی تالیف کردہ تذکرۃ الخلیل کی موجودگی میں حضرت کی سوانح کی از سر نو ترتیب دینے کا حکم فرمایا اور اس کام میں پوری رہنمائی اور مدد فرمائی، پھر ان کا لفظ لفظ سن کر اظہار اطمینان کیا، اور دعائیں دیں، خود اپنے متعلق بھی ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ''پیارے تو میری بھی سوانح لکھے گا''۔

لیکن قضا وقدر کا فیصلہ دوسرا تھا، یہ کام وہ انجام نہ دے سکے اور اپنے شیخ کی وفات سے تقریباً تین مہینہ پہلے خود سفر آخرت اختیار کیا، اپنے شیخ کی سوانح کی ترتیب کا تو ان کو موقع نہ مل سکا، لیکن حقیقت میں اس کام میں جو اس کتاب کی شکل میں آج قارئین کے سامنے ہے ان کا بنیادی حصہ ہے''۔(۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنی خود نوشت سوانح حیات کاروان زندگی کی تصنیف میں ان کی کمی کو خاص طور پر محسوس کیا اور اس کا اظہار مقدمہ کتاب میں اس طرح کیا ہے:

''اس عرصہ میں وہ عزیز ورفیق بھی دنیا سے رخصت ہوگئے جو اس کا خاص طور پر تقاضا کرتے تھے اور جس سے زندگی کے بعض واقعات وحوادث کی تفصیلات وجزئیات اور سفر وتاریخ معلوم کرنے میں مدد مل سکتی تھی، ان میں پیش پیش عزیز گرامی قدر مولوی سید محمد ثانی مرحوم تھے، جواب اپنے پیدا کرنے والے کے یہاں جاچکے ہیں رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔(۲)

---

(۱) سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ص:۱۱-۱۲

(۲) مقدمہ کاروان زندگی ص،۹ رج،۱

پیش نظر رہے کہ مولانا محمد ثانی حسنی سید الطائفہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سوانح حیات ''حیات امداد'' اور ان کے خلیفہ اعظم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی سوانح حیات ''حیات رشید'' لکھنے کا بھی ارداہ رکھتے تھے۔(۱)

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ ایک باکمال مصنف

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری

(عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

تنقید نگاروں نے کامیاب تذکرہ نویسی اور سوانح نگاری کے لیے جن صفات کولازم وملزوم قرار دیا ہے ان کا جوہر اور خلاصہ یہ ہے کہ سوانح نگار اور تذکرہ نویس کا ممدوح کے شعور واحساس، حالات وواقعات، نفسیاتی کیفیات، زندگی سے متعلق اس کے تجربات اور جن لوگوں پر اس کی زندگی کے نقوش مرتسم ہوئے ہیں، ان سے پوری طرح واقف وباخبر ہونا ہی ضروری نہیں، بلکہ اس شخصیت کے ماحول، موثرات اور لحہ بہ لحہ زندگی کے مدوجزر سے اچھی طرح واقف اور بڑی حد تک محرم راز ہونا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔

دوسری خوبی مصنف کے اندر یہ ہونی چاہیے کہ وہ صرف اہم واقعات اور حوادث کے ذکر پر اکتفانہ کرے بلکہ چھوٹے چھوٹے جزئی واقعات کو بھی پوری دیانتداری کے ساتھ تحریر کردے اور ماضی کی اس داستان کو وہ روح عطا کرے کہ قاری احساس وشعور اور جذبات ووجدان کے ساتھ ماضی کے ان واقعات کو متحرک اور سرگرم دیکھے اور اپنے اندر ایک کرنٹ محسوس کرے اور وہ بغیر کسی تلقین اور جبر کے خود بخود ان واقعات سے

(۱) روایت استاذی مولانا محمد نذیر رائے بریلوی مرحوم سابق استاد مدرسہ ضیاء العلوم میدن پور رائے بریلی، مولانا محمد نذیر مرحوم حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی کے کاتب تھے، اور ان کے مسودات کی تبییض بھی کرتے تھے، انہوں نے راقم سے یہ بات کئی بار کہی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

نتائج نکالتا چلا جائے، پھر صرف معروضی بحث اور خشک وبے جان تحقیقی مقالے اصحاب سوانح کے فضائل ومناقب تاریخی ترتیب کے ساتھ تحریر کردینے کا نام سوانح نگاری نہیں بلکہ مصنف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب سوانح کے خیالات وجذبات اور امتیازی خصوصیات کے ساتھ مکمل ہمدردی رکھتا ہو کہ اسی صورت میں طاقتور اور سچی وصحیح تعبیرات اس کے قلم سے نکلیں گی، جن میں زندگی کی رعنائی وبرنائی ہوگی اور دل ودماغ، عقل وجذبات سب ہی اس سے لطف اندوز ہوں گے اور پڑھنے والا الفاظ کے نور ونکہت اور عبارت کے رنگ وآہنگ سے اپنے احساسات کی دنیا کو رنگین اور جگمگاتا ہوا پائے گا۔

مولانا سید محمد ثانی صاحب مرحوم کی شخصیت میں جتنی سادگی، پرکاری، دلنوازی اور رنگارنگی تھی اس کا عکس ان کی تحریروں میں بھی ہے، بلکہ ان کی شخصیت ان کی تحریر میں گھل مل گئی ہے اور ہم بہت آسانی کے ساتھ سوانح مولانا محمد یوسف اور حیات خلیل کے مصنف کے افکار وخیالات اور جذبات واحساسات سے باخبر ہوکر ان کے کمالات وخصوصیات کا ایک حسین ودلکش مرقع تیار کرسکتے ہیں اس لیے کہ ع

ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

اور اس لیے بھی کہ کتاب کی سطر سطر سے عشق کی حرارت محسوس ہوتی ہے اور لکھنے والے کے دل کی تپش، سوز وگداز، دردمندی، جگرسوزی کا اثر واضح طور سے قلب ودماغ پر پڑتا ہے اور قاری کو کتاب میں مصنف کی شخصیت کے خط وخال نظر آتے ہیں اور وہ دیکھتا ہی نہیں محسوس بھی کرتا ہے، کہ صاحب کتاب ایسا انسان ہے جس کا اپنا ایک شاندار تاریخی پس منظر ہے جس میں اعلائے کلمۃ الحق، توحید وسنت اور جہاد کی دعوت کے ساتھ سرفروشی کی تابناک تاریخ بھی ہے اور یہی روح اور جذبہ ہے جو حدیث دیگراں کی صورت میں موجزن ہے، چنانچہ سیرت کی بلندی، کردار کی پختگی، دل کی دردمندی، فکر کی ارجمندی، عشق کی حرارت، ذوق کی پاکیزگی، ہمت کی بلندی،

دل ونگاہ کی وسعت، صفائی باطنی، طرز ادا کی شیرینی، سبک روحی، غرض کہ مصنف کے ذوق کے تنوع اور رنگارنگی کا پورا عکس ان دونوں کتابوں میں آ گیا ہے اور اس کی سیرت کے تمام گوشے بے نقاب ہو گئے ہیں۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی ایک پاکیزہ ذوق رکھنے والے شاعر وادیب تھے، اس کا اندازہ ان کی نظموں سے تو ہوتا ہی ہے ان کی تصنیفات اور مضامین سے بھی ان کے بلند ادبی وشعری ذوق اور بے پناہ علمی و تصنیفی صلاحیتوں اور تاریخ سے طبعی مناسبت ظاہر ہوتی ہے۔ ہم یہاں ان کی صرف دو ممتاز ومنفرد کتابوں ''سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی'' اور ''حیات خلیل'' کا مختصر تعارف کراتے ہیں جن سے مصنف کی قابلیت، سیرت نگاری کی خصوصیت، ادبی وشعری ملکہ، تاریخ نویسی کی غیر معمولی صلاحیت، قوت مطالعہ، سلامت طبع اور قدرت تحریر وانشاء بہت نمایاں نظر آتی ہے اور اس میدان میں وہ پوری طرح اپنے نامور نانا، اور اس صدی میں اسلامی دنیا کے سب سے بڑے مورخ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی مصنف ''نزہۃ الخواطر'' کے نقش قدم پر نظر آتے ہیں اور ان کی تحریری صلاحیتوں اور تاریخی وادبی ذوق کے وارث وامین دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی کی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' کی آٹھ ضخیم جلدوں میں بر صغیر کے علماء اور اہل فضل وکمال کی سیرت محفوظ کر دی گئی ہے اور اس کتاب کو اہل فکر ونظر نے جن خصوصیات کی بنا پر ممتاز ترین تصنیف قرار دیا ہے ان میں جزئیات اور معلومات کے حسن انتخاب اور رد وقبول میں دیدہ وری، مذاق سلیم، منتشر اجزاء سے سیرت کا قالب تیار کرنے کا خصوصی ملکہ، صاحب سوانح کی شخصیت کی صحیح اور سچی تصویر، ممدوح سے گہری واقفیت، مزاج دانی، تصویر کشی میں زندگی ودل آویزی اور بے ساختگی خاص حیثیت رکھتی ہیں۔

مولانا سید محمد ثانی مرحوم نے اپنی دونوں تصنیفات سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی اور حیات خلیل میں ان ہی امتیازی خصوصیات کو منارہ نور بنا کر اپنے وقت

کے دو کامیاب داعی و عالم کی سیرت وسوانح کا شاندار نگار رنگ موقع تیار کر دیا ہے، جس میں زندگی کی رعنائی اور دل آویزی کی ساتھ عشق کی حرارت بھی ہے اور بھر پور توانائی بھی، اور جیسا کہ بجا طور پر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ نے سوانح مولانا محمد یوسف کے مقدمہ میں شہادت دی ہے کہ

''عزیزی محمد ثانی نے آنکھ کی بعض تکلیفوں اور بصارت کی کمزوری کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی، یہ کام پورے طور پر ان کے دل و دماغ اور اعصاب پر مستولی ہو گیا اور ان میں کام کی تکمیل کا وہ جذبہ اور ذوق و کیفیت پیدا ہو گئی جس کے بغیر کوئی تصنیفی کام صحیح طور پر مکمل اور جاندار نہیں ہو سکتا۔

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر (۱)

لیکن سوانح کی ترتیب خصوصاً ایک ایسی شخصیت کی جو ایسی ہمہ گیر، عہد آفریں اور انقلاب انگیز ہو اور ایک ایسی تحریک جو اتنے وسیع رقبہ پر محیط ہو اور اس کے ساتھ اس کو منظر عام پر لانے کے لیے تحریری سرمایہ، یادداشتوں اور تاریخی دستاویزوں کی غیر معمولی کمی ہو۔ یہ کام معمولی نہ تھا بلکہ یہ تو چیونٹی کے منھ سے شکر کے دانے چن کر قند کے انبار لگانے کے مرادف تھا، اس لیے اس کے لیے متعلق اور غیر متعلق تحریروں اور خطوط کے انبار میں سے کام کی بات نکالنے کی غیر معمولی صلاحیت ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد ثانی حسنی کو عطا فرمائی تھی اور انہوں نے واقعی آٹھ سو صفحات میں ایک اکیڈمی کا کام تنہا کر کے پیش کر دیا، بالفاظ دیگر پوری ایک صدی کی مکمل علمی اور دعوتی تاریخ محفوظ کر دی۔

مولانا محمد ثانی صاحب مرحوم سے ملنے والا یہ محسوس اور مشاہدہ بھی کرتا کہ مولانا کوئی زیادہ مشغول و مصروف انسان نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے مشاغل اور ذمہ داریاں اتنی اہم اور متنوع تھیں، بسا اوقات متضاد کام ان کو کرنے پڑتے تھے کہ حیرت

---

(۱) مقدمہ سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی۔ ص: ۲۶

ہوتی کہ یہ شخص کن کن صلاحیتوں کا مالک ہے، وہ بیک وقت خواتین کے ترجمان ماہنامہ رضوان کی ترتیب کے فرائض انجام دیتے، خطوط کے جوابات کے ساتھ ساتھ مضامین کی تصحیح کا کام کرتے، رضوان کے اداریوں میں حالات حاضرہ پر تبصرہ، دین کی روشنی میں طبقہ نسواں کی ہدایت ورہنمائی، مختلف سماجی اور اصلاحی ودعوتی انجمنوں کے کاموں میں شرکت، عربی مدارس کے انتظام وانصرام کی فکر جو خود ایک پیچیدہ اور غیر شاعرانہ کام ہے اور جس میں بردباری، تحمل اور تدبر کی سخت آزمائش ہوتی ہے، پھر ان سب سے متضاد کام کھیتوں اور باغات کی نگرانی، مزارعین سے معاملہ، ان کے حالات کی فکر ورعایت، آبپاشی اور جائیداد کے حسابات کی دیکھ ریکھ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دینی دعوت کی فکر، عالم اسلام کے حالات اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر پریشانی وقلق۔ پھر خالص علمی اور سنجیدہ وٹھوس تصنیفی مشاغل بھی اور ان تمام امور کو انجام دینے کے لیے کوئی وقت اور جگہ مخصوص نہ تھی، بلکہ چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے اپنے کام میں مصروف رہتے، چونکہ انہیں تاریخ وسیرت نگاری اور شعر وادب سے طبعی لگاؤ تھا اور یہ وہبی صلاحیت اللہ تعالی نے انہیں عطا فرمائی تھی اس لیے انہیں تاریخ کے سنین اور واقعات کی ترتیب کے لیے کسی ماخذ کا سہارا نہیں لینا پڑتا، بلکہ وہ اپنی خداداد صلاحیت اور یادداشت سے اور تاریخ کے طبعی ذوق سے کام لیتے دیکھے جاتے۔ اس طرح کہ رضوان کے دفتر میں ہر تھوڑی دیر کے بعد ملاقات کے لیے آنے والے سے پوری بشاشت اور اخلاق سے ملتے بھی جاتے ہیں، مگر ان کے کام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

مولانا محمد ثانی صاحب کی پہلی گرانقدر تصنیف سوانح مولانا محمد یوسف ہے جو سات سو ستاسی صفحات پر مشتمل اور تذکرہ نویسی وسوانح نگاری کے جدید ترین اصولوں کا بہترین نمونہ ہے۔

کتاب میں پہلے انہوں نے صاحب سوانح کے خاندان، علمی، معاشرتی، اور سیاسی ماحول کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے، کہ اس تذکرہ کے بغیر کسی شخص کی سیرت وکردار کی تشکیل کے مختلف پہلوؤں اور موثرات ومحرکات اور پس منظر کا سمجھنا مشکل ہوتا

ہے، اس طرح مغربی یوپی اور اطراف دہلی کے نامور علماء واشراف کے حالات کو مولانا نے محفوظ کردیا ہے۔

لیکن ایسے دلکش اسلوب میں کہ قاری آہستہ آہستہ طبعی انداز سے سفر کرتا ہوا جب صاحب سوانح کے تذکرہ تک پہنچتا ہے تو معلومات کا خزانہ ہی اس کے ہاتھ نہیں لگتا، بلکہ اس کے احساسات وجذبات کی دنیا بھی دگرگوں ہوتی جاتی ہے اور وہ پوری طرح سے مصنف کی گرفت میں آجاتا ہے اور یہی ایک باکمال مصنف کی خوبی ہے کہ وہ بغیر کسی ادنی جبر وتلقین یا وعظ ونصیحت کا سہارا لیے اپنے قاری کی ذہنی وفکری تشکیل میں کامیاب ہوجائے اور اپنے موضوع سے پڑھنے والے کو پوری طرح ہمدرد بنالے۔

سوانح یوسفی میں تاریخی اور تدریجی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے، خاندان سے متعلق اہم علماء اور بزرگوں کے ساتھ خواتین کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جس سے ماحول کی مکمل ترجمانی ہوتی ہے، اور اس زمانے کی گھریلو معاشرت اور انداز تربیت وتعلیم کا علم ہوجاتا ہے، لیکن کوئی بات بے سند یا محض عقیدت کی بنا پر نہیں لکھی گئی ہے، مگر اس کے باوجود پڑھنے والا ان سچے واقعات اور دلنشیں حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

تمہیدی باب کے آخر میں قدرے تفصیل کے ساتھ مولانا محمد الیاس صاحب اور مولانا محمد زکریا صاحب کے حالات ہیں، جن کی چھاپ اور خوشبو کتاب کی سطر سطر میں بسی ہوئی ہے اور ''من از شوق حضوری طول دوام داستانے را'' کی مصداق بھی، اس لیے کہ یہی باب سب سے طویل اور اس کے ذیلی عنوانات کی تعداد پینسٹھ اور صفحات ایک سو چھپن ہیں۔

کتاب کے دوسرے باب سے اصل مضمون یعنی سوانح یوسفی کا آغاز ہوتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قاری بالکل یہ محسوس نہیں کرتا کہ وہ اب تک کتاب کے موضوع سے الگ اور اس کی ڈگر سے ہٹا ہوا تھا، بلکہ وہ طبعی، منطقی تسلسل اور تاریخی ترتیب کے دائرے سے سرمو تجاوز نہیں کرتا اور بڑی آسانی کے ساتھ اپنا یہ سفر جاری رکھتا ہے۔

چنانچہ اس باب میں ولادت سے تکمیل علوم تک صرف چوبیس ذیلی عنوانات کے تحت نام ونسب ولادت، ماحول وبچپن، حفظ قرآن، تربیت، تکمیل علوم، ادبی اور علمی ذوق وشوق، تصنیف وتالیف اور شادی واولاد کا ذکر صرف ۲۳ صفحات میں کر دیا گیا ہے جس سے مصنف کی دیدہ دری، حسن انتخاب اور تحریری قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ عنوانات ایسے جاذب نظر اور اچھوتے ہیں، کہ عام سوانح اور تذکرے کی کتابوں سے بالکل مختلف ہیں کہ ان پر صرف نظر ڈالنے ہی سے تمام مضامین کا خلاصہ ذہن میں آجاتا ہے بلکہ جلد جلد سے جلد ان مضامین کو دیکھنے کا جذبہ انگڑائی لینے لگتا ہے، ابتدائی دونوں ابواب کے مطالعہ سے مصنف کی گہری تاریخی معلومات اس مردم خیز علاقہ کے تاریخی دور، مختلف علمی ودینی شخصیات اور خانقاہوں کے علاوہ تعلیمی مراکز سے باخبری کا پتہ چلتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مصنف نے اسی علاقہ اور ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں۔

تیسرے باب میں مصنف نے بیعت وارادت سے خلافت ونیابت تک کے حالات درج کئے ہیں، لیکن صرف واقعات کے نقل پر اکتفانہ کر کے خود مولانا محمد یوسف صاحب کی اندرونی کیفیات اور ان کے احساسات وجذبات کی حیرت انگیز تبدیلی کو بڑے سلیقہ سے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔

چوتھے باب کا عنوان ہے مولانا محمد الیاس کے انتقال سے تقسیم ہند تک پانچویں باب کا موضوع، تقسیم ہند اس کے اثرات ونتائج اور متاثرہ علاقوں میں دعوت واصلاح کا کام۔ جبکہ چھٹے باب سے لے کر تیرہویں باب تک برصغیر، ہندوپاک، افریقہ والیشیا، یوروپ وامریکہ اور عرب ممالک میں جماعت تبلیغ کی نقل وحرکت اور اس کے اثرات ونتائج اور اس میں مولانا محمد یوسف صاحب کے مرکزی کردار کا جائزہ ان کی تقریروں اور خطوط کی روشنی میں لیا گیا ہے، بالفاظ دیگر مصنف نے آٹھ ابواب میں ایک سوتراسی ذیلی اور نو مرکزی عنوانات کے تحت عصر حاضر کی سب سے بڑی عہد آفریں تبلیغی تحریک کی عالمگیر نقل وحرکت اور اس کے اثرات ونتائج کو دستاویز کی

صورت میں محفوظ کردیا ہے اور یہ کوئی معمولی کام نہ تھا، اس لیے کہ بقول مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے:

''مولانا محمد یوسف صاحب کی عزیمت اور بصیرت تھی کہ دعوت کے اس مرحلہ میں تحریر وتصنیف سے ہٹا کر لوگوں کو عملی قربانی پر لگاتے تھے اور تاریخ نویسی سے زیادہ تاریخ سازی پر زور دیتے تھے، لیکن مولانا نے اس سلسلہ میں جتنا کہا لوگوں نے اس سے زیادہ سمجھا، اور عمل کیا اور اس قدر اس کی پابندی کی اب نہ اجتماعات کی یادداشتیں ملتی ہیں اور نہ سارے اہم سفروں کی روداد یں، اگر خوش قسمتی سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا قیمتی روزنامچہ نہ ہوتا تو اس عالمگیر اور عہد آفریں تحریک کا ایک سرسری خاکہ اور ناقص مرقع بھی پیش کرنا ممکن نہ ہوتا''۔(۱)

بالآخر یہ ہفت خواں بھی سر کرلیا گیا، مگر مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں کے اقتباسات میں مصنف نے جس دیدہ ریزی، حسن انتخاب اور جاں کاہی کا ثبوت دیا ہے اور حالات زمانہ اور معاشرے کے امراض کے ساتھ ان تقریروں کو جس طرح جوڑ دیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف نے ان حالات وکیفیات کا گہرا مطالعہ بلکہ مشاہدہ کیا ہے۔

پوری کتاب میں یہی نو ابواب کتاب کی جان اور انہیں میں تبلیغی تحریک کی روح اور اس کے پیغام کا خلاصہ وعطر اور مستند ترین تاریخ ہے جس کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔

ان ابواب کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ تاریخی تسلسل کے ساتھ تبلیغی جماعت کی جد وجہد کا جائزہ اور اس کی انتھک کوششوں اور تدریجی ترقی کے مراحل کی تفصیل عملی داستان اور زندہ متحرک تصویر بن گئی۔

---

(۱) مقدمہ ص:۲۶

مصنف نے تبلیغی اجتماعات اور جماعتوں کے مختلف ملکوں اور شہروں میں نقل وحرکت کا تذکرہ کرنے سے پہلے عام طور سے وہاں کی جغرافیائی، تاریخی، دینی، سیاسی اور معاشرتی حالات اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے جس سے مصنف کی گوناگوں صلاحیت، تاریخ سے طبعی ذوق، دینی غیرت وحمیت اور حالات زمانہ سے باخبری کا اندازہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر جب یورپ میں جماعتوں کی نقل وحرکت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ان کے دردمند دل سے یہ آواز نکلتی ہے۔

مومن آؤ تمھیں بھی دکھلائیں
سیر بت خانے میں خدائی کی

یورپین ممالک میں مادہ پرستی اور خدافراموشی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خودفراموشی میں انسان کھوچکا ہے، ایک مشینی زندگی ہے جس کو ہرکس وناکس گذاررہا ہے، چاند اور تاروں پر کمندیں ڈالنے والی یورپین قوم حیا اور عفت، غیرت وحمیت، رحم دلی وغم گساری، شفقت ورافت، ایثاروقربانی، اخلاق وتواضع کی صفات سے عاری ہوگئی ہے، جانوروں کی طرح زندگی گذارنا، مزاج اور غیرانسانی حرکتیں کرنا، قومی اور ملکی اور یورپین تہذیب کا جز بن گیا ہے۔

اقبال نے اسی یورپ کے متعلق کہا تھا:

یورپ میں بہت روشنی علم وہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کے عمارات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت، یہ تدبر یہ حکومت

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری وعریانی و مے خواری وافلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق وبخارات

انہیں بے خدا ممالک میں خدا کے چند اہل عزم ویقین اور سراپا دعوت وتبلیغ بندے گئے، اور اس بے سروسامانی کی حالت میں گئے، کہ ان میں کئی کے پاس نہ دولت وامارت کا خزانہ تھا اور نہ مادی عزت وعظمت کا مایہ، نہ دنیاوی علم وتہذیب کا سرمایہ، ہاں وہ ایک یقین اور عزم وولولہ کی نعمت سے سرفراز تھے، وہ گئے آنکھوں سے آنکھیں ملا کر باتیں کیں، اپنی دعوت پورے اعتماد سے پیش کی، اور اپنی نظروں کو اس زرق برق زندگی کی کسی چیز سے خیرہ کرنے کے بجائے ان کو حقیر سمجھا اور زبان حال سے چیلنج کیا۔

تری نگاہ میں ثابت نہیں خدا کا وجود
مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا
وجود کیا ہے جو ہر خودی کی نمود
کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا (۱)

اس عبارت سے جہاں مصنف کی دینی غیرت وحمیت، تبلیغ دین کا جوش وجذبہ اسلام کو غالب وسربلند کرنے کے لیے فکر، پریشانی، اندرونی تڑپ اور بے چینی معلوم ہوتی ہے، وہیں اس عبارت کے ایک ایک لفظ سے لکھنے والے کی قوت تحریر وانشاء، بے ساختگی وبرجستگی، سلاست وروانی، اور اشعار کے برمحل استعمال کا سلیقہ بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ اشعار یہیں نہیں کتاب کے تمام ابواب اور بہت سے ذیلی ومرکزی عنوانات کی زینت اور مصنف کے بلند وپاکیزہ ادبی وشعری ذوق اور احساسات کی بھرپور عکاس اور ترجمان ہیں، اور ان کی وجہ سے کتاب کے حسن کو چار

---

(۱) ص:۴۹۹-۵۰۰

چاند لگ گئے ہیں۔

اشعار کے انتخاب میں اقبالیات کا زیادہ حصہ ہے، اس کے علاوہ فارسی عربی اور اردو کے دوسرے شعراء کا کلام بھی جا بجا استعمال کیا ہے، اور ان سے پورے باب کے مضمون اور خلاصے کا کام بڑی مہارت سے لیا ہے۔ اس کی چند مثالیں پیش ہیں:

جن لوگوں کی نظر مولانا محمد الیاس صاحب کی دعوتی زندگی، تبلیغ دین کے لیے ہمہ وقت ان کی غیر معمولی تڑپ، بے چینی اور قلبی اضطراب پر ہوگی وہ اس شعر سے مولانا محمد الیاس صاحب کی بے قراری و بے چینی اور مجسم اضطراب کا خوب اندازہ لگا سکتے ہیں جو مصنف نے مولانا کے انتقال کا تذکرہ کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا (۱)

ہندوستان کی تاریخ میں سب سے زیادہ بدنما اور خونی دور ۱۹۴۷ء کا تقسیم ہند کا تھا، جس نے اس کے خرمن کو تباہ و برباد کر ڈالا تھا، مگر اس نازک موقع پر جبکہ ہر طرف آشیانوں پر بجلیاں گر رہی تھیں، تبلیغی جماعت نے آگے بڑھ کر دینی دعوت کا کام شروع کر دیا اور بے خوف و خطر اس شعلۂ جوالہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے، مصنف نے اس موضوع پر روشنی ڈالنے سے قبل جو شعر درج کیا وہ حالات کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے:

آ گئے تھے بجلیوں کی زد میں سب اہل چمن
میں نے اپنے آشیانے کو مقابل کر دیا (۲)

پھر آگے چل کر تقسیم ہند کی تباہ کاریوں خاص طور سے مشرقی پنجاب میں مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی بربادی کی عکاسی عربی کے اس شعر سے کرتے ہیں

مدارس آیات خلت من تلاوة
و منزل علم مقفر الحرصات (۳)

---

(۱) ص: ۱۵۲ (۲) ص: ۲۶۷ (۳) ص: ۴۷۷

(جہاں آیات قرآنی کا دن رات درس ہوتا تھا وہ مقامات تلاوت تک سے محروم اور جہاں علم کا شب وروز چرچا تھا وہاں دھول اڑتی نظر آتی ہے)۔

مولانا محمد یوسف صاحب نے تبلیغی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے بعد ہندوستان کے چپے چپے کا دورہ کیا اور وسیع پیمانے پر تبلیغی نقل وحرکت کے لیے جماعت تیار کی، اس عنوان سے مولانا کی سعی مسلسل اور شان کوہکنی کا تذکرہ کرنے سے قبل یہ شعر لکھتے ہیں:

سعی پیہم ہے نشان قیس وشان کوہ کن
عشق نے آباد کرڈالے ہیں دشت وکوہسار (۱)

اسی طرح حجاج اور اہل حجاز اور عربوں میں کام کا عنوان جب باندھتے ہیں تو حسب حال یہ شعر لکھ کر بات کا آغاز کرتے ہیں:

عجمی خم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری (۲)

اس کے مابعد عرب سرزمین پر تبلیغی نقل وحرکت کی ضروریات اور تقاضوں پر روشنی ڈالنے سے پہلے وہاں استعمار کی وسیع پیمانے پر پھیلائی ہوئی تباہ کاریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کس جذباتی انداز میں، لیکن کتنی مہارت سے چودہ صدی پر محیط اسلامی تاریخ کی تصویر کشی کرتے ہیں:

''سرزمین عرب سے دنیا کے مسلمانوں کو جو جذباتی تعلق ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس جیسے مبارک شہر آباد ہیں، جن کی زیارت کو ہر مسلمان کی آنکھ ترستی ہے، اور جن پر فدا ہونے کے لیے ہر مسلمان کا دل بے قرار رہتا ہے، اور یہ تعلق قیامت تک باقی رہنے والا ہے، اور اس متاع تعلق اور محبت کو دنیا کی کوئی طاقت چھین نہیں سکتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حجاز اور عرب کے دوسرے اکثر ممالک میں صحابہ کرام کے

(۱) ص: ۳۰۰ (۲) ص: ۳۸۷

مبارک قدم پڑے، حق وباطل کے درمیان معرکے ہوئے اور اسلامی پرچم لہرائے، صحابہ کرام نے اپنی زندگیاں گذاریں اور ان ممالک کی سرزمین کو اپنے مبارک جسموں کا امین بنایا اور صدیوں تک مسلمان بادشاہوں نے جس دبدبہ اور شان وشوکت سے حکومت کی، علماء وفقراء نے جس فراخدلی اور فیاضانہ طور پر علم وحکمت کے چشمے جاری کیئے اور مدارس وخانقاہوں کا جال بچھادیا، وہ کسی تاریخ داں سے پوشیدہ نہیں، ان علماء وصوفیاء اور بادشاہوں کی وجہ سے پہلی صدی سے لے کر تیرہویں صدی کے آخر تک عرب ممالک کو دنیا کے نقشہ میں نمایاں اور ممتاز جگہ حاصل تھی اور اسلام کا رعب پوری دنیا پر قائم تھا، یورپ کی بڑی بڑی حکومتیں اور طاقتیں ان صحرانشینوں اور بادیہ پیماؤں کے آگے بے دست وپا اور مجبور و نیاز تھیں، جس کے متعلق اقبال نے کہا تھا ۔

تھا جہاں ہنگامہ ان صحرانشینوں کا بھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا بھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہان تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصر کہن کو جن کی تیغ ناصبور
مردہ عالم زندہ جن کی شورش نم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیر توہم سے ہوا

اسکے بعد عرب ممالک پر یورپین طاقتوں کے سیاسی، فوجی اور تہذیبی وثقافتی یورشوں اور ان کے مہلک اثرات ونتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''تیرہویں صدی کے آخر میں مغربی طاقتوں نے اپنے بال وپر کھولے اور چند ہی سالوں میں پورے عالم عربی پر چھا گئیں، اور خود مختار و آزاد مسلمان عرب حکومتوں نے اپنے اپنے سر رکھ

دیے، اور ان بے رحم استعماری طاقتوں کے سامنے بے دست وپا ہوگئیں، یورپ کے عیسائی بادشاہوں نے قبضہ کیا کیا کہ ظلم وستم اور بربریت کا دروازہ کھول دیا، مغربی تہذیب وتمدن کا ایک سیلاب آیا اور ایسا آیا کہ عربی خصائل تہذیب وتمدن اور امتیازی خصوصیات تک کو بہالے گیا اور دینی غیرت وحمیت، ایمان ویقین، جذبہ جہاد اور کفر سے نفرت جیسی انمول ونایاب متاع کو ڈبوکر رکھ دیا، امرائے حکومت سے لے کر علماء وعوام تک اس میں ایسے بہے کہ شاید وباید، لباس بدلا، معاشرت بدلی، تہذیب بدلی، خیالات وعقائد تک میں انقلاب آیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مغربی تہذیب کی گود میں ٹوٹے ہوئے پھل کی طرح جا گرے۔

کیا سناتا ہے مجھے ترک وعرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز وساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہوگئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے آج مجبور نیاز(۱)

اس کے بعد مصنف نے عصر حاضر میں عرب ممالک میں ہونے والی دینی جد وجہد کا جائزہ لیتے ہوئے انتہائی جچے تلے الفاظ میں اخوان المسلمین کی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے، اور عربوں میں دینی بیداری پھیلانے میں حسن البناء شہید اور ان کی جماعت کی مخلصانہ کوششوں اور فلسطین کی بازیابی میں اخوانیوں نے جس سرفروشی سے حصہ لیا تھا، ان سب کو سراہا ہے، پھر جس طرح ان پر آزمائش ومصائب کے پہاڑ

(۱) ص: ۲۲۶-۴۸

توڑے گئے ان پر دلی رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔

مصنف کی اس تحریر سے اسلام کی سیاسی، تہذیبی وفکری ارتقااور مسلمانوں کے عروج وزوال کی تاریخ پر ان کی مبصرانہ وناقدانہ نظراور گہری واقفیت تو نمایاں ہوتی ہی ہے، خود مولانا محمد ثانی صاحب کی اپنی ایک مستقل شخصیت منفرد انداز فکر کے ساتھ جلوہ گر ہوتی اور پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ مصنف کی نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز اوراس کے افکاروخیالات اقبال کے اس شعر کے عکاس وترجمان ہیں ۔

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ وآزاد معانی میں دقیق

اس کتاب کے بین السطور یہ بتاتے ہیں کہ مصنف نے مشرق ومغرب کو قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، اور نہ صرف ان کے مشرق کے لیے تازیانہ اور مغرب کے لیے چیلنج ہے، بلکہ وہ پورے اعتماد ویقین اور مومنانہ عزم کے ساتھ زمانہ کی کلائی موڑ سکتے ہیں، ،لیکن اخلاص، ایثار، اور فنائیت کے جن اعلی صفات کے حامل خانوادہ سے ان کا تعلق تھا اور خود وہ تواضع اور بے نفسی کی جس بیش بہا دولت سے مالا مال تھے اس میں ان کا یہی مسلک تھا کہ ۔

زبان ماغریباں از نگاہست
حدیث دردمنداں اشک وآہست

کتاب میں اسی حدیث اشک وآہ اور دردوکراہ کو حدیث دیگراں کے روپ میں آپ محسوس کرسکتے ہیں، چنانچہ مصنف نے مولانا محمد یوسف صاحب کے صفات وکمالات، امتیازی خصوصیات اوران کے احساسات وخیالات اور تحریک ودعوت کے متعلق جولکھا ہے، ان سے ایک طرف تو صاحب سوانح کی سیرت کے تمام پہلوؤں سے گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف عالمگیر اور عہدآفریں تبلیغی تحریک کے اصل پیغام ودعوت اصول ومبادی اور طریق کار سے ان کی غیر معمولی باخبری معلوم

ہوتی ہے اور قاری یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مصنف اس تحریک اور اس کے داعیوں کا محرم راز اور ان کا حقیقت پسند ترجمان وشارح ہے اور وہ اصحاب دعوت کے افکار وخیالات ہی نہیں ان کے اندرونی جذبات وکیفیات کا وارث وامین ہے اور اس نے بلاکم وکاست ان سب کو دوسروں تک منتقل کر دیا ہے ؎

گو مصور صورت آن داستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش راچساں خواہد کشید

سترہویں باب کے ساٹھ سے زائد ذیلی عنوانات میں مصنف نے مولانا محمد یوسف صاحب کے افکار وخیالات کا تجزیہ اور تحلیل کر کے تبلیغی جماعت کے پیغام ودعوت کی جو صحیح تصویر کھینچی ہے اس سے جہاں اس دعوت کی قوت، دل آویزی، کشش اور جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں مصنف کی دیدہ دری جاں کاہی، اور عصر حاضر میں دینی دعوت کے کاموں میں جدید ترین اسالیب اختیار کرنے میں ان کی ذہانت وطباعی بھی معلوم ہوتی ہے۔"الشیء من معدنه لا یستغرب" ہماری رائے میں کتاب کا یہ باب پوری کتاب کا خلاصہ وعطر اور اس عہد آفریں تحریک کی مستند ترین دستاویز بلکہ ایک منارۂ نور ہے، جس کی روشنی میں ایمان وعزیمت کے کارواں بے خوف وخطر اپنا سفر جاری رکھ سکتے ہیں۔

مصنف کو مولانا محمد الیاس اور ان کے جانشین مولانا محمد یوسف اور تبلیغی جماعت سے غیر معمولی عقیدت وتعلق اور ربط واخلاص تھا، مگر اس بے جا عقیدت وغلو کا اس کتاب میں کہیں نام ونشان نہیں، جس نے ماضی میں سوانح نگاری اور تذکرہ نویسی کے فن کو زبردست نقصان پہنچایا تھا، اور بزرگوں کے صحیح واقعات اور ان کے اصل افکار وخیالات اور پیغام ودعوت کا سمجھنا مشکل اور پیچیدہ ہو گیا تھا، مولانا محمد ثانی حسنی کی تحریر سے کہیں بھی افراط وتفریط کی جھلک نہیں دکھائی دیتی اور نہ ہی فاضل مصنف کو اس سلسلہ میں کسی اندرونی کشمکش کا سامنا کرنا پڑا ہے، اسی لیے عبارت ایک سانچہ میں

ڈھلی اور الفاظ کوثر و تسنیم سے دھلے ہوئے ہیں، علمی سطح ہر جگہ یکساں، لیکن جذبات واحساسات کی آنچ میں لحہ بہ لحہ اضافہ اور قاری کے ذہن وفکر کی تعمیر و تشکیل اور اس کے جذبات واحساسات کی تسکین وآسودگی برابر ہوتی رہتی ہے اور کسی مرحلہ پر بھی مصنف اس فریضہ اور مہم سے دستبردار نہیں ہوتے۔

مولانا سید محمد ثانی حسنی کی دوسری گرانقدر تصنیف ''حیات خلیل'' ہے جو انہوں نے مشہور محدث مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری کے متعلق تحریر کی ہے اور اس کے دو حصوں میں مولانا سہارن پوری کے خاندان، وطن، علمی وسیاسی ماحول، مشہور شخصیتوں، خانوادوں، مولانا کی تعلیمی وتدریسی سرگرمیوں، صفات وکمالات، علمی ودینی خدمات، تزکیہ نفوس، ارشادات وملفوظات، تصنیفات وتالیفات، اوران کے بارے میں ہم عصر علماء ومشائخ کی رائیں اوران کے خلفاء ومجازین کا تذکرہ کیا ہے جو چھ سو بارہ صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری نہ صرف ایک بڑے نامور محدث اور ممتاز مصنف تھے، بلکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ان ممتاز خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا، جو نسبت باطنی کی قوت اور سلوک وتصوف کے دقائق سے آگاہی میں منفرد اور بے شمار علماء وفضلاء کے مرجع ومربی بھی تھے، آپ کی وفات کے بعد مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الخلیل کے نام سے ایک کتاب ؒ رالکھی تھی جو اس سلسلہ میں مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کتاب کے ہوتے ہوئے مولانا خلیل احمد سہارن پوری کی سوانح پر قلم اٹھانا اور کسی نئی چیز کا جدید اسلوب میں پیش کرنا بہت نازک اور انتہائی ذمہ داری کا کام تھا، لیکن مولانا محمد ثانی حسنی نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ہدایت ورہنمائی میں جس سلیقہ سے یہ مشکل ترین کام انجام دیا ہے اس سے نہ صرف مصنف کے قلم کی قدرت، سوانح نگاری کے بلکہ انداز وسلیقہ، ان کی جدت وقدرت، اچھوتے اسلوب اور دلکش اسلوب تحریر کا اندازہ ہوتا ہے، بلکہ اس سے ان کے

حسن انتخاب مذوق سلیم، صاحب سوانح کے احساسات وجذبات سے ہم آہنگی بھی پڑھنے والے کو محسوس ہوتی ہے، پھر ملفوظات کی ترتیب اور بچے تلے الفاظ میں تصنیفات پر تبصرہ وتعارف کا حق مولانا محمد ثانی حسنی نے پوری طرح ادا کردیا ہے جس کی ستائش شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے فرمائی ہے اور اس کا اعتراف بھی۔

اگرچہ مصنف نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو بذات خود دیکھا نہیں تھا لیکن اٹھارہ باب کے مرکزی اور چار سو سے زائد ذیلی عنوانات کے تحت ایک صدی سے زائد عرصہ پر محیط مولانا خلیل احمد صاحب کی علمی ودینی خدمات کا ایسا شاندار مرقع مصنف نے تیار کردیا ہے کہ ایک جیتا جاگتا اور متحرک نمونہ نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ مرکزی عنوانات سے لے کر ذیلی عناوین اور ترتیب تک میں مصنف نے جدت وندرت اور اچھوتے پن سے کام لیا ہے۔ اور صاحب سوانح کے افکار وخیالات، ارشادات وملفوظات اور ان کی سرگرمیوں کے مفہوم ومعانی سے متعلق عنوانات قائم کرکے عصر حاضر کے مذاق کے مطابق جدید ترین اسلوب میں کتاب اس طرح مرتب کردی ہے کہ قاری مولانا خلیل احمد صاحب کے خاندان، وطن، بزرگوں کے حالات اور ماحول کے علاوہ سولہ ابواب میں پھیلی ہوئی ان کی سرگرمیوں سے بھی مکمل طور سے واقف وباخبر ہوجاتا ہے اور صاحب سوانح کی ۷۴ چوہتّر سالہ زندگی کے تمام گوشے اس کے سامنے بے نقاب ہوجاتے ہیں۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب کے نامور بزرگ معاصرین کا تذکرہ بھی آگیا ہے، نیز تاریخی ترتیب کے ساتھ مولانا خلیل احمد سہارن پوری کی علمی دینی اور روحانی ترقی کے تدریجی مراحل کی مکمل تصویرکشی پوری دلآویزی کے ساتھ کی گئی ہے اور کتاب کا ہر عنوان فارسی کے اس شعر کا ترجمان وعکاس ہے:

”کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است“

دسواں باب

شعر وسخن اور اصناف شاعری

حضرت مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم کی شاعری کے متعلق کچھ لکھنا ہمیں زیب نہیں دیتا، یہ اسی پایہ کے اصحاب نقد ادب کا مقام ہے کہ وہ اس کو موضوع بنائیں، اس عہد کی اس سلسلہ میں اپنے فن کی استاد شخصیت تسلیم کی جانے والی ایک نامور ناقد وادیب ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس ندوی علیہ الرحمہ کا تبصرہ ہے جو صاحب کلام کے ساتھی بھی ہیں اور عربی وفارسی اردو کا اعلی مذاق رکھنے والے ناقد وادیب بھی ہیں اور ان کا امتیازی موضوع بھی لسانیات رہا ہے جس میں انہوں نے لندن سے .P.H.D بھی کیا، اور اس میں انہوں نے لکھا اور پڑھایا بھی، یہ پہلے دار العلوم ندوۃ العلماء کے استاذ رہے، پھر کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ اور اس کے بعد ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں استاذ رہے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے، اردو میں ان کی عربی نعتیہ شاعری پر معرکہ آرا تصنیف ہے اور عربی میں لغات قرآن پر ایک مشہور تصنیف کے علاوہ دیگر موضوعات پر عربی واردو میں کئی اہم کتابیں ہیں۔ دوسری شخصیت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی ہے جو تقریبا ۶۵ رسال سے زائد عرصہ سے زبان وادب کی نہ صرف تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں بلکہ ادب اسلامی کی انٹرنیشنل تنظیم عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے بانیوں میں ہونے کے ساتھ اس کے بین الاقوامی نائب صدر اور ممالک مشرقیہ کے حصہ کے صدر اور زبان وادب اور نقد کے موضوع پر کئی کتابوں کے مصنف اور معروف علمی ادبی اور دینی شخصیت ہیں اور ان سب کے ساتھ وہ مولانا محمد ثانی

حسنی کے چھوٹے بھائی بھی ہیں انہی دونوں کی تقریظ اور مقدمہ کے ساتھ مولانا کا مجموعہ کلام جس کا مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب نے ''میزاب رحمت'' نام تجویز کیا تھا اسی نام سے شائع ہو کر مقبول ہوا، اس کی ملی احساسات کی بعض نظمیں سن کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ نے شاعر مشرق علامہ اقبال کے رنگ و آہنگ کو محسوس کیا تھا، اور مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے اردو کے اہم ستون علامہ شبلی نعمانیؒ کا درد و سوز محسوس کیا، جب کہ حمد و نعت میں سوز عشق، علم و عرفان اور ذات نبوی سے والہانہ تعلق، مناجات میں شان عبدیت اور شفقت علی الخلق کا وصف اور دوسری اصناف میں واقعہ نگاری، منظر کشی، منقبت و رثاء اور ملی و تعلیمی ترانے جو دراصل توحید کے نغمے نظر آتے ہیں، اس پس منظر کو واضح کرتے ہیں جس میں آپ پروان چڑھے اور ان حالات کو پیش کرتے ہیں جن کا آپ کو سامنا ہوا۔

اس مجموعہ کلام میں حمد، مناجات، نعت درود و سلام، پیام رحمت، ملی تاثرات و جذبات، اور شاہنامہ بالاکوٹ، طبعی مناظر، منقبت و ترانے، اہل خاندان سے متعلق نظمیں اور وصایا کی ترتیب ہے، مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی کے مقدمہ اور مولانا سید محمد رابع حسنی کی تقریظ کے ساتھ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے صاحب کلام کے متعلق تاثرات بھی ان کی کتاب ''کاروان زندگی'' سے لے کر شامل کئے گئے ہیں اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کا موثر خط جو حضرت مولانا محمد ثانی حسنی کی وفات پر ان کے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو تحریر فرمایا تھا بھی ہے، جس کے ایک ایک لفظ سے وہ تعلق ظاہر ہوتا ہے جو دونوں کے درمیان بڑا گہرا اور مخلصانہ تھا، ۲۸۵ صفحات میں کتاب کی ترتیب کی سعادت راقم کو حاصل ہوئی اور صاحب کلام کے فرزند و جانشیں مولانا سید محمد حمزہ حسنی مدظلہ نے مکتبہ اسلام لکھنو سے شائع کیا۔ اردو روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' میں صحافی قطب اللہ صاحب (چیف ایڈیٹر روزنامہ ''عوامی سالار''، لکھنؤ) اور تعمیر حیات لکھنو میں اس کے مدیر مولانا شمس الحق ندوی کے پرمغز تبصروں کے علاوہ بعض سیمیناروں میں اس پر

مقالات بھی پیش کئے گئے جس میں کلکتہ کا رابطہ ادب اسلامی کا جنوری ۲۰۱۳ء کا سیمینار خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس میں حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کا اور جناب ڈاکٹر تابش مہدی (دہلی) کا مقالہ مولانا محمد ثانی حسنی کے شعر و سخن سے متعلق تھا۔

میزاب رحمت

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ نے کلام کے موضوعات کے تنوع اور اس میں ان کی دل سوزی اور روانی کو ایک ایسے بہاؤ سے تشبیہ دی ہے جس کا سر چشمہ ایک ہے اور اس کے اس امتیاز و انفرادیت کو سامنے رکھتے ہوئے اسلام کا نام ''میزاب رحمت'' تجویز کیا، وہ لکھتے ہیں:

> ''جس کا سر چشمہ ایک ہے، جن لوگوں کی طبیعت شعر میں ڈھل چکی ہو، انہوں نے دیوان پر دیوان مرتب کر ڈالے، جب شاعر کا سوتا پھوٹتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے فوارے کا منھ کھل گیا ہے، لوگ رطب و یابس فطری و مصنوعی ہر قسم کی شاعری کرنے لگتے ہیں، یہی سوتا مولانا محمد ثانی حسنی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ بہت سے پر گو شاعر اس طرح شعر پر شعر کہتے جاتے ہیں، جیسے پانی کا کوئی نل کہیں سے ٹوٹ گیا ہو اور اس کا منھ کھل گیا ہو، مولانا محمد ثانی کے یہاں بھی ایک جوش اور روانی ہے، جیسے ''میزاب رحمت'' سے پانی تیزی کے ساتھ بہہ رہا ہو اور اللہ تعالی کی رحمت کا نمونہ دیکھ کر ایک ایک قطرہ کو اپنے ہاتھوں اور سروں اور دامنوں میں سمیٹ رہے ہوں۔''(۱)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ العالی مجموعہ کلام میزاب رحمت کے پس منظر کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

---

(۱) از؛ مقدمہ کتاب ص:۱۹

اس وقت ہمارے پیش نظر وہ کلام شعری ہے کہ جو ہمارے ملکی ماحول میں خاص طور پر اس دور میں جو گذشتہ صدی کے وسط سے کچھ قبل سے شروع ہو کر صدی کے اختتام سے قبل تک جاری رہا، یہ دور ہمارے نزدیک ہندوستان کے لیے بڑا انقلابی دور تھا، اور مسلمانوں کے لیے بڑا صبر آزما اور دلگشن دور تھا، اس میں مختلف اہل علم واہل ادب کی انجمن میں خاندانی حسنی کے فرزند ارجمند مولانا سید محمد ثانی حسنی بھی تھے، اور اللہ تعالی نے ان کو حالات کے مطالعہ اور ان کے اثر کو محسوس کرنے کی اچھی صلاحیت عطا فرمائی تھی، انہوں نے اپنی صلاحیت کو شعری قالب میں پیش کیا اور کہیں اپنے محسنوں اور عزیزوں کی محبت وتعلق کا حق ادا کرنے کی کوشش کی، اور کہیں دینی حمیت اور ملی جذبات کا اظہار کیا، اس طریقہ سے دلنواز اور پراثر ایک شعری مجموعہ اکٹھا ہو گیا، جس کو ان کے بڑے نواسہ سید محمود حسن حسنی ندوی سلمہ نے موضوعات کی نوعیتوں کے فرق سے ترتیب دیکر قابل اشاعت بنایا، عناوین اور موضوعات کی تعیین وترتیب میں عزیز موصوف نے برادر عزیز مولوی محمد واضح رشید حسنی ندوی سکریٹری رابطہ ادب اسلامی وصدر شعبہ عربی زبان وادب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو جو صاحب کلام کے بھائی بھی ہیں، رہنمائی لی، اور خواہر زادہ عزیزم مولوی سید محمد اسحاق حسینی سلمہ نے بھی ان کو تعاون دیا، جنہیں نہ صرف شعر وادب کا ذوق ہے بلکہ وہ شعر کہنے پر اچھی قدرت بھی رکھتے ہیں"۔(۱)

---

(۱) میزاب رحمت ص:۲۶۔ افسوس کہ مولانا سید اسحاق حسینی ندوی علیہ الرحمہ کی حیات میں یہ مجموعہ کلام زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ (م)

مولانا عبداللہ عباس ندوی نے مولانا محمد ثانی حسنی کی شاعری کا بھر پور جائزہ پیش کیا ہے، ان کی شاعری کے آغاز اور پھر اس کے ارتقاء پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ جس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

شاعری کا آغاز

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رقمطراز ہیں:

''مولانا محمد ثانی حسنی (ندوی مظاہری) رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۵۸ھ میں میرے ہم درس تھے (میں نے غلط کہا) میں ان کا ہم درس تھا، تعلیمی سفر میں ان کا کئی سال ساتھ رہا، مگر میں ان کا ہم مشرب نہیں تھا، وہ خاموش زبان رواں طبیعت اور شروع سے ولی اللہ قسم کے آدمی تھے، سب کے ساتھ پڑھتے اور سب سے جدا ایک کنارے کی سیٹ پر بیٹھتے، عبارت صاف اور صحیح پڑھتے، بہت مشکل سے مسکراتے، سنجیدہ باوقار زیادہ رہتے تھے، درجہ پنجم جہاں پر ان کا ساتھ تھا سال کے ختم ہوتے ہی یہ نوعمر بزرگ جن کی اس وقت تک داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی نظروں سے غائب ہو گئے، جب ہم لوگ ساتویں درجہ میں پہنچے جس میں ''تاریخ الادب العربی'' پڑھائی جاتی تھی، یہ حضرت بھی نمودار ہوئے، معلوم کیا، اتنے دنوں کہاں تھے، بتایا وہ سہارن پور میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ سے خصوصی استفادہ کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں کسی نے بتایا کہ یہ حضرت شاعر بھی ہیں، تعجب ہوا، کہ مولانا محمد ثانی حسنی اور شاعر، نہ اختر شماری، نہ دامن چاک، نہ گریباں پر کوئی شکن، نہ دامن پر کوئی داغ، نہ خنجر پہ کوئی چھینٹ، شاعروں سے یہ دور، بیت بازی سے یہ کنارہ کش، ہاں

مصطفیٰ منفلوطی کے افسانے ''العبرات'' اور اسلامی مضامین
''النظرات'' پڑھا کرتے تھے، پڑھا ہی نہیں کرتے ان کتابوں
کے پیچھے ان کی آنکھیں کمزور ہوگئیں، اور جب چہرہ پر ریش سیاہ
نمودار ہوئی، عینک بھی لگ گئی۔'' (۱)

شاعری کا امتیاز اور خصوصیت

مولانا محمد ثانی حسنی کی شاعری کی خصوصیت و امتیاز کے متعلق مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ اپنا تاثر اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

''جو لوگ میری طرح ناواقف ہیں ان کو یہ خیال ہوگا کہ مولانا
محمد ثانی حسنی مرحوم کی طبیعت موزوں تھی، نعت و مناجات کے
اشعار کہا کرتے تھے، لیکن بات صرف اسی قدر نہیں، ان کی
طبیعت میں بلا کی روانی تھی، جوش تھا، احساسات کا ابال تھا جو
شعر بن کر ان کی زبان سے نکلا کرتا تھا، جاحظ نے بڑے پتہ کی
بات کہی، جب ان سے پوچھا گیا، کہ شعر کیا ہے تو اس نے
جواب دیا" شیء یجیش فی صدری ویلفظہ لسانی"
(ایک چیز ہے میرے سینہ کے اندر کھولتی ہے اور زبان اس کو باہر
پھینک دیتی ہے''۔ (۲)

اور وہ لکھتے ہیں:

''شاعری صرف طبیعت کی موزونی اور ڈھلے ڈھلائے مصرعوں
کے زبان پر آنے کا نام نہیں، یہ ایک کیفیت قلبی ہے، لہذا زبان
سے وہی بات نکلتی ہے جو دل میں ہوتی ہے اور دل میں ان ہی
خیالات کی پرورش ہوتی ہے جو خارجی تعلیم و تربیت کا ثمرہ ہوتا

---

(۱) مقدمہ میزاب رحمت ص: ۱۷ (۲) بحوالہ سابق

ہے، ایک شیعہ شاعر سے سنیے تو وہ صرف مراثی کے مضمون کو دہرائے گا، کیونکہ بچپن سے جو تربیت ذہنی وفکری ہوئی ہے، وہی دل میں بیٹھ گئی اور اسی کو زبان نے باہر پھینکا، ایک رندمزاج شاعر کے تصورات اس کی ہوس ناکیوں کے تابع ہوتے ہیں، ہاں شراب مستثنیٰ ہے، کیونکہ یہ ایک رمز ہے، دل کی مستی اور چیز ہے اور دین سے تعلق، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس محبت کے ذریعہ مکارم اخلاق کی دعوت، ایک خاص کیفیت کی متقاضی ہے، احادیث میں ابتہال، تضرع، تواضع، اخبات کو سیرت کا آئینہ بتایا گیا ہے۔" (۱)

شاعری کا سرچشمہ

مولانا عبداللہ عباس ندوی مولانا محمد ثانی حسنی کی شاعری کے سرچشمہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے اپنی نانی صاحبہ مخدومہ (والدہ صاحبہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) اور خالہ صاحبہ مخدومہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ جو خواتین کے رسالہ ماہنامہ "رضوان" میں اپنے خواہرزادہ مولانا محمد ثانی حسنی کے ساتھ شریک ادارت بھی ہوئیں) کی آغوش تربیت میں انکھیں کھولیں، جہاں سے مناجات، ابتہالات دعوات وتضرعات کی نعمت پورے خاندان میں تقسیم ہوئی ہے، مولانا محمد ثانی کی شاعری کا مرکزی مضمون یہی رہا۔ (۲)

اور یہ تجزیہ پیش کرتے ہیں:

"مولانا محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں جو درد دل تھا، اس

---

(۱) از؛ بحوالہ سابق، ص، ۱۶ (۲) از؛ بحوالہ سابق، ص: ۱۸

کاخمیر ایمان سے اٹھاتھا، انہوں نے ایسے ماحول میں پرورش پائی، جہاں اللہ کا نام رات دن لیا جاتا ہو، رسول اللہ ﷺ کا کلام جہاں سنا اور سنایا جاتا ہو،، جہاں سنت کو زندہ رکھنے اور اس کی پیروی کرنے کا شوق بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اور مردوں سے لیکر خواتین تک سب پر طاری ہو، بلکہ سب کا حال بن گیا ہو، جہاں کی فضا میں دینی آداب کی پرورش ہوتی ہو، مولانا محمد ثانی اسی ماحول میں پلے اور بڑھے، ان کا گھرانہ ایک چھوٹی سی بستی میں آباد ہے، جس کے پہلوسئی نام کی ایک ندی بہتی ہے اس ندی کو مولانا محمد ثانی حسنی کے خاندان کی سعی و جفاکشی کی داستان زبانی یاد ہے، شاہ علم اللہ کی بستی، حضرت سید احمد شہید کی پرورش گاہ اور بہتر اولیاء اللہ کے ذکر و وعظ سے ہمیشہ جگمگاتی رہی، اور اب کل کی بات ہے، علم و تصوف عطر مجموعے خاصان خدا کی دعاؤں کا مظہر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے یہ بستی اہل دل کے لیے رحمت کدۂ حق بنی ہوئی تھی، وہاں ایک نوجوان کی زندگی گذری ہی نہیں، بلکہ ہر سانس صدق واحساس اور ذکر الٰہی میں بسر ہوئی ہو، اس کی شاعری معنی کے لحاظ سے، الفاظ کی نشست کے لحاظ سے، ردیف وقوافی کے برمحل اور بے ساختہ پن کے لحاظ سے اردو ادبیات میں ایک اضافہ ہے"۔(۱)

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مقدمہ میزاب رحمت میں لکھتے ہیں:

"اب ان کی شاعری کا حال سنئے، شاعری صرف طبیعت کی موزونی اور ڈھلے ڈھلائے مصرعوں کے زبان پر آنے کا نام نہیں ہے، ایک کیفیت قلبی ہے، لہذا زبان سے وہی بات نکلتی ہے جو

---

(۱) از؛ بحوالہ سابق ص:۱۶-۱۷

دل میں ہوتی ہے، اور دل میں اچھی خیالات کی پرورش ہوتی ہے جو خارجی تعلیم وتربیت کا ثمرہ ہوتا ہے، ایک شیعہ شاعر سے سنیئے تو صرف مراثی کے مضمون کو دہرائے گا کیونکہ بچپن سے جو تربیت ذہنی وفکری ہوئی ہے وہی دل میں بیٹھ گئی، اور اسی کو زابن نے باہر پھینکا، ایک رند مزاج شاعر کے تصورات اس کی ہوسنا کیوں کے تابع ہوتے ہیں، ہاں شراب مستثنیٰ ہے، کیونکہ یہ ایک رمز ہے، دل کی مستی اور چیز ہے۔ اور دین سے تعلق، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس محبت کے ذریعہ مکارم اخلاق کی دعوت ایک خاص کیفیت کی متقاضی ہے، احادیث میں ابتہال، تضرع، اخبات کو سیرت کا آئینہ بتایا گیا ہے مولانا محمد ثانیؒ نے اپنی نانی صاحبہ مخدومہ (والدہ صاحبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) اور خالہ صاحبہ مخدومہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ (جو خواتین کے رسالہ ماہنامہ ''رضوان'' میں اپنے خواہرزادہ مولانا محمد الثانیؒ کے ساتھ شریک ادارت بھی ہوئیں) کی آغوش تربیت میں آنکھیں کھولیں، جہاں سے مناجات، ابتہالات، دعوات وتضرعات کی نعمت پورے خاندان میں تقسیم ہوئی ہے، مولانا محمد ثانی کی شاعری کا مرکزی مضمون یہی رہا ہے (ا) ان کا گلدستہ حمد وسلام ومناجات'' گلدستہ کی شکل میں مکتبہ اسلام سے شائع ہوا ہے، ایسی پیاری تعویذ میں نے نہیں دیکھی تھی۔

جن لوگوں کی طبیعت شعریت پر ڈھل چکی ہو انہوں نے دیوان پر دیوان مرتب کر ڈالے، جب شاعر کا سوتہ پھوٹتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے فوارے کا منھ کھل گیا ہے، لوگ رطب ویابس، فطری ومصنوعی ہر قسم کی شاعری کرنے لگتے ہیں، یہی سوتا مولانا محمد ثانیؒ کے

کلام سے ظاہر ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ بہت سے پر گو شاعر اس طرح شعر پر شعر کہتے جاتے ہیں جیسے پانی کا کوئی نل کہیں سے ٹوٹ گیا ہو اور اس کا منھ کھل گیا ہو۔ مولانا محمد ثانی کے یہاں ایک جوش اور روانی ہے جیسے ''میزاب رحمت'' سے پانی تیزی کے ساتھ بہہ رہا ہو اور لوگ اللہ کی رحمت کا نمونہ دیکھ کر ایک ایک قطرہ کو اپنے ہاتھوں اور سروں اور دامنوں میں سمیٹ رہے ہوں، مولانا محمد ثانی نے حمد کے بے شمار اشعار کہے، مناجات اس طرح نظم کی کہ مدتوں کی سوکھی ہوئی آنکھیں بہنے لگیں، آسمان کی طرف لوگ دست دعا پھیلانے لگے، نعت کہی تو محبت اور فنائیت کا یک سماں بندھ گیا، فلسطین کے زوال اور یہودیوں کے مظالم، ہندوستان میں جمشید پور، راوڑکیلا کے مقتل پر اپنے تاثرات ظاہر کیے تو کوئی صاحب ضمیر ایسا نہیں ہوگا جس نے اپنے دل کو زخمی نہ پایا ہو، اور خاص با ت یہ ہے کہ ان اشعار میں جو فلسطین اور دوسری مسلمانوں کی قتل گا ہوں کے بارے میں نظم کیے گئے، ان کے اندر مرثیہ گوئی اور نوحہ خو انی کا انداز نہیں ہے بلکہ ان کے بین السطور میں اللہ کی قوت انتظا م کی جھلک موجود ہے، عزم کی روشنی ہے، دین کے لیے جان دینے والوں کا ماتم نہیں ہے مگر نصرت خداوندی اور ان کی آزمائش اور اپنی کوتاہیوں کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

مولانا نے ہر دینی موضوع پر قلم اٹھایا، عربی میں ایک ترکیب ہے ''ھو مدفوع الی ذلک'' یعنی اندر سے کوئی طاقت دھکا دے رہی ہے اور کسی کام پر اس طرح آمادہ کر رہی ہے گویا آدمی اس کے سامنے مجبور اور بے بس ہے، مولانا محمد ثانیؒ کا کلام پڑھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ ان کی خواہش نہیں

تھی بلکہ ان سے کہلایا گیا، ایک غیبی طاقت نے ان کو مجبور کیا، جب منقبت لکھنے پر آئے تو خلفائے راشدین سے لے کر عصر حاضر کے علماء تک کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کیا، ان کی بڑی معرکۃ الآرا، ولولہ انگیز نظمیں ''شہدائے بالا کوٹ'' کی داستان حمیت وغیرت پر مشتمل ہیں، سید احمد شہیدؒ، مولانا اسماعیل شہیدؒ، شہدائے بالاکوٹ پر ان کے اشعار بے ذوق سے بے ذوق آدمی کے اندر دین کا جوش، شجاعت وصداقت کی حمایت، اہل اللہ سے محبت اور ان کے کارناموں کی عظمت کا ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں، شہدائے بالاکوٹ پر ان کی نظموں کا مجموعہ خود ایک مستقل دیوان کی حیثیت رکھتا ہے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریاؒ شیخ الحدیث کی منقبت لکھی، اپنے ماموں جانؒ (ا) یعنی مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ) کے حق میں دعائے خیر کا جو طوفان ان کے سینے میں دبا تھا اس کو اشعار میں بیان کیا، اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے ایک بہت ہی دل آویز مناجات لکھی جو اس لائق ہیں کہ ہماری بچیاں اور بیٹیاں اس کو بار بار پڑھیں، راتوں کو اٹھ کر تہجد کے بعد ان کا ورد کریں، ندوہ کا ترانہ اور دوسرے مدرسوں کے ترانے اس بات کے گواہ ہیں کہ ان کے اندر قوت بیانیہ، الفاظ کے استعمال کا سلیقہ، خوبصورت بندش کے ساتھ تمناؤں کو نظم کرنے کا ملکہ حاصل تھا مجھے ایسا لگتا ہے کہ ترانوں میں جو طلبہ کی زبان سے کہلایا جاتا ہے کہ ہم ایسے ویسے ہیں وہ درحقیقت دعائیں ہوتی ہیں کہ اللہ مجھ کو ایسا بنادے، اور ایک قدم بڑھ کر میں یہ کہنا چاہتا ہو

ں کہ محمد ثانیؒ کی ذات خود اس ترانے کے اندر تیرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ان کی ذات نازش ملک وملت تھی، ان سے صبح وطن درخشاں تھی اور اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ تابش دین تھے، نور یقیں تھے، حسن عمل تھے اور خلق حسن کے پیکر تھے، وہ مست نگاہ ساقی، بادہ کش صہبائے حرم تھے اور وہ سب کچھ تھے جس کی تمنا انہوں نے اہل مدارس کے لیے کی، دین کے علم حاصل کرنے والے طلبہ جو اس زمانے میں قال اللہ قال الرسول کی صدائیں بلند کررہے ہیں وہ اس آواز کو باقی رکھنا چاہتے تھے، مولانا محمد ثانیؒ اس دعا کے مستحق تھے کہ اللہ ان کو ایسا بنادے۔

محمد ثانی مرحوم کی شاعری فنی اور ادبی لحاظ سے ایک کہنہ مشق استاد فن کے کلام کا درجہ رکھتی ہے، یقین نہ آئے تو ان کی یہ نظم علامہ شبلی نعمانی کی کلیات میں رکھ دیجئے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یہ علامہ شبلی کی زبان، فکر اور انداز بیان نہیں ہے۔"

شاعری میں قرآن کریم سے استفادہ

یہ ایک ایسا عنوان ہے جس کو مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء) نے کلکتہ میں منعقد ادب اسلامی کے سیمینار دسمبر ۲۰۱۲ء میں موضوع بنایا تھا، اور مولانا محمد ثانی حسنی کے کلام میں اس پہلو کو اجاگر کیا تھا، جیسے ان کی پیام رحمت کے تحت رمضان المبارک سے متعلق نظمیں اور منقبت کی نظمیں جو اپنے عہد کے ربانی علماء واہل اللہ سے متعلق تھیں، ان کے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

"قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام اور اہل قلب ومعرفت بزرگوں کا ذکر فرمایا ہے، اور ان کے فضائل کی طرف اشارہ کیا ہے، اس آیت کی روشنی میں شاعر مدح ومنقبت مولانا سید محمد ثانی حسنی

نے اہم علمائے ربانیین اور صلحائے امت پر ان کی منقبت میں مدحیہ قصیدے لکھے ہیں، اور ﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ☆الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ☆لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾(یونس ٦٢-٦٤) کے مفہوم ومعانی کو ان پر منطبق کیا ہے"۔(۱)

مولانا ان کی نغمات سحر کی نظموں کے متعلق اپنا یہ تاثر تحریر فرماتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کی تعلیمات جو اسلام اور ایمان پر شکر ومسرت کے احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں، وہ ان اشعار کے اندر پوری طرح موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ لا الہ الا اللہ والے قصیدے میں بھی یہی کام کررہی ہے"۔

نغمات سحر میں مولانا نے سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ان سب پر بھی اور سورۂ حشر کی آخری آیت کا ذکر کر کے اللہ اکبر والے قصیدے کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تفسیر قرار دیا ہے، اور ان کی مناجاتوں میں ان کی عبدیت وتواضع کی عجیب شان راضی برضا اور فنائیت کی ایک بارگاہ، گناہوں سے معافی کی طلب کا ایک جامع بیان قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جو زبان وقلم سے نہیں اور دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے الفاظ نہیں بلکہ آنکھوں میں سجے ہوئے موتیوں کی ایک لڑی ہے، جو ٹوٹ کر ان موتیوں کو برسا رہی ہے۔(۲)

---

(۱) سہ ماہی کاروان ادب لکھنؤ، جولائی ۲۰۱۵ تا جون ۲۰۱۶

(۲) سہ ماہی کاروان ادب بحوالہ سابق، از ص: ۳۳-۴۶، وقافلہ علم وادب، مطبوعہ مکتبہ ندویہ لکھنؤ، از؛ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

مولانا سعید الرحمٰن علوی نے القصیدۃ المدحیۃ مناقب برکۃ العصر محدث کبیر حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

''اردو قصیدہ عالم اسلام کی نامور علمی دینی اور روحانی شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے جواں سال، جواں فکر اور صاحب قلب ونظر خواہر زادہ مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا ہے، جو حضرت الامیر السید احمد شہید بریلوی قدس سرہ سے خاندانی نسبت رکھنے کے ساتھ ساتھ علم وعرفان کی ان محفلوں میں پلے بڑھے جن کا تصور بھی عام لوگوں کے لئے مشکل ہے یہ عزیز اپنے عظیم ماموں صاحبان سید ڈاکٹر عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی گود میں تو پلے ہی ہیں، انہیں شیخ الاسلام حضرت مدنی، قطب وقت حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری، محدث عصر حضرت الشیخ (مولانا محمد زکریا کاندھلوی) اور داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد یوسف رحمہم اللہ کی بارگاہوں میں اونچا مقام حاصل رہا، افسوس وہ جواں مرگی کا شکار ہو گیا لیکن اپنے پیچھے جو حسنات چھوڑ گیا، وہ انشاء اللہ اس کے لئے بہترین ذخیرہ ہوں گی۔

ان میں سے ایک یہ قصیدہ ہے جس میں شاعرانہ مبالغہ نام کو نہیں، واقعات کی صحیح اور سچی عکاسی اس طرح کی ہے کہ:

''کرشمہ دامن می کشد''

والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔''(۱)

مزید رقم طراز ہیں:

---

(۱) از؛ مقدمہ کتاب القصیدۃ المدحیۃ مناقب برکۃ العصر محدث کبیر حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ، صفحہ ۸-۹، رشحات قلم؛ مولانا سید محمد ثانی حسنی علیہ الرحمۃ، مقدمہ نگار مولانا سعید الرحمٰن علوی (صاحبزادہ گرامی حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوریؒ)

ہمارے حضرت شیخ کے فیض یافتہ مولانا محمد اظہار الحسن کاندھلوی مقیم بستی نظام الدین دہلی جن کے نام اس کتاب کا انتساب ہے، انہوں نے یہ قصائد حضرت شیخ ہی کے ایک دوسرے منتسب اور ہمارے محترم کرم فرما محترم الحاج الحافظ صغیر احمد صاحب کو ارسال کئے، حاجی صاحب نے ان کی اشاعت کا پروگرام بنایا۔"(۱)

اصناف وموضوعات

مولانا محمد ثانی حسنی کی شاعری میں نعت وسلام کا موضوع ایسا موضوع ہے جس میں ان کے اشعار سب سے زیادہ ملتے ہیں، اس کے بعد حمد ومناجات کے اشعار ہیں، نغمات سحر کے عنوان سے کلمات تسبیح سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر یہ الگ نظمیں ہیں، اور سات نظمیں ماہ رمضان المبارک سے متعلق ہیں، جن میں رمضان کی آمد، اس کے پیام، اس کی وصیت اس کی کیفیت اور اس کے اختتام پر وداع رمضان کے عنوان سے اور شب قدر پر موثر نظمیں ہیں، ملی تاثرات وجذبات کے موضوع پر سقوط قدس، فسادات ہند، مسلمانوں کی بے بسی اور اخوان المسلمین اور مسجد آیا صوفیا پر جذبات کو جھنجھوڑ والی نظمیں ہیں اور اسی سے متصل مشہد بالاکوٹ ہے، یہ پورا ایک شاہ نامہ ہے، جس میں حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید اور ان کے جاں نثار رفقا اور غازیان دین کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے، اسی میں شہدائے بالاکوٹ کی وصیت ''بالاکوٹ کہتا ہے'' کے عنوان سے ہے منظر کشی کا باب ہے جس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی منظر کشی ہے اور اسی کے ساتھ مشہد بالاکوٹ کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اس کا روحانی رشتہ بھی حرمین شریفین سے تھا، پھر عظیم روحانی شخصیتوں حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا الیاس صاحب، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری، امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور

---

(۱) بحوالہ سابق

فاروقی، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوری، حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی، مولانا محمد عبدالسلام فاروقی، کی منقبت مستقل الگ الگ ہے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے متعلق ۸؍ نظمیں ہیں، کیوں نہ ہوں وہ انہی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور پھر مجاز بیعت وطریقت ہوئے، ترانے بھی انہوں نے کہے، یہ سولہ ترانے ہیں، جن میں ندوۃ العلماء کا ترانہ اپنی مثال آپ ہے جس کی اپنی ایک لے ہے گویا یہ ایک الہامی ترانہ ہے اہل خاندان سے متعلق سات نظمیں ہیں، والدہ صاحبہ کی زبان میں ایک نظم کہی، دونوں ماموؤں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے متعلق کہی ایک کو خراج عقیدت اور دوسرے کے لیے دعائیہ، مولانا سید محمد الحسنی ابن مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی ان کے برادر نسبتی اور عزیز بھائی بھی تھے، ان کے انتقال پر جو اشعار ان کی زبان و دل سے نکلے ہیں وہ اپنی جگہ انفرادیت رکھتے ہیں، بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب جب حج پر گئے تو ان کو منظوم خط لکھا وہ بھی اسی میں شامل ہے اور صاحبزادہ گرامی منزلت مولانا سید محمد حمزہ حسنی کے لیے دعائیہ نظم ہے جس کا مطلع ہے:

ع یارب دل حمزہ کو ایمان ویقیں سے بھر

اور صاحبزادی مرحومہ سیدہ امامہ حسنی کے لیے جو دعا ہے اس کا مطلع ہے:

ع مثل خاتون حرم اس کو چراغ خانہ کر

اور چار نظمیں آخر کی وصایا کے باب میں ہیں:

ایک ہے ؎

ع زندگی اپنی بناؤ تم سراپا انقلاب

ایک امت مسلمہ کے نام ہے، وہ مولانا یوسف کاندھلوی کی نورانی زندگی سے پیام وپیغام کے طور پر ہے، اور آخری نظم آخرت کی یاد دلاتی ہے اور زندگی کا سفر بنام

خدا اختتام کو پہنچاتی ہے کہ

ع   خدا کا نام لے کر جی خدا کا نام لے کر مر

مولانا محمد ثانی حسنی نے جن موضوعات پر شاعری کی ان میں یہ چیز قدرے مشترک ہے کہ ان سب کا تعلق دین وللہیت سے رہا، اسی میں انہوں نے اصناف پیدا کیے، جو ۱۳ ر ہیں، حمد سے لے کر وصایا تک سبھی میں ایک ہی مقصد نظر آتا ہے کہ بندہ اللہ کے لیے جینا مرنا سیکھ لے اور اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف محتاجگی نہ رہے، جنہوں نے ایسی زندگی گذاری ان کو بھی انہوں نے اس میں لیا ہے، اور تیسری چیز ملی درد وسوز اور انسانی خیر خواہی ہے، اس طرح مولانا کی شاعری انہی تین موضوعات کے گرد گھومتی نظر آئے گی، مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے مولانا کی شاعری کے موضوعات کو بھی چھیڑا ہے اور اس پر اچھا تبصرہ کیا ہے، وہ رقمطراز ہیں:

> ''مولانا محمد ثانی نے حمد کے بے شمار اشعار کہے، مناجات اس طرح نظم کی کہ مدتوں کی سوکھی ہوئی آنکھیں بہنے لگیں، آسمان کی طرف لوگ دست دعا پھیلانے لگے، نعت کہی تو محبت اور فنائیت کا ایک سماں بندھ گیا، فلسطین کے زوال اور یہودیوں کے مظالم، ہندوستان میں جمشید پور، راوڑ کیلا کے مقتل پر اپنے تاثرات ظاہر کیے، تو کوئی صاحب ضمیر ایسا نہیں ہوگا جس نے اپنے دل کو زخمی نہ پایا ہو، اور خاص بات یہ ہے کہ ان اشعار میں جو فلسطین اور دوسری مسلمانوں کی قتل گاہوں کے بارے میں نظم کیے گئے، ان کے اندر مرثیہ گوئی اور نوحہ خوانی کا انداز نہیں ہے، بلکہ ان کے بین السطور میں اللہ کی قوت انتظام کی جھلک موجود ہے، عزم کی روشنی ہے، دین کے لیے جان دینے والوں کا ماتم نہیں ہے، مگر نصرت خداوندی اور ان کی آزمائش اور اپنی

کوتاہیوں کا احساس بڑھ جاتا ہے۔

مولانا نے ہر دینی موضوع پر قلم اٹھایا، عربی میں ایک ترکیب ہے "ھو مدفوع الی ذلك" یعنی اندر سے کوئی طاقت دھکا دے رہی ہے، اور کسی کام پر اس طرح آمادہ کر رہی ہے، گویا آدمی اس کے سامنے مجبور اور بے بس ہے، مولانا محمد ثانی کا کلام پڑھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ ان کی خواہش نہیں تھی، بلکہ ان سے کہلایا گیا، ایک غیبی طاقت نے ان کو مجبور کیا، جب منقبت لکھنے پر آئے تو خلفائے راشدین سے لے کر عصر حاضر کے علماء تک کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا، ان کی بڑی معرکۃ الآراء، ولولہ انگیز نظمیں اور شہدائے بالاکوٹ کی داستان حمیت وغیرت پر مشتمل ہیں، سید احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید، شہدائے بالاکوٹ پر ان کے اشعار بے ذوق سے بے ذوق آدمی کے اندر دین کا جوش، شجاعت اور ان کے کارناموں کی عظمت کا ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں، شہدائے بالاکوٹ پر ان کی نظموں کا مجموعہ خود ایک مستقل دیوان کی حیثیت رکھتا ہے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث کی منقبت لکھی، اپنے ماموں جان یعنی مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حق میں دعائے خیر کا جو طوفان ان کے سینہ میں دبا ہوا تھا اس کو اشعار میں پیدا کیا، اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے ایک بہت ہی دل آویز مناجات لکھی جو اس لائق ہے کہ ہماری بچیاں اور بیٹیاں اس کو بار بار پڑھیں، راتوں کو اٹھ کر تہجد کے بعد ان کا ورد کریں، ندوہ کا ترانہ

اور دوسرے مدرسوں کے ترانے اس بات کے گواہ ہیں، کہ ان کے اندر قوت بیانیہ، الفاظ کے استعمال کا سلیقہ، خوبصورت بندش کے ساتھ تمناؤں کو نظم کرنے کا ملکہ حاصل تھا، مجھے ایسا لگتا ہے کہ ترانوں میں جو طلباء کی زبان سے کہلایا جاتا ہے، کہ ہم ایسے ہیں، ویسے ہیں، وہ درحقیقت دعائیں ہوتی ہیں کہ اللہ مجھ کو ایسا بنادے اور ایک قدم بڑھ کر میں یہ کہنا چاہتا ہوں، کہ محمد ثانی کی ذات خود اس ترانے کے اندر تیرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے، ان کی ذات نازش ملک وملت تھی، ان سے صبح وطن درخشاں تھی، اور اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ تابش دیں تھے، نور یقیں تھے، حسن عمل تھے، اور خلق حسن کے پیکر تھے، وہ مست نگاہ ساقی، بادہ کش صہبائے حرم تھے، اور وہ سب کچھ تھے جس کی تمنا انہوں نے اہل مدرس کے لیے کی۔

محمد ثانی حسنی کی شاعری فنی اور ادبی لحاظ سے ایک کہنہ مشق استاد فن کے کلام کا درجہ رکھتی ہے، یقین نہ آئے تو ان کی یہ نظم ''رہنمایان ملت سے'' علامہ شبلی نعمانی کی کلیات میں رکھدیجیے، کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یہ علامہ شبلی کی زبان، فکر اور انداز بیان نہیں ہے۔

ان کی نعتیں اور مسلمانوں کے زوال پر اور ان کی قتل گاہوں پر جو نظمیں ہیں وہ فنی لحاظ سے مکمل ہیں، ان کی ایک نظم ''وداع رمضان'' بھی ہے جو انہوں نے اپنے شیخ کے سہارنپور میں رمضان گذارنے کے موقع پر کہی تھی، اس کا اپنا الگ رنگ ہے، نظم کا مطلع ہے ۔

رحمت حق آئی قسمت ور چلے
سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے

اور آخری دو شعر جن میں انہوں نے خواجہ میر درد کے مشہور شعر کو شامل کیا، جب شیخ کی مجلس میں پڑھے گئے تو آنکھیں اشک بار ہو گئیں، شیخ پر بھی ایک اثر تھا جو ظاہر ہو رہا تھا۔

اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی
جانے کب دربند ساقی کر چلے
ساقیا اب لگ رہا ہے چلا چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے (۱)

موضوعات کے تنوع اور خصوصیات کے متعلق مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ رقمطراز ہیں:

''مختلف موضوعات پر انہوں نے اپنے قلبی تاثر اور اپنے ایمانی تصور کو شستہ اور موثر انداز کلام میں پیش کیا ہے، حمد و مناجات، نعت و منقبت اور ملت کے حالات کے پیش نظر ان کے دل میں جو جذباتی کیفیت ابھرتی تھی اس کو بھی مختلف عنوانات سے خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کیا ہے، دینی مدرسوں کے لیے ترانے بھی لکھے ہیں، جو ان مدرسوں میں اختیار کیے گئے ہیں، ان میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لیے ترانہ انہوں نے کہا وہ آب دار موتی کی طرح نظر آتا ہے جس کا بند ہے۔

ہم نازش ملک و ملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابش دیں ہم نور یقیں ہم حسن عمل ہم خلق حسن

---

(۱) از؛ بحوالہ سابق، ص: ۱۹ تا ۲۳

اس ترانے کے مختلف بند ہیں۔مختلف صفات اور اعلی کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے، اوراس میں الفاظ و بیان کے اندر فصاحت لفظ اور ترنم کا بڑا اچھالحاظ رکھا گیا ہے اس کے علاوہ اسلامی کالجوں، بعض تنظیموں اور مکاتب اسلامیہ کے لیے بھی ترانے کہے۔

اس طرح اس مجموعہ کلام میں مختلف موضوعات کہ جن کا قریبی تعلق صاحب کلام سے تھا، صاحب کلام نے اپنے احساسات اور تصورات کو پیش کیا ہے، بزرگ شخصیتیں جن سے انہوں نے استفادہ کیا یا ان سے قریبی تعلق رہا، جیسے خودان کے ماموں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور شیخ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اور خاندانی بنیاد پر اپنی والدہ صاحبہ، ماموں ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی صاحب، اور اپنے قریبی بعض عزیز اور گذشتہ بزرگ، دینی شخصیتوں میں جیسے حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا شاہ اسماعیل شہید، اسی طرح امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والے واقعات کے تعلق سے قابل ذکر مقامات وحالات کو بھی اپنا موضوع بنایا، اس طریقہ سے یہ مجموعہ کلام ایک خوشنما، دینی اور ملی ذاتی احساسات کی ترجمانی کرنے والا گلدستہ بن گیا ہے۔

مولانا کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ رہی ہے کہ انہوں نے صرف لطف ولذت کے حامل موضوعات کو نہیں اپنایا، غزل یا بے ضرورت مدح سرائی، یا محض لفاظی اور خودنمائی کے دائرہ سے اپنے کو الگ رکھا، صرف تعمیری اور اخلاق انسانیت، ملی اور دینی پہلوؤں تک ہی اپنی شاعری کو محدود رکھا اور اس میں بھی ایسے موضوع جو عام طور پر خشک سمجھے جاتے ہیں، لیکن مولانا نے سنجیدہ

موضوعات کی شاعری میں بھی جگہ جگہ غزل کے ساتھ مخصوص سمجھی
جانے والی تراوٹ اور نزاکت کا لطف پیدا کرنے میں کامیابی
حاصل کی ہے"۔(۱)

ایک موضوع بچوں سے متعلق ہے اس پر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی لکھتے ہیں:

"برادر معظم نے جو بڑا دردمند دل پایا تھا وہ دردمندی اپنے
عزیزوں اور بچوں کے سلسلہ میں بہت نمایاں ہو جاتی تھی، اللہ
تعالیٰ نے ان کو کلام شعری کی جو خصوصیت عطا فرمائی تھی وہ اس
کے لیے آئینہ بن جاتی تھی، چنانچہ قریب ترین عزیزوں کے
بچوں کی تہنیت میں انہوں نے اشعار کہے، جن کے مطالعہ سے
ان کی محبت وتعلق کا اندازہ ہوتا ہے"۔(۲)

ایک دوسرے موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

"ان کو حج کی سعادت حاصل ہوئی تھی تو مقامات مقدسہ میں ان
کے جذبات میں جو حرکت پیدا ہوئی اس کو انہوں نے اپنے شعر
کے قالب میں ڈھالا، اس سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے ان کے حج
کے بعد مجھے جب حج کی سعادت حاصل ہوئی تو انہوں نے ایک
منظوم خط بھیجا، جس میں نہ صرف یہ کہ پیغام واظہار خیال تھا،
بلکہ وہاں کے مقامات کے تذکرے کے ساتھ اپنے جذبات کی
عکاسی بھی تھی، جن میں بے ساختگی اور برجستگی اور احساس وتصور
کی کامیاب تصویر کشی محسوس کی جاسکتی ہے"۔(۳)

دینی تاثر

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے مولانا محمد ثانی حسنی کی شاعری میں اس پہلو

---

(۱) بحوالہ سابق، ص: ۳۰-۳۲ (۲) میزاب رحمت ص: ۲۷ (۳) میزاب رحمت ص: ۲۸

کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے کہ وہ دینی جذبات کو موثر اور برجستہ اسلوب میں بیان کرنے میں اچھے خاصے کامیاب ہیں اس کو ان کی مناجات میں بھی بخوبی دیکھا جا سکتا ہے:

خداوندا میں سرتاپا خطا ہوں
اسیر و پنجہ حرص و ہوا ہوں
حقیر و خاکسار و بے نواں ہوں
برا ہوں پر تیرے در کا گدا ہوں
اِلٰهِیْ لَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنِّیْ مُقِرٌّ بِالَّذِیْ قَدْ کَانَ مِنِّیْ

ان کی مناجات بہت مقبول ہوئی اور شہرۂ آفاق نعت خواں جناب جنید جمشید صاحب(۱) نے بھی اپنی دلکش اور مسحور کن آواز میں پڑھی جو دنیا بھر میں سنی جاتی ہے اسی طرح ان کے حمد سلام و مناجات کی سی ڈی (.C.D) بھی بہت مقبول ہوئی جو مولوی شکیل احمد ندوی بارہ بنکوی نے اپنی دلکش اور متاثر کن آواز میں پڑھی جو ایمان وعقیدہ کی پختگی اور محبت رسول اور دعا کا ذوق پیدا کرنے کے لیے اکسیر کا کام دیتی ہے۔

مولانا محمد ثانی حسنی کے کلام کا ایک انتخاب ۲۰۰۸ء میں چودھری علی مبارک عثمانی مرحوم نے مرتب کر کے شائع کرایا وہ آپ کی شاعری کی خصوصیات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"حسنی خاندان کے فرد فرید مولانا ثانیؒ کی خوبیوں میں سے ایک خوبی شاعری پر عبور، اظہار خیال کی رعنائی بھی تھی، لیکن انہوں نے حمد و مناجات و نعت سرور کائناتؐ ہی کو اپنی پیش کش کا ذریعہ بنایا، عمومی طور پر شعراء جس طرح شاعری کرتے ہیں، مولانا کی شاعری اس سے الگ ایک مخصوص رنگ و آہنگ کا انداز رکھتی

---

(۱) افسوس کہ پاکستان کے یہ مشہور گلوکار و نغمہ خواں، عظیم داعی و مبلغ دین کی حیثیت سے معروف ہو کر ایک تبلیغی سفر سے واپس ہوتے ہوئے اپنی اہلیہ کے ساتھ جہاز کے حادثہ میں ۲۰۱۶ء میں شہید ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون

ہے اور ان کی شاعری کے نمایاں پہلو میں حمد ومناجات ونعت
نبوی میں واقعیت وحقیقت نگاری کی تمام جلوہ سامانیاں موجود
ہیں، اسلوب بیان کی دل کشی شعریت میں موجزن ہے، یہاں
ان کی شعری خدمات کا بیان مقصود ہے۔

میں مرتب کر رہا ہوں داستان کوئے دوست
اب نہ گلشن یاد آتا ہے نہ ویرانہ مجھے

عزیز بارہ بنکوی

سات سال قبل میں نے کلام ثانی کا انتخاب کیا تھا، خیال تھا کہ تفصیلی طور پر کلام کے بارے میں عرض کیا جائے گا مگر یہ نہ ہوسکا بہر حال اب مختصراً پیش خدمت ہے۔

حمد ومناجات، سلام ونعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور تیسرا حصہ متفرقات پر مبنی ہے، مولانا ثانیؒ ایک خوش فکر شاعر تھے، انہوں نے ہر حال میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی اور یہی جذبہ ان کی شاعری میں نمایاں ہے ملاحظہ ہو کس خوبی وحسن کے ساتھ اللہ تعالی کے پاک نام نظم کرتے ہیں:

تجھ کو فتاح کہتے ہیں اہل نظر
نام سے تیرے کھلتا ہے ہر بند در
تو اے علیم اے خدا سب کی تجھ کو خبر
سب کا تو داد رس سب کا تو چارہ گر

تو ہمیشہ سے ہے اور رہے کا مدام
پاک تری صفت پاک تیرا کلام

تو معزؔ ومذلؔ وسمیع بصیر
تو حکم اور عدل ولطیف وخبیر
چاہے کر تو امیر اور چاہے فقیر

تو ہے بیشک علی کل شی قدیر

تیرے ہاتھوں میں دونوں جہاں کا نظام
پاک تری صفت پاک تیرا کلام

قدرت شعری کے ساتھ روانی اور اسماء الٰہی کے مقصد و معانی کی لازوال منظر کشی بھی لائق صد ستائش ہے۔ سچ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کے پاک نام جب روح کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں تو بندہ کی آواز معرفتِ حق سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور یہ جب ہی ہوتا ہے جب قبولیت کا شرف واعجاز میسر ہو جائے۔ مولانا کی دلی کیفیات، ادارکِ حق اور جذب علم وعمل نے ان کی شاعری کو ایک ایسا حسن لازوال بخشا ہے جسے محسوس بھی کیا جاتا ہے اور سراہا بھی جاتا ہے وہ اخفا کے عادی تھے، علم کا اخفا، عمل کا اخفا، تاثرات کا اخفا، جذبات کا اخفا، وہ شدت کے ساتھ سادگی پسند تھے مگر قدرت نے ان کے ذوق اخفا کو ان کی شاعری کے ذریعہ فاش کر دیا، اللہ ورسول کی محبت ان کی شاعری کی ممتاز خصوصیت کی شکل میں ظاہر ہوگئی، نعت میں لفاظی کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ ادب کے تمام لوازمات کے ساتھ پاک خیالات نظم کرنا ہی نعت نبوی کا تقاضا ہے، مولانا ثانیؒ صاحب نے نہایت عمدگی سے نعتیہ خیالات میں سیرت کی دل آویزی پر اظہار خیال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

آتش شوق ہے تیز سے تیز تر
میں ہوں گرم سفر ہر نفس ہر نظر ہے
حسیں رہ گذر عشق ہے راہ پر
روضۂ پاک ہے منزل معتبر

میری قسمت کہ ہوں زائر وہم کلام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

جن کی کوشش سے باد بہاری چلی
جن سے ہر شاخ گلشن کی پھولی پھلی

چٹکی اسلام کی جن سے ہر ہر کلی
وہ ابوبکرؓ وفاروقؓ وعثمانؓ وعلیؓ

جس کے ادنی غلام فاتح مصر وشام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

وہ حبیبِ خدا، طاہرؐ ومصطفیٰؐ
قاسمؐ وحامدؐ وجیہؐ ومرتضیٰؐ
صادقؐ ورحمۃؐ وطیبؐ ومجتبیٰؐ
طٰہٰؐ یسین، مکیؐ، وہ خیرالوریٰؐ

وہ شفیعؐ ومنیرؐ وشہیدؐ وامامؐ
اسؐ پہ لاکھوں درود اسؐ پہ لاکھوں سلام

وہ حجازیؐ، تہامیؐ، یتیمؐ وغنیؐ
وہ رؤوفؐ و بشیرؐ و نذیرؐ ونبیؐ
وہ رسولؐ ومذکر امیںؐ ہاشمیؐ
وہ ہے امیؐ لقب ابطحیؐ، متقیؐ

جس کے محمودؐ، احمدؐ محمدؐ ہیں نام
اسؐ پہ لاکھوں درود اسؐ پہ لاکھوں سلام

''سید محمد ثانی حسنیؒ تصنیف، تالیف، سیرت نگاری، تاریخ وادب پر عبور رکھتے تھے لیکن شاعری میں نہایت قادرالکلام تھے، مدارس اسلامیہ کے لیے جو ترانے انہوں نے لکھے وہ بھی آپ اپنی مثال ہیں خصوصاً ندوہ کا ترانہ تو ان کی قدرتِ شعری کا انمول خزانہ ہے، متفرق نظموں میں بھی آپ دیکھیں گے کہ کس طرح وہ خوش سلیقگی کے ساتھ حقائق ومعارف بیان کرنے پر قادر نظر آتے

ہیں اور جو کچھ نظم کی علمی ادبی زبان میں پیش کرتے ہیں وہ ایک
خاص طرز فکر کی نمائندگی ہے جسے ہر حال میں شریعت وسنت
نبویؐ کی بہترین ترجمانی ہی کہا جاسکتا ہے۔"(۱)

کچھ دوسرے نمونے

مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی شاعری میں تاثرات کیفیات لوگوں کی دلجوئی، بچوں کی ولادت پر ان کے لیے دعائیں، شادی پر تہنیت صحیحہ یہ سب ان کے اشعار کا حصہ ہیں یہاں ہم ایک نمونہ پیش کرتے ہیں ان کے ان اشعار کا جو ایک تیل کے مفید ہونے کو محسوس کر کے کہے تھے وہ ملاحظہ ہوں:

صبا کا ہیر آئل

صبا کا دور کرتا ہے تھکاوٹ — مٹا دیتا ہے درد سر صبا کا
صبا کا بال کو رکھتا ہے کالے — بڑھا دیتا ہے بال اکثر صبا کا
صبا کا دل کو پہنچاتا ہے فرحت — ہے خوشبودار خوش منظر صبا کا
صبا کا کو لگائیں مرد وزن سب — کہ سب تیلوں سے بڑھ کر صبا کا

صبا کا کو خریدو اور لگاؤ
لگانا سر پہ ہے بہتر صبا کا

ایک دوسرا نمونہ ان کے ایک شعری مکتوب کا ہے، جو انہوں نے اپنے گھر کے ایک چشم و چراغ مولانا سید بلال حسنی صاحب (فرزند گرامی مولانا سید محمد الحسنی خلف الرشید مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنی) کو اس وقت کو لکھا تھا جب ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ مکتب کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ یہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔

---

(۱) از مقدمہ منتخب کلام ثانی، ملحوظ رہے منتخب کلام ثانی کے ناشر و مقدمہ نگار چودھری علی مبارک عثمانی اردو نقد و ادب پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں ایک جگر مرادآبادی کے تغزل پر بھی ہے۔

شادی کی تہنیت پر بھی اشعار کہے جو مولانا قاضی محمد فاروق ندوی بھٹکلی سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے نام یہ تہنیتی اشعار راقم کی نظر سے گذرے ہیں، مولانا قاضی سید مشتاق علی ندوی قاضی بھوپال نے بتایا کہ انہوں نے اپنی بہن کی شادی کے موقع پر اشعار کی فرمائش کی تھی جو مولانا نے فی البدیہہ پوری کردی تھی، قاضی فاروق ندوی بھٹکلی کے نام اشعار مولانا عبد العزیز خلیفہ ندوی نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کو یاد تھے وہ ملاحظہ ہوں:

گلشن دل مسکرایا کھل اٹھی ہر ہر کلی
غنچہ چٹکے پھول مہکے شاخ گل پھولی پھلی
خیر و برکت سے نہ کیونکر عقد یہ معمور ہو
گلفشاں ہو جو زبان بوالحسن سید علی
مرحبا صد مرحبا أھلا وسہلا مرحبا
مرحبا اے محمد فاروق ندوی بھٹکلی

حج کی مقدس مناسبت سے تہنیتی اشعار کہے جو اپنے دوست مولانا سید محمد مرتضی نقوی بستوی اور اپنے بھائیوں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید محمد الحسنی وغیرہ کے نام ہیں۔

حفظ قرآن کریم اور دوسری مناسبتوں سے بھی لوگوں کو خوش کیا، ممتاز عالم دین و دفقیہ مولانا سید عبید اللہ الاسعدی کی تقریب حفظ قرآن کریم کے موقع پر جو اشعار کہے وہ آج بھی ان کے یہاں محفوظ ہیں۔

صدائے دل کے عنوان سے جو دعائیہ نظم اپنی ایک بہن کی طرف سے ان کی اولاد اور کنبہ کے لیے کہی اس کے ابتدائی چند شعر ملاحظہ ہوں:

صدقے تیری رحمتوں کے اے مرے پروردگار
بخشتا ہے توہی مالک بے قراروں کو قرار

نام تیراپاک ہے پاکیزہ تیرا ہے کلام
میں ہوں تیری، یہ جہاں تیرا، ہیں تیرے صبح وشام
تیری رحمت عام ہے تیرا کرم مشہور ہے
عفوکرنا، درگذر کرنا، ترادستور ہے
تونے بخشی اے خدانعمت مجھے اولاد کی
آرزوپوری ہوئی میرے دل ناشاد کی

اس کے آخری دوشعر ملاحظہ ہوں:

ان سبھوں کو یاالٰہی صحت وایمان دے
پاکی قلب ونظر دے، علم وعرفان دے
ہے حمیرہ اور مسلم کی یہی تجھ سے دعا
کر قبول اس کو بحق حضرت خیر الوری

اسی طرح ان کی ایک بھتیجی سیدہ سعیدہ مرحومہ (بنت ڈاکٹر سید حسن مثنی حسنیؒ) نے اپنی اولاد کے لیے مجموعی طور پر فرمائش کی وہ بھی پوری کی اسی طرح ایک نظم مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے بہن بھائیوں سے متعلق بھی راقم نے ملاحظہ کی ہے وہ بھی محفوظ ہے اور انفرادی دعائیہ نظمیں تو بڑی تعداد میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، یہ سب میزاب رحمت میں جگہ نہ پاسکیں، ان کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے، جو ''صدائے دل'' کے نام سے زیرترتیب ہے۔

نعتیہ شاعری

معروف نقاد ڈاکٹر تابش مہدی نے مولانا محمد ثانی حسنی کی نعت گوئی کو اپنے مقالہ کا موضوع بنایا تھا، وہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا سید محمد ثانی رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۵ء-۱۹۸۲ء) بھی انہی خوش نصیب وباسعادت سخن وروں میں ہیں

جو شعر وسخن پر کامل ہیں، اوراس کی جملہ اصناف پر بھر پور قدرت کے باوجود حمد ومناجات اور نعت ومناقب کے ہی دامن گرفتہ رہے، عام شاعرانہ وسخن ورانہ زندگی کو اپنے لیے پسند نہیں کیا، آپ جب ان کی حمدیں، مناجاتیں اور نعت پڑھیں گے تو میرے دعوے کی تصویب کریں گے، مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ خاص حمد ونعت کے شاعر تھے، انہوں نے ہمیشہ اپنی سخن وری کو حمد ونعت سے متعلق رکھا، اوراس شان سے رکھا کہ تمام شاعرانہ قدروں کو ملحوظ رکھا، اور دبستان لکھنؤ کے فنی ولسانی محاسن کو کبھی آنچ نہیں آنے دی، جن محاسن وروایات کو وہ حمد ونعت سے جوڑ سکتے تھے، ان سے کبھی دریغ نہیں کیا، پوری علمی وفنی دیانت داری کے ساتھ انہیں برتا، نعتیہ شاعری بنیادی طور پر محبت رسول (ﷺ) اور تبلیغ حق کا نام ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی مہارت فن اور قدرت کلام سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نعت گرچہ موضوعاتی شاعری ہے، تاہم اسے معیاری اسلوب بیان اور فن کارانہ چابک دستی سے دوسری اصناف یا غیر موضوعاتی سخن وری کے شانہ بہ شانہ بلکہ کسی درجہ میں ان پر فائق رکھا جاسکتا ہے۔(۱)

مولانا محمد ثانی حسنی کی نعتیہ شاعری فکر کی گہرائیوں، فن کی بلندیوں اور قدرت کلام کی خوبیوں سے مالا مال ہے، زبان کی سلامت، بیان کی صداقت، بندش کی چستی، محاوروں کا برمحل استعمال اور الفاظ کا بامعنی عالمانہ انتخاب ان کے کلام کی

(۱) کاروان ادب لکھنؤ، جولائی ۲۰۱۵-جون ۲۰۱۶

انفرادیت ہے، تشبیہات و استعارات اور روز مرہ کا مناسب و موزوں استعمال بھی ان کے ہاں مفقود نہیں ہے"۔(۱)

مولانا محمد نفیس خاں ندوی نے ان کی نعتیہ شاعری پر اچھا تبصرہ کیا اور لکھا ہے کہ:

"اسلامی ادبیات میں خدائے بزرگ و برتر کی حمد اور اس کے حضور مناجات کے بعد مرتبہ "نعت" کو حاصل ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے وجود بابرکت سے جہاں عالم گیتی میں زبردست انقلاب پیدا ہوا وہیں شاعری کی دنیا میں بھی عظیم تبدیلی رونما ہوئی، اور افق شاعری میں ایک نئی صنف، نئے ڈھنگ اور ایک نئے اسلوب نے جنم لیا، اور پھر یہ طرز و طرح لسان شاعری میں "نعت" کہلائی۔

نعت گوئی ایک مشکل صنف ہے، اس میں شاعر کی فنی لطافتوں سے زیادہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت اور اس کے جذباتی اظہار کی کارفرمائی ہوتی ہے، جذبات اور اس کا برمحل اظہار اور سوز گداز محبت کا گہرا اثر پیدا کر دیتا ہے، اور یہی کامیابی نعت کا تصور ہے، لیکن اگر اس میں احتیاط کا دامن نہ تھاما جائے تو خطرہ کی سرحد کچھ دور نہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ "باخدا دیوانہ باشی بامحمد ہوشیار"۔

نعت گوئی میں تقریباً تمام شعراء نے طبع آزمائی کی ہے، حتی کہ غیر مسلم شعراء بھی اس عزوشرف کو حاصل کرنے میں پیچھے نہیں رہے، بعض نے چند اشعار کہے، بعض نے دیوان کے دیوان مرتب کر ڈالے، اور بعض نے زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی "نعت

---

(۱) بحوالہ سابق

گوئی'' کو بنالیا، جو کچھ کہا نعت ہی میں کہا، اور اسی میں ڈوب کر کہا، اور اس طرح ایسا سنہرا سلسلہ وجود میں آیا جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اسی سلسلہ کی ایک نمایاں کڑی مولانا محمد ثانی حسنی ندویؒ کی ذات بھی ہے، یوں تو انہوں نے شاعری خوب کی مگر دوسرے شعراء کی روش سے ہٹ کر، گویا اپنی ایمانی تڑپ و جذبات اور خوف خدا کو دوسروں تک پہنچانے کا وسیلہ انہوں نے نثر کے ساتھ شاعری کو بھی بنایا، اگر صنف غزل کو چھیڑا نہیں تو دوسری اصناف کو چھوڑا بھی نہیں، لیکن نعت کے باب میں ان کی شاعری میں جو رنگ و ترنگ ہے اور جو اسلوب بیان ہے وہ بالکل البیلا اور نرالا ہے، نہ لفظوں کا ہیر پھیر ہے، نہ ترکیبوں میں تعقید ہے بلکہ ایسی بے ساختگی اور برجستگی اور ایسی سادگی و روانی ہے کہ خواص و عوام سبھی پڑھتے جائیں، گنگناتے جائیں اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت سے دل کی بھٹیاں گرم کرتے جائیں، کیونکہ یہ موضوع بڑی حد تک جذبات نگاری کا متقاضی ہے، مولانا کے ان اشعار کو پڑھئے اور رسول کریم سے ان کے تعلق و قلبی جذبات کو محسوس کیجئے۔

وہ رسالت مآب اور شہ دو جہاں
پاک نام آپ کا لے یہ گندی زباں

یہ دونوں شعر پورے ادب و احترام کے ساتھ جہاں جذبہ وارفتگی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہیں، وہیں قلبی جذبات و احساسات اور ایمانی تڑپ کی غماز بھی ہیں، اور خاص کر دوسرے شعر کا آخری مصرعہ تو بہت سے معانی کو سمیٹتا ہوا دل کے تاروں کو

جنبش دے گیا۔

ادبی چاشنی، زبان کی حلاوت اور انداز بیان کی دل ربائی کو ان اشعار میں دیکھیے؛

وہ تبسم لبوں پر سراپا بہار
وہ تکلم کہ جیسے گلوں کا نکھار
کھل گئی جو کبھی زلف بھی ایک بار
ہوگئی پھر ہوا اور فضا مشکبار

ایک پر خلوص اور دردمند شاعر دراصل نغمات فطرت کا ترجمان اور کائنات عالم کا ترجمان ہوتا ہے اور عشق رسول میں اس قدر ڈوبا ہوا ہوتا ہے کہ اسے عام لوگوں کی تحسین و آفرین کی بالکل پرواہ نہیں ہوتی، لیکن اس کے کلام کی تاثیر اور کشش خود ہی ارباب نظر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے، اور بسا اوقات پتھر سی آنکھیں بھی اس کلام کی تاثیر سے پانی بن کر بہہ پڑتی ہیں، اور بے ساختہ سننے والوں کے لبوں پر درود و سلام کی جھڑی لگ جاتی ہے، بس کچھ اسی طرح کی دلآویزی و اثر آفرینی اور کشش و جاذبیت مولانا کی نعتیہ شاعری میں ہے، اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی ساری زندگی سادگی اور خلوص کا پیکر تھی، ان کو عرفان ذات بھی ودیعت ہوا تھا اور عرفان حق بھی، یہ شعر کچھ اسی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

ایک میں ہوں سراپا گناہ و خطا
کاش مجھ کو بھی حاصل ہو خاک شفا

کامیاب نعت گوئی کا تعلق شاعر کے ماحول و مزاج اور افتاد طبیعت سے بھی ہے، شاعر کا مذہبی پس منظر، قدرتی طور پر محبت رسول کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ کرتا ہے، بخوبی قسمت کہ

مولانا کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جس نے ابتداء ہی سے دین حنیف کی ہر ممکن پاسداری کی اور اس راہ میں کسی بھی طرح کی کوئی قربانی پیش کرنے میں کسی قسم کی تساہلی نہیں برتی، شروع سے ہی یہ خاندان عشق رسول میں ڈوبا رہا ہے اور اسی پاکیزہ محبت کا اظہار مولانا کے نعتیہ کلام میں بخوبی ہوتا جیسے کہ یہ شعر۔

میرے لب پر یہی رات و دن صبح و شام
اس پہ لاکھوں درود اس پہ لاکھوں سلام

مولانا نے اپنی نعتیہ شاعری میں جہاں آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ، احسانات اور آپ کے پسندیدہ اشخاص کا تذکرہ کیا ہے وہیں ان فضاؤں کو بھی سلام کہا ہے جن میں ممدوح کے سانوں کی مہک بسی ہوتی ہے، اور ریت کے ان ذروں کو بھی اپنی بھیگی ہوئی پلکوں سے چومنا چاہا جنہیں حضور اکرم ﷺ کی خرام ناز کی وجہ سے ریشم کا لوچ عطا ہو چکا ہے، ذرا دیکھئے مولانا نے آپ کی سرزمین سے اپنی محبت وقلبی لگاؤ کا اظہار کس طرح کیا ہے۔

وہ دیار نبی رشک ارض و سماں
پاک جس کی زمیں پاک جس کی فضا
جس کا شیریں ہے پانی معطر ہوا
خاک کو جس کی کہتے ہیں خاک شفا

نبی کریم کی ذات اخلاق کا سرچشمہ، محبت کا منبع، صدق وصفا کا معدن اور رحمت الٰہی کا پیکر تھی، جب شاعر ایسے موضوع پر قلم اٹھاتا ہے تو ظاہر ہے موضوع کی عظمت ہی اس کے کلام کو تقدس کا درجہ دے دیتی ہے، اور جب شاعر اپنے فن کمال کی چوٹی پر پہنچ چکا ہو اور اپنے تاثرات کے اظہار میں لطافت کا دریا بہاتا ہو تو

اس کی شاعری قدرت کی فیاضی کا عکس بن جاتی ہے، ایسی حسن ازلی کی ایک جھلک معلوم ہونے لگتی ہے اور اس میں ایسی قلندرانہ شان ہوتی ہے جو ایک وجدانی کیفیت پیدا کردیتی ہے اور روحانی مسرت کا باعث بن جاتی ہے، یہی خصوصیات مولانا محمد ثانی حسنی ندوی کی نعتیہ شاعری کے اہم اجزاء ہیں''۔(۱)

ترانے

جہاں تک ترانوں کا تعلق ہے اس میں ان کا سب سے شاہکار ترانہ ندوہ ہے جب وہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں اندرون ملک و بیرون ملک کے چیدہ چنیدہ مجمع کے سامنے پڑھا، ایک سماں بندھ گیا، یہ ترانہ ندوۃ العلماء کی طرف سے مولانا اسحاق جلیس ندوی مرحوم کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا، مولانا اسحاق جلیس ندوی جنہوں نے اس ترانہ کی دھن تیار کی وہ لکھتے ہیں:

''کسی تحریک وادارہ کا اپنا ترانہ ان کے مقاصد کے فروغ وبقا اور ان کے احساسات کے نشوونما میں اہم عامل ثابت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ دیرینہ آرزو مولانا محمد ثانی حسنی ندوی کے دلکش اور پراثر اشعار میں ترانہ ندوہ کے نام سے ڈھل گئی۔''(۲)

یہ ترانہ سب سے پہلے ۱۰/ جون ۱۹۷۳ء کو ''تعمیر حیات'' لکھنؤ نے شائع کیا، اور لوگوں کے اصرار پر دوبارہ ۲۵/ ستمبر ۱۹۷۳ء کو اور پھر ۲۵/ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو اس موقع پر شائع کیا گیا جب ندوۃ العلماء نے آخر اکتوبر اور شروع نومبر کی تاریخوں میں عالمی تعلیمی کانفرنس بلائی تھی اور اپنے پچاسی سالہ جشن تعلیمی کا انعقاد کیا تھا، اس میں جب یہ ترانہ پڑھا گیا تو ایک سماں بندھ گیا، مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کانفرنس کی روداد ''روداد چمن'' میں رقم طراز ہیں؛

''جن طلباء نے اس تاریخی موقع پر یہ ترانہ کامیابی کے ساتھ پیش

---

(۱) الاصلاح خصوصی اشاعت ۲۰۰۳ء دارالعلوم ندوۃ العلماء (۲) از مقدمہ ترانہ ندوہ

کیا ایک سماں باندھ دیا، یہ ترانہ اپنی روانی، الفاظ کی بندش وچستی اور پرمغز، بامقصد اور ولولہ انگیز ہونے کی وجہ سے نہ صرف دار العلوم ندوۃ العلماء بلکہ دور دور مقبول ہے، (اور) اس سے ندوہ کی روح، ندوہ کے امتیاز اور ندوہ کے مقاصد اور کارناموں کی اچھی اور سچی ترجمانی ہوتی ہے۔"(۱)

ترانہ کا اصل بند ہے:

ہم نازش ملک و ملت ہیں ہم سے ہے درخشاں صبح وطن
ہم تابش دیں، ہم نور یقیں، ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

اس کے دو شعر اور ملاحظہ ہوں:

ہم مست نگاہ ساقی ہیں، ہم بادہ کش صہبائے حرم
ہم نغمۂ اہل قلب و زباں، ہم ذہن رسائے اہل قلم
ہم عزم جواں، ہر لحہ دواں، رکھتے ہیں ہمیشہ آگے قدم
ہم آب گہر، ہم نور سحر، ہم باد بہاری ابر کرم

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ترانے کے اصل بند کا سہرا صاحب ترانہ نے مولانا سید محمد الحسنی کے سر باندھا اور لکھا ہے کہ

"ایک دن کی بات ہے کہ گھر کے نچلے حصہ میں جو ٹھنڈا کمرہ ہے، اس میں ہم دونوں دوپہر کا کھانا کھا کر بیٹھے تھے کہ وہ پوچھنے لگے: منجھلے بھیا! ترانہ شروع کیا کہ نہیں؟ راقم سطور نے کہا ترانہ کہنا آسان ہے کہ ایک دن میں کہہ ڈالا جائے؟ وہ بولے: اچھا جو شعر کہے ہیں سنائیے! کچھ شعر سنائے گئے، وہ ان کو سن کر بہت محظوظ ہوئے اور ان کے طرز، الفاظ اور بحر کو بہت پسند کیا۔

تھوڑی دیر بعد خود ایک مصرعہ کہہ کر بولے: منجھلے بھیا! اگر اس مصرعہ کو

---

(۱) روداد چمن: ۱۱۴

آپ ہر بند کے آخر میں رکھ دیں تو کوئی حرج ہے؟ اور پھر انہوں نے اس مصرعہ کو پڑھا؛

ہم نازش ملک و ملت ہیں
ہم سے ہے درخشاں صبح وطن

راقم سطور نے اس جاندار اور پر شوکت مصرعہ کو سن کران کے شعر وسخن کے ذوق اور شعر گوئی کی صلاحیت کی داد دی اور کہا کہ محمد میاں! تم شاعروں میں سے نہیں ہو مگر کیا خوب مصرعہ تم نے کہا۔

کچھ دیر بعد راقم سطور کے ذہن میں دوسرا مصرعہ آگیا جو باہمی مشورہ سے تھوڑی بہت تبدیلی کے بعد حسب ذیل انتخاب کیا گیا وہ مصرعہ یہ ہے:

ہم تابش دیں، ہم نور یقیں
ہم حسن عمل، ہم خلق حسن

اس دوسرے مصرعہ کے کہنے کے بعد دونوں نے یہ طے کرلیا کہ اس شعر کو جو دو ذہنوں اور زبانوں کا اختراع ہے ہر بند کے آخر میں رکھ دیا جائے۔

اور پھر اس ترانہ کے کہنے والے نے بلا تکلف ترانہ کے مختلف بندوں میں بعض الفاظ کے الٹ پھیر اور تبدیلی اور مصرعہ اور بند کو جاندار بنانے کے لیے اپنے چھوٹے لیکن سخن فہم اور ذوق علم و ادب سے مالا مال بھائی کے قیمتی مشوروں کو اپنے لیے سرمایہ صد افتخار سمجھا اور کئی تبدیلیاں ان کے مشورہ سے عمل میں آئیں۔" (۱)

ترانے کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ

"ایک زمانہ میں عزیزان مولوی اسحاق جلیس ندوی مدیر تعمیر حیات اور عزیز القدر محمد میاں مرحوم نے مشورہ کیا کہ ندوہ کا کوئی

---

(۱) سوانح مولانا سید محمد الحسنی: ۲۳۶-۲۳۷

ترانہ ہونا چاہیے، جو اس کی تقریبات اور جلسوں میں پڑھا جائے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ترانے کے بعد جو مجاز ردولوی کا کہا ہوا ہے، مشکل سے توقع کی جاسکتی تھی کہ کوئی برجستہ اور پر اثر ترانہ کسی عربی مدرسہ کا کہا جاسکتا ہے، مرحوم نے ترانہ نظم کیا اور ایسا نظم کیا کہ اس کے بعد اس کی تقلید کی بہت کوشش کی گئی، لیکن میرے علم کی حد تک کسی ادارہ یا مدرسہ کا ترانہ ابھی تک ایسا برجستہ اور پراثر نہیں سنا گیا۔" (۱)

یہ بات ملحوظ رہے کہ ترانہ ندوہ کے جو بند پیش کیے گئے اور شائع ہوئے ان کے علاوہ بھی تھے، جیسا کہ پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں ترانہ پیش کرنے والوں کا بیان ہے، مولانا میراں محتشم بھٹکلی، قاری محمد شبیر ندوی حال مقیم جدہ، مولانا شکیل اعظمی ندوی صاحب حال مقیم بحرین کے علاوہ مولانا عبدالعزیز خلیفہ بھٹکلی ندوی نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء بھی یہ بات کہتے ہیں۔

ترانے آپ نے پھر مختلف مدارس، اسکول، دینی مکاتب، جماعتوں، تحریکات وغیرہ کے لیے بھی لکھے جو "ترانے اور نظمیں" کے نام سے ایک رسالہ کے طور پر شائع ہوئے ہیں، اور مدرسہ فلاح المسلمین جس کے وہ ناظم تھے اس کے کئی ترانے کہے، وہ الگ سے بھی شائع ہوئے ہیں۔

شاہنامہ

ایک اہم صنف شاعری کی شاہنامہ بھی ہے، شاہنامہ بالاکوٹ آپ نے کہا جو مشہد بالاکوٹ کی وہ تصویر کھینچتا ہے کہ جیسے سننے اور پڑھنے والے کے سامنے وہ منظر سامنے ہے، سید احمد شہید اکیڈمی دار عرفات رائے بریلی نے الگ سے بھی اسے شائع کیا۔

---

(۱) پرانے چراغ: ۳/ ۳۵۷

گیارہواں باب

دینی تعلیمی سرگرمیاں

دینی تعلیمی تحریک میں حصہ اور کردار

مولانا محمد ثانی حسنی دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مظاہر علوم سہارنپور سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم وتدریس کے مشغلہ سے وابستہ نہ ہو سکے، دعوت وتبلیغ کی راہ سے دین کی خدمت کو اختیار کیا، اور پھر صحافتی ذمہ داریاں ان کے کاندھوں پر آپڑیں اور دسمبر ۱۹۵۶ء میں ماہنامہ رضوان کا اجرا ہوا جس کے وہ بانی ومدیر اور ان کی خالہ صاحبہ امۃ اللہ تسنیمؒ معاون مدیر قرار پائیں۔ ۱۹۵۹ء میں دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا، جس کا محرک وباعث بچوں کو دی جانے والی دیومالائی تعلیم تھی جو اسکولوں اور کالجوں میں دی جارہی تھی اور اردو کو ختم کئے جانے کا منصوبہ تھا جبکہ دینی کتب کا ذخیرہ اردو زبان میں تھا، اس لیے اس کی ضرورت پڑی کہ مکتب کی تعلیم دینے میں اقلیت خودمختار رہے کہ وہ جس زبان میں مناسب سمجھے اس کی تعلیم اپنے بچوں کو اپنے انتظام اور اہتمام سے دلائے یہ ایک دستوری حق بھی ہے اور یہ بچے مکتب کی تعلیم کے بعد پھر حکومتی اداروں میں تعلیم حاصل کرسکتے ہیں، تاکہ ان کا دنیوی مستقبل تاریک نہ ہو، دینی تعلیمی کونسل کی تحریک بستی سے شروع ہوئی، قاضی عدیل عباسی مرحوم کا اصلاحیہ فکرہ تھا جو بستی کے رہنے والے تھے، اس تحریک کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ہوئے، مولانا کے ساتھ ان کے رفقاء کار اصلاح ودعوت وتعلیم اور افراد خاندان، احباب ومتعلقین بھی اس کے لیے

کمربستہ ہوئے، چنانچہ مولانا محمد ثانی حسنی بھی ان لوگوں میں تھے جنہوں نے اس تحریک کو طاقت پہنچانے اور فروغ دینے میں حصہ لیا اور ان کی خدمات کی قدر کرتے ہوئے ان کو رائے بریلی میں انجمن تعلیمات دین کا صدر بنایا گیا، ان کی صدارت میں انجمن تعلیمات دین بڑی متحرک رہی اور ضلع رائے بریلی میں مکاتب کا جال بچھ گیا، جن میں بہت سے مکاتب اب مدرسہ کی شکل اختیار کر چکے ہیں، وہ خود دورے کرتے اور ملاقاتیں کرتے، اس میں وہ راستے کی مشکلات اور سواری کی عدم موجودگی کو حائل نہ ہونے دیتے، انجمن تعلیمات دین کے زیر اہتمام وہ پروگرام کراتے اور ان مدرسوں کے بھی پروگرام کراتے جن کا الحاق انجمن تعلیمات دین سے ہوتا، تقریر کرتے جس میں وہ بڑے درد وسوز کے ساتھ بچوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت اور نئی نسل کی تربیت اور دینی تعلیم کی فکر کی طرف توجہ دلاتے، اس طرح وہ آخر وقت تک دینی تعلیمی کونسل کی تحریک اور اس کی ضلعی فرع انجمن تعلیمات دین سے ذمہ دارانہ طور پر جڑے رہے اور اس جہاد میں حصہ لیا، جو نئی نسل کو ارتداد سے بچانے اور الحاد سے نکالنے کا تھا۔ اور انجمن کے مکاتب کے لیے ترانہ بھی نظم کیا جس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

ہم ہیں خدا کے ہم ہیں مسلمان
حق کے پیامی حق کے حدی خواں
ہاتھوں میں تھامے ہیں شمع ایماں
رکھیں گے ہر دم اس کو فروزاں
یہ ذکر کتنا ہے روح پرور
اللہ اکبر، اللہ اکبر

انجمن تعلیمات دین

جہاں تک انجمن تعلیمات دین کا تعلق ہے اس میں مولانا محمد ثانی حسنی کی سرگرمیاں رائے بریلی کے باقاعدہ قیام کے بعد سے کھل کر سامنے آئیں، جب وہ

۱۹۷۴ء میں لکھنو سے باقاعدہ رائے بریلی منتقل ہوگئے اور یہاں کے امور ومشاغل میں مصروف ہوتے گئے۔ جناب محمد شرافت خاں صاحب ڈاکٹر حبیب صاحب، حاجی نثار صاحب اور بعض دوسرے حضرات انجمن کے کاموں سے دلچسپی رکھتے، جناب محمد شرافت خاں صاحب آرگنائزر تھے اور قائم مقام جنرل سکریٹری کا کام کرتے، ان کے نام مولانا کا ایک مکتوب درج کیا جاتا ہے جس سے ان کی اس سلسلہ میں فکر واہتمام کا پتہ چلتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> جناب قائم مقام جنرل سکریٹری صاحب انجمن تعلیمات دین ضلع رائے بریلی دسمبر کے آخر یا جنوری کے شروع میں رائے بریلی میں انجمن کی کانفرنس منعقد کرنے کا ارادہ ہے اس سلسلہ میں بروز سنیچر انجمن کے ممبران کی میٹنگ کرنی ہے، براہ کرم جملہ ممبران کو ایک اطلاع نامہ بوضاحت مذکورہ اور تاریخ ومقام کے تعیین کے ساتھ ارسال کردیجئے اور مجھ کو اطلاع کیجئے کہ کس وقت اور کہاں یہ میٹنگ ہوگی۔

محمد ثانی حسنی
صدر انجمن
۳/ دسمبر ۱۹۸۱ء

رائے بریلی میں دینی مدرسہ کی قیام کی ضرورت

ضرورت اس بات کی تھی کہ مرکزی درسگاہ بھی رائے بریلی میں قائم ہو وہ رائے بریلی جو تیرہویں صدی ہجری کا سب سے بڑا دینی ودعوتی مرکز رہا، اور ایک عظیم الشان تربیت گاہ رہا، جب ہندوستان کی مرجع خلائق خانقاہوں کے ذمہ دار اور اصحاب حلقہ ہائے دروس قرآن وحدیث علماء ودائی اور صنف صنف کے لوگ سمٹ کر رائے بریلی کے ایک گوشہ ساحل دریائے سئی تکیہ کلاں رائے بریلی میں آکر مقیم ہوگئے

تھے اور امیر المومنین حضرت سید احمد شہید کے نوک پلک چشم و آبرو اور الفاظ کے اشاروں و کنایوں کو دیکھتے اور اس کے مطابق قدم بڑھاتے، یہاں تک کہ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر حضرت سید صاحب نے ذکر و شغل اور اوراد و وظائف میں کمی کرا کر محنت و مشقت کے وہ کام لینے شروع کر دیے تھے جو جسم کو توانا بناتے ہیں اور مقابلہ و مواجہہ کی طاقت پیدا کرتے ہیں، پھر یہیں نکاح بیوگان کی تحریک شروع ہوئی، جس میں حضرت سید صاحب نے خود پیش قدمی کی اور پھر مولانا عبدالحی بڈھانوی اور مولانا شاہ اسماعیل شہید نے پیش قدمی کی اور یہ تحریک تکیہ رائے بریلی سے بڑھ کر دوآبہ دہلی اور اس کے اطراف سہارنپور و مظفر نگر کے نواح میں پہنچ گئی اور پھر اس کا غلغلہ پورے ملک میں بلند ہوا، اسی طرح حج جیسے رکن اسلام کا احیاء ہوا اور اس جگہ سے حضرت سید احمد شہید چار افراد کے ساتھ عازم سفر حج ہوئے جو کلکتہ پہنچ کر ۷۵۸ ہو گئے اور بے سر و سامانی کی حالت میں یہ قافلہ رواں دواں ہوا اور سید صاحب بعافیت ہندوستان واپس ہوئے تو لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ حج کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ورنہ حج کو لوگ ترک کیے بیٹھے تھے، پھر ہجرت کا عمل اس سرزمین سے شروع کیا اور یہ سنت بھی زندہ کی جو عرصہ سے ترک تھی، پھر سرحدی علاقہ میں مرکز بنا کر اسلام کو فروغ دینے کا جذبہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر اور مسلمانوں کو ذلت و ادبار کی زندگی سے اٹھا کر اقبال و عزت کی زندگی گذارنے کا حوصلہ دلانے کے لیے جہاد کا عمل پوری تیاری کے ساتھ تزکیہ و تربیت اور تعلیم کے مرحلہ سے رفقاء کو گذار کر شروع کیا، بالآخر ایک جماعت جس میں خود امیر المومنین حضرت سید احمد شہید بھی تھے اور ان کے رفیق جاں نثار حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید بھی تھے جامِ شہادت میدان بالاکوٹ میں نوش کیا: "فَمِنۡهُم مَّن قَضَىٰ نَحۡبَهُۥ وَمِنۡهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبۡدِيلاً"

چنانچہ ایک جماعت تیار تھی اس نے یہ سلسلہ یہیں رکنے نہیں دیا اور قربانیوں کا سلسلہ جاری رہا، دہلی کی جماعت کی قیادت مولانا نصیر الدین دہلوی پر پڑی اور عظیم آباد

پٹنہ کی قیادت مولانا ولایت علی صادقپوری کے کاندھوں پر، پھر شاملی کے میدان میں معرکہ ہوا، لیکن انگریزوں کو اقتدار نصیب ہوا اور ان کو اقتدار سے باہر کرنے کی کوشش ہوتی رہی، مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا محمد علی جوہراور پھر مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد اس سلسلہ کے آخری نام ہیں اور ملک آزاد ہوا انگریزی اقتدار سے اور مسلم اکثریت کے ملک پاکستان، بنگلہ دیش الگ الگ وجود میں آئے۔ مسلمانان ہند نے تعلیم کے راستہ کو اختیار کر کے نسل نو کی تربیت اور ان کے ایمان ودین کی حفاظت کا طریقہ اختیار کیا، ابتدائی پانچ سالہ تعلیمی منصوبہ تمام مسلمان بچوں کے لیے اور دینی علم میں ترقی چاہنے والوں کے لیے دینی مدارس کے قیام کا طریقہ اختیار کیا، بڑے مرکزی ودینی مدارس وجامعات کے علاوہ جگہ جگہ دینی مدارس کے قیام کی تحریک علماء نے چلائی۔

مدرسہ فلاح المسلمین

برابر یہ بات سامنے آتی کہ رائے بریلی میں مدرسہ قائم ہو، رائے بریلی سے ۲۳ر کلومیٹر کے فاصلے پر تیندوا میں جو نصیر آباد وجائس سے قریب ہے، فلاح المسلمین کے نام سے مدرسہ قائم ہو جس کے سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تھے اور ان کی زیر سرپرستی حضرت مولانا محمد ثانی حسنی نے بار نظامت اٹھایا، مولانا عبدالباری ندوی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تازہ تازہ فارغ ہوکر نکلے تھے مدرسہ بھیجے گئے اور کچھ ماہ کے بعد مولانا محمد شفیع صاحب مظاہری کا تقرر ہوا اور ان دونوں نے اس کی خدمت کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی، ایک مرتبہ مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے مولانا عبدالباریؒ سے فرمایا کہ اب تم کو کہیں نہیں جانا ہے تمہاری قبر یہیں بنی ہے انہوں نے سچ کرکے دکھایا، مولانا عبدالباری ندوی مولانا محمد ثانی حسنی کے دست راست ثابت ہوئے ان سے اور محترمی جناب محمد شرافت خاں صاحب سے جو انجمن تعلیمات دین کے آرگنائزر اور مولانا محمد ثانی کے بڑے معاون تھے، مولانا نے کہا تھا کہ تم دونوں میرے دائیں اور بائیں ہاتھ ہو، عبدالباری دایاں ہاتھ اور شرافت بایاں

ہاتھ، مولانا عبدالباری ندوی گونڈوی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ تھے، جناب محمد شرافت خاں کو یہ موقعہ نہ مل سکا، مولانا محمد ثانی حسنی نے علم میں اس تفوق کا بھی لحاظ رکھا یہ اسی طرح ہے کہ جب مولانا محمد الیاس صاحب نے مولانا محمد یوسف کو خلافت دی تو ان کے ساتھ اور بھی لوگوں کو دی، لیکن مولانا محمد یوسف کے ساتھ کچھ خصوصی معاملہ فرمایا اور کہا کہ یہ علم کی وجہ سے کیا۔

مولانا عبدالباری ندوی نے مدرسہ فلاح المسلمین کے لیے جو خدمات پیش کیں، اس میں وہ جناب محمد شرافت خاں صاحب سے بھی تعاون لیتے، جب مولانا محمد ثانی حسنی علاقہ اور مدرسہ کے قرب وجوار کے دورے کرتے تو یہ دونوں ان کے دائیں بائیں رہ کر ان دوروں کو کامیاب بناتے،، جناب محمد شرافت خاں صاحب کہتے ہیں کہ پورے ضلع کے دورے کیے، مولانا عبدالباری کی خدمات اور مولانا محمد ثانی حسنی کے ساتھ بے لوث تعاون کو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے کاروان زندگی میں مولانا عبدالباری کے سانحہ ارتحال پر اپنے تاثرات میں اس طرح ظاہر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''مولوی حافظ عبدالباری مرحوم ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے انہوں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم مکمل کر کے رائے بریلی کے علاقہ نصیر آباد جو میرے آباء واجداد کا وطن رہ چکا ہے کے قریب مدرسہ فلاح المسلمین جو دارالعلوم کی ممتاز شاخوں میں سے ایک ہے کو دینی خدمت ومحنت کا میدان اس وقت سے بنایا جب اس نے مکتب شکل بھی اختیار نہیں کی تھی، خواہر زادہ عزیز محمد ثانی حسنی مرحوم کی نظامت میں اس کے اہتمام کو سنبھالا اور اپنے کو اسی کام کے لیے وقف کر دیا اور پوری توجہ اور دلچسپی سے مدرسہ کو ترقی دینے میں لگے رہے، اور قرب وجوار میں دینی تعلیم کو عام کرنے اور عقائد واعمال کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے، انہوں نے

مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم ناظمِ اول مدرسہ فلاح المسلمین اور پھر ان کے بھائی مولوی محمد واضح سلمہ (حال ناظم مدرسہ) کو پورا تعاون دیا اور مدرسہ کی خدمت کرتے ہوئے ان کا وقت موعود آ گیا اور مدرسہ ہی کے جوار میں ان کی تدفین عمل میں آئی، معلوم ہوا کہ ان کے جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، اس طرح یہ مدرسہ بلکہ پورا علاقہ ایک مخلص خدمتگار سے محروم ہو گیا (غفر اللہ لہ ورفع درجاتہ)''۔(۱)

مدرسہ فلاح المسلمین سے مولانا محمد ثانی حسنی کا تعلق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ ان کے لیے مثل اولاد کے ہو گیا تھا اور وہ اس ادارہ کو اسی طرح چاہتے اور فدا ہوتے اور ایسا معاملہ کرتے جو اولاد کے ساتھ کیا جاتا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اس ادارہ کو ان کی یادگار اور ان کا کارنامہ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''ان کی زندگی کا آخری کارنامہ اور یادگار موضع تیندوا (حال امین نگر) جو ہم لوگوں کے قدیم آبائی وطن نصیر آباد کے جوار میں ہے اور ہمارے خاندانی بزرگوں اور حضرت سید احمد شہید کے سلسلہ کے مشائخ اور مصلحین بالخصوص یادگار سلف حضرت مولانا سید محمد امین نصیر آبادی کی کوششوں کے اثرات وہاں تک موجود ہیں، لیکن ان میں انحطاط کے آثار شروع ہو چکے ہیں، مدرسہ فلاح المسلمین کا قیام ہے جو ۲ر ستمبر ۱۹۶۶ء کو عمل میں آیا جس کا ندوۃ العلماء سے الحاق ہے وہ اس کے بانی اور ناظم اول تھے ان کا اس سے شغف اور تعلق روز بروز بڑھتا جارہا تھا یہاں تک کہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو اس سے اولاد سا تعلق پیدا ہو گیا تھا وہ دن ورات اس کی ترقی و توسیع کی فکر میں رہتے تھے اور غالباً سوتے

(۱) کاروان زندگی حصہ ہفتم

میں اس کے خواب بھی دیکھتے ہونگے، عمارتوں کی تکمیل، طلباء کی
اخلاقی تربیت، اساتذہ کے تعلقات کی استوری، قرب وجوار
میں تبلیغ واصلاح کی کوششیں ہر وقت ان کے مدنظر رہتی تھیں،
اس کے سالانہ جلسے بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے اور اس
میں ندوہ کے اساتذہ اور باہر کے علماء کو بھی بلاتے تھے، ان کی
زندگی میں اس کی مسجد کی بھی تکمیل ہوگئی اور متعدد پختہ عمارتیں بھی
بن گئیں، لیکن وہ ایک دارالعلوم اور مرکز دعوت وارشاد بنانے کا
خواب دیکھ رہے تھے کہ وہ اس خواب زندگی سے بیدار ہوکر اپنے
خالق کے حضور پہنچ گئے۔

الناس نیام فاذاماتو انتبھوا.

الحمدللہ اب بھی اس کی ترقی وتوسیع کا کام جاری ہے اور ان کے
برادر اصغر مولوی سید محمد واضح رشید حسنی ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ
العلماء ومدیر ''الرائد'' کی نظامت اور مولوی عبدالباری ندوی
کے اہتمام اور مولانا معین اللہ ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی
فکر ودلچسپی وسرپرستی سے ترقی کر رہا ہے "اللھم زدفزد". (۱)

جیسا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے لکھا ہے کہ ''وہ باہر کے علاوہ ندوہ کے اساتذہ کو بھی بلانے کا اہتمام کرتے'' یہ چیزیں صرف سالانہ جلسوں تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے لیے وہ موقع نکالتے رہتے اور طلباء میں نکھار لانے اور عربی کی اعلی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے وہ اس کے ماہرین کو بھی دعوت دیتے، چنانچہ ''النادی العربی'' کے طلباء کے پروگرام میں رہنمائی کے لیے مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی سابق صدر شعبہ عربی زبان وادب وحال مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

(۱) پرانے چراغ: حصہ سوم، تذکرہ مولانا محمد ثانی حسنیؒ

کودعوت دیتے، جس کومولانا نے اپنے ایک مضمون میں اس طرح بیان کیا ہے:

''مولانا محمد ثانی حسنی کے فلاح المسلمین سے ذمہ دارانہ تعلق کے باعث اس ادارہ کو اپنے وقت کے اکابر مشائخ وعلماء کی توجہات اور دعائیں بھی خوب حاصل ہوئیں، جن میں سے اپنے حلقہ کے دو عالی مرتبت شیخ کا نام لینا کافی ہے ایک برکۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ دوسرے بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپگڑھیؒ، وہ اپنی وفات سے کچھ وقت پہلے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں الہ آباد میں حاضر ہوئے اور مدرسہ کے بعض اساتذہ کو ساتھ لے گئے تھے، تاکہ مدرسہ کا تعلق عشق ومعرفت اور دردومحبت سے کمزور نہ ہو۔

فروری ۱۹۸۱ء میں جب مولانا محمد ثانی حسنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ساتھ حجاز مقدس کے ایک سفر پر گئے، تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کے مدینہ میں قیام کی وجہ سے مدینہ کا قیام زیادہ رکھا، ایک مجلس میں حضرت شیخ نے مولانا محمد ثانی حسنی سے ان کے حالات ومعمولات دریافت کئے، اس پر انہوں نے اپنے متعلق ایک تعلیمی ادارے کا ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے عرض کیا میرے ذمہ ایک مدرسہ بھی ہے فرمایا اس کا نام کیا ہے، میں نے عرض کیا مدرسہ فلاح المسلمین، فرمایا اس میں کیا پڑھایا جاتا ہے عرض کیا دارالعلوم ندوۃ العلماء کا نصاب، فرمایا بہت عمدہ بات ہے، پھر فرمایا اس کے طلباء کہاں جاتے ہیں، عرض کیا پہلے ندوہ جاتے ہیں اور کئی طلباء ندوہ سے فارغ ہوکر عرب ملکوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، فرمایا ایک بات کالحاظ رکھنا تمھارے یہاں کے طلباء جماعت اسلامی کے خیالات سے متاثر

نہ ہوں، مجھ کو مودودی صاحب سے کوئی کد نہیں، صرف غلط خیالات سے نفرت ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ حضرت شہر رائے بریلی میں تبلیغی کام اچھا ہو رہا ہے، لوگ باہر جاتے ہیں اور برابر اجتماع ہوتے ہیں، فرمایا علی میاں شرکت کرتے ہیں میں نے عرض کیا وہ اپنی مشغولیتوں کی بنا پر برابر شرکت نہیں کر سکتے، میں اکثر جاتا ہوں، فرمایا تمھاری شرکت ان کی شرکت ہے"۔(۱)

ایک فلاحی استاذ کا تاثر

مولانا محمد عظیم خاں ندوی سابق استاد مدرسہ فلاح المسلمین وحال استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا تاثر ملاحظہ ہو، وہ اپنے مضمون میں جو ماہنامہ رضوان لکھنؤ کے مولانا محمد ثانی حسنی نمبر مرتبہ مولانا سید محمد حمزہ حسنی میں شامل ہے لکھتے ہیں:

"مدرسہ فلاح المسلمین جس علاقہ میں واقع ہے یعنی فرصت گنج جائس اور نصیر آباد کے نواح واطراف، یہ مسلم اکثریت کا علاقہ ہے یہاں مسلمان گوجر برادری غالب تعداد میں ہے، ان کی آبادیاں اور بستیاں دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں، یہ علاقہ تقریبا تین صدیوں سے نصیر آباد کے خاندان سادات کے علماء وصلحاء کی اصلاحی وتبلیغی کوششوں کا میدان رہا ہے اس خاندان کے چشم وچراغ مولانا محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۵۰ھ نے اس علاقہ میں دین کا بڑا کام کیا یہاں انہوں نے باقاعدہ ایک شرعی حکومت قائم کر لی تھی ان کے نہ رہنے کے بعد نصیر آباد میں اب کوئی ایسی شخصیت نہیں رہی جو مولانا سید محمد امینؒ صاحب کے اصلاحی وتجدیدی کام کو باقی رکھتی اور ان کی روشن کی ہوئی شمع کو قائم

---

(۱) ماخوذ از روزنامچہ سفر حجاز ۱۹۸۱ء

رکھتی، بتدریج یہاں مسلمانوں کی دینی بیداری اور اس کا اسلامی شعور مضمحل ہونے لگا اور ہوتے ہوتے صفر کے برابر ہوگیا۔ مربی جلیل مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی کو جو اس خاندان سادات کے وارث ہیں اس علاقہ کی بڑی فکر تھی اللہ کی شان کہ اس علاقہ کے کچھ دردمند حضرات کو بھی اس کا احساس ہوا کہ اس علاقہ میں اگر تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ ہوا تو رہا سہا دینی احساس اور اسلامی شعور بھی ختم ہو جائے گا اور یہ حضرات اس درد و احساس کے ساتھ حضرت مولانا مدظلہ العالی خدمت میں پہنچے، حضرت مولانا نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور ایک دینی درس گاہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی۔ دو دسمبر ۱۹٦٦ء کو مولوی حافظ عبدالباری ندوی کو تعلیم و تدریس کے لیے بھیجا جو اس مدرسہ کی گویا پہلی اینٹ تھے، چار سال گذرنے کے بعد ۱۹۷۰ء میں مولانا محمد ثانی حسنیؒ کو اس مدرسہ کا ناظم (اعزازی) بنایا گیا۔ مولانا مرحوم کو پہلے ہی سے اس علاقہ سے بڑا تعلق تھا، یہاں مختلف گاؤں میں تبلیغی دورے کر چکے تھے، بالکل وطن جیسا معاملہ تھا، سفر کی مشقتیں، سواریوں کی قلت، چار چار میل پیدل سفر کرنے کی زحمت، گاؤں دیہات میں قیام کی دقت سب کچھ برداشت کرتے اور ہشاش بشاش رہتے، مدرسہ کی نظامت سے جیسے ان کو اس علاقہ میں تبلیغ وارشاد کے کام کا ایک بہانہ مل گیا، یہاں سے ان کا ربط و تعلق بڑھا، یہاں مسلمانوں میں دینی بیداری لانے کی فکر اور اس کی دھن ان پر سوار ہوگئی، تھوڑے تھوڑے وقفہ سے مدرسہ تشریف لاتے،، علاقہ کے مسلمان ان کو اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتے ان

کا اعزاز و اکرام کرتے اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ یاب ہوتے اس علاقہ سے ان کو اس قدر دلی لگاؤ تھا کہ تین دن کی آخری علالت کے دوران بار بار یہاں کا تذکرہ کرتے، یہاں کے لوگوں کی ملاقاتیں یاد کرتے تھے۔

یہ مدرسہ فلاح المسلمین کی خوش قسمتی تھی کہ اسے مولانا مرحوم جیسی روحانی و ربانی شخصیت کی سرپرستی مل گئی، جو صف اول کے علماء و فضلاء میں تھے، ان کی نظامت میں آتے ہی اس مدرسہ کی قسمت کو چار چاند لگ گئے، سالوں کی مسافت مہینوں میں اور مہینوں کی مسافت دنوں میں طے ہونے لگی۔ ۱۵ر مئی ۱۹۷۲ء کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی، مولانا معین اللہ صاحب ندوی اور ناظم صاحب مرحوم نے ایک کثیر مجمع کے سامنے مسجد کی بنیاد رکھی تھی، چند کلمات خیر کہے اور چاروں کونوں پر ایک ایک پھاوڑے لگائے۔ جب سے آج چودہ سال کی قلیل مدت ہو رہی ہے اس غیر آباد اور بنجر زمین پر ہر طرف مستحکم اور خوشنما عمارتیں موجود ہیں، ایک طرف عالی شان مسجد ہے تو دوسری طرف دارالاقامۃ اور قاعۃ الفلاح بیادگار حضرت شیخ الحدیثؒ کی پرشکوہ عمارت اور مشرقی جانب اسٹاف کواٹرس، مہمان خانہ، ٹنکی اور حوض جبکہ مغربی حصہ میں ایک پرانا کچا و بوسیدہ مکان اس کی ابتدائی سرگذشت اور ماضی کی تاریخ اس کام میں بڑا وقت لگا دیا۔ وہ یہی فرماتے بہت جلد یہ کام ہوگیا، یہ انہیں کا ظرف تھا ورنہ کم ہی لوگ ان کے اوصاف کے ملتے ہیں یہ بالکل سچ ہے، حضرت شاہ علم اللہ کے حالات میں غربت و سادگی، اخلاص و للہیت و بے نفسی و بے

لوٹی کے جو واقعات جو ہم نے کتابوں میں پڑھے تھے اور اپنے
بڑوں سے سنے ہیں ان کی جھلک اور ان کا عکس مولانا کی زندگی
میں صاف نظر آیا، پورے خاندان میں تنہا وہی تھے جنھوں نے
سارے لوگوں کی ذمہ داریاں اوڑھ لی تھیں، حضرت عمرؓ کی طرح
پورے خاندان والوں کی ضروریات کا انتظام کرتے، کسی کا گھر
بنواتے تو کسی کی جائیداد کی نگرانی کرتے اور خود اپنی جائیداد کی
نگرانی ایک مستقل کام تھا اس کے ساتھ ساتھ رائے بریلی کی تمام
دینی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتے، آخیر زندگی تک انجمن
تعلیمات دین کے صدر رہے، مسلم رفاہی کمیٹی کا کام بھی آپ ہی
کی نگرانی وسرپرستی میں ہوا، جب کہ ندوۃ العلماء کی مجلس شوری کے
رکن تھے، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور کے معتمد تعلیم اور مدرسہ
فلاح المسلمین امین نگر کے ناظم تھے۔"(۱)

کتب خانہ

مولانا محمد عظیم خان ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، مدرسہ کے تعلق سے ان کی دوسری فکروں خاص طور پر کتب خانہ کے بارے میں ان کی فکر کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ابتدا ہی سے وہ مدرسہ میں ایک مبارک کتب خانہ کا قیام نہایت
ضروری سمجھتے تھے اور اس کی انہیں بڑی فکر تھی، لیکن مدرسہ کی مالی
کمزوری اور کارکنان کی کمی کے باعث وہ وقت کے منتظر تھے کہ
۱۹۷۸ء سے انہوں نے اسٹاف بڑھانا شروع کیا، ادھر تعمیرات
میں بھی وسعت ہونے لگی، ۱۹۸۰ء کو جب اساتذہ میں خاطر خواہ

(۱) رضوان مولانا محمد ثانی حسنی نمبر

اضافہ ہوا اور درجہ ثانویہ خامسہ کی تعلیم شروع ہوگئی تو محرم ۱۴۰۰ھ میں جب انہوں نے تنخواہیں گریڈ کے مطابق کردیں اور زائد کارکردگی کا الاؤنس مقرر کیا تو اس وقت انہوں نے میرے لیے کتب خانہ کی نگرانی کا الاؤنس بھی مقرر کردیا، جب کہ کتب خانہ کا عملی وجود ربیع الاول ۱۴۰۰ھ میں ہوا، مولانا خود لکھنؤ کے مختلف مکتبوں سے ایک کارٹون کتابیں لائے اور آغاز کیا، ہمارا کتب خانہ جو انہیں کے نام سے موسوم ہے، جس میں اس وقت دو ہزار سے زائد کتابیں فراہم ہوچکی ہیں اور ایک بڑا کمرہ اس کے لیے تنگ ہو رہا ہے یہ محض مولانا کی فکر و لگن اور محنت و کاوش کا ثمرہ ہے۔''

مدرسہ کا ترانہ

مدرسہ کے پیغام کو نظم کے ذریعہ دل و دماغ میں راسخ کرنے اور توحید کامل و دین حق کا علم بردار بننے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ان کی طرف سے مدرسہ کے لیے کہے گئے ترانوں کے بارے میں مولانا محمد عظیم خان ندوی رقم طراز ہیں:

''مولانا جہاں ہندوستان کے منفرد سوانح نگاروں و تذکرہ نویسوں اور اہل قلم صحافیوں میں تھے، حیات خلیل، سوانح مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، سوانح مولانا محمد ہارون صاحب کاندھلوی، زبان کی نیکیاں، اور خواتین کا ترجمان ماہنامہ ''رضوان'' ان کی شستہ و برجستہ تحریر کے گرانقدر نمونے ہیں، وہیں ایک صاحب ذوق شاعر اور سوز و ساز کے مالک تھے، ندوہ کا ترانہ، ان کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ ان کی تخلیق ہے، خود انہوں نے ہم لوگوں سے ایک لطیفہ بیان کیا کہ وہ جشن تعلیمی کے موقع پر پہلی

میٹنگ میں سامعین کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے ندوہ کا ترانہ سوز و لَے کے ساتھ پڑھا جارہا تھا، پاس ہی ایک صاحب جھوم رہے تھے اور کہنے والے کو داد دے رہے تھے، مولانا نے فرمایا کہ اگر ان سے میں یہ کہتا کہ کہنے والا سامنے ہے تو یقین نہ کرتے اور بگڑ جاتے، لیکن اللہ تعالی نے آپ کو شاعری کا اعلی ذوق دیا تھا۔ ان کی نظم ندوہ ایک تاریخی یادگار ہے۔''

کتنے مرد باخدا تھے کتنے دانا ہوشمند
درد سے معمور تھے دل اور فطرت ارجمند

طبیعت میں بے انتہا سادگی، نام ونمود اور شہرت سے سخت نفرت تھی اسی وجہ سے ان کا مستقل دیوان تیار نہ ہوسکا، خدا کرے کہ ان کی جستہ جستہ نظمیں اور اشعار دستیاب ہوجائیں اور کلیات کی شکل میں آجائیں، گلدستہ حمد وسلام ومناجات ہمارے ہاتھوں میں ہے، اسی طرح فلاح المسلمین کے ترانے، مدرسہ ضیاء العلوم کا ترانہ اور دینی تعلیمی کونسل کا ترانہ ان کے شعری ذوق اور سوز دل کے انمول موتی ہیں۔

دین حق کے ہوں علمبردار ہم
نام لیں اللہ کا ہر بار ہم (۱)

ایک عہد اور وصیت

مولانا محمد عظیم خان ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء) مولانا عبدالباری کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا:
عبدالباری میرا دایاں ہاتھ ہیں اور شرافت خاں بایاں ہاتھ ہیں، اور

(۱) مدرسہ فلاح المسلمین سے متعلق ترانوں کا مجموعہ مدرسہ کے سابق استاد مولانا کفیل احمد ندوی حال ناظر مدارس ملحقہ ندوۃ العلماء واستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ترتیب دیا جسے مدرسہ نے شائع کیا۔ (م)

بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کمزور نہیں ہوتا، فرمایا: عبد الباری! میں سرہانے خاموش کھڑا تھا، ڈاکٹروں نے ان کو بے چینی کا خیال کرتے ہوئے مجھے بار بار جانے سے روک دیا تھا، ان پر مدرسہ اور علاقہ کا خیال غالب آجاتا تھا، پھر بھی میں آس پاس ہی رہتا تھا، جب کئی بار آواز دی تو میں نے کہا: جی حاضر ہوں، فرمایا: ابھی تم نے چھوڑ دیا، میں نے کہا: نہیں حضرت! فرمایا: ادھر آؤ، میں آیا، کہا: ہاتھ لاؤ، میں نے ہاتھ دیا، آپ نے ہاتھ دے کر فرمایا: کہو! مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر نہیں چھوڑوں گا، میں نے کہا: جی! نہیں چھوڑوں گا، فرمایا: نہیں بلکہ عہد کرو کہ میں نہیں چھوڑوں گا، میں نے کہا: میں عہد کرتا ہوں مدرسہ نہیں چھوڑوں گا، فرمایا: مروگے بھی وہیں؟ میں نے کہا: مروں گا بھی وہیں، فرمایا: قبر بھی وہیں بنے گی؟ میں نے کہا: قبر بھی وہیں بنے گی، تب ہاتھ چھوڑا، ٹھنڈی سانس لی، اور الحمد للہ کہہ کر فرمایا: اب انشاء اللہ مدرسہ چلے گا، پھر فرمایا: سنو! عبد الباری مدرسہ کے دماغ ہیں اور محمد شفیع اس کے دل، دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، فرمایا: میں صرف دین کے لیے جینا چاہتا ہوں، اپنی بوڑھی والدہ کے لیے جینا چاہتا ہوں، شیخ کے لیے جینا چاہتا ہوں، اور امین نگر کے لیے جینا چاہتا ہوں، ہائے ہمارا امین نگر۔'' (۱)

مدرسہ کی آخری زیارت

مدرسہ کے آخری سفر اور وہاں سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع پرتاب گڑھ ایک عارف باللہ شیخ طریقت کی زیارت کے سفر کو مولانا محمد عظیم خان ندوی اس طرح بیان کرتے ہیں؛

---

(۱) رضوان نمبر: ۲۰۵

''۶ر جنوری ۱۹۸۲ء کو مولانا ایک بہت بڑا تعمیری خاکہ لیکر مدرسہ تشریف لائے، نہایت خوش وخرم، خوب ہشاش وبشاش، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس سے پہلے کبھی ہم نے آپ کو اتنا خوش دیکھا ہی نہیں تھا، بھائی شرافت خاں صاحب ناظر مدرسہ ضیاء العلوم اور انجینئر امتیاز احمد خاں صاحب ساتھ میں تھے، انجینئر صاحب کہتے ہیں:

''یہاں آنے سے چار پانچ دن پہلے مولانا صاحب نے ایک دن گیارہ بجے مجھے شہر سے بلوایا، موسم ابر آلود تھا، کچھ بونداباندی ہورہی تھی، حکم پاتے ہی میں دو بجے تک حاضر ہوا، دیکھتے ہی نہایت خوش ہوئے، فرمانے لگے کہ کئی دنوں سے راتوں کو مجھے نیند نہیں آتی ہے، طلباء کی رہائش کی تنگی اور ان کی پریشانی کا بار بار خیال آتا ہے، وہ کھلے آسمان زمین پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں، تیز دھوپ اور لو میں درختوں کا سہارا لیتے ہیں، برآمدے وسائبان میں گذارا کرتے ہیں اور کمروں میں نہایت تنگی کے ساتھ گذر بسر کرتے ہیں جس سے آئے دن بیمار ہوتے ہیں، میں خدا کو کیا جواب دوں گا، اس لیے آگے شمال کے جانب چار کمروں اور ہال کا نقشہ تیار کیجئے، انشاء اللہ ہم سب چلیں گے اور اس کی داغ بیل ڈالیں گے، مدرسہ کا پروگرام بننے کے بعد ایک دن قبل مدرسہ چلنے کی اطلاع دلوائی، میں ساڑھے آٹھ بجے بس اسٹیشن پہنچ گیا اور مولانا ٹھیک نو بجے اسٹیشن پہنچے، کالی شیروانی، کالا چشمہ، ہاتھ میں عصا اور چہرہ پر نور الٰہی، پوری شان وتمکنت اور وقار کے ساتھ گیٹ سے داخل ہوئے، پورے اسٹیشن پر رونق دوڑ گئی، لگتا تھا کہ

جیسے کوئی فرشتہ آسمان سے اترا ہے، مدرسہ پہنچے تو سب سے پہلے زمین کی پیمائش کرالی اور خط لگوایا، اس دوران وہ برابر ٹہلتے رہے اور نشانات دیکھتے رہے، جب خط لگ گیا تو فرط مسرت سے فرمایا کہ انجینئر صاحب اتنا بڑا ہمارا ہال ہوگا؟ پھاوڑا لگانے کی رسم مدرسہ کے ایک سب سے چھوٹے طالب علم اشرف سے ادا کرائی اور اپنا دست مبارک بھی اسی کے ساتھ پھاوڑے میں شامل فرما کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہتے ہوئے تین پھاوڑے لگوائے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واسماعیل علیہ السلام کے کارناموں کا ذکر کیا اور اس کام کی نسبت ان کی طرف کرتے ہوئے دعا کی۔ "وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ".

مقیم طلباء واساتذہ کی رہائش کی تنگی سے اس قدر متاثر تھے کہ اس کا بیان ممکن نہیں اس لیے انہوں نے اس مرتبہ دارالاساتذہ ہال اور کمروں کی تعمیر کا سارا کام ٹھیکیداروں کے سپرد کر دیا، جو کام مولانا مرحوم کی رحلت کے معاً بعد شروع ہو گیا اور اب پائے تکمیل کو پہنچ گیا ہے، اساتذہ وطلباء ان میں سکونت پذیر ہیں اور دوسری عمارتیں برابر تعمیر ہو رہی ہیں اللھم زدفزد۔

اللہ کو کچھ ایسا ہی منظور تھا، مولانا کا یہ سفر آخری سفر اور مدرسہ کی یہ زیارت آخری زیارت تھی، آپ نے رات دفتر میں قیام فرمایا، بعد نماز عشا تمام اساتذہ کو نصیحت کی، ایک ساتھ مل کر اتحاد و اتفاق کے ساتھ کام کرنے کی تلقین کی اور ہر ایک کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلایا، پھر صبح کو نماز فجر کے بعد جمیع طلباء واساتذہ کے سامنے ایک پرسوز تقریر کی، مدرسہ میں عام نظم ونسق اور روحانی فضا قائم رکھنے پر زور دیا، گندی

صحبت سے بچنے اور اچھی صحبت اختیار کرنے کی ہدایت کی۔

اچھی و بری صحبت کی تمثیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''توحید و سنت میں پلے ہوئے ایک نوجوان طالب خیر کا دل محض ایک مشرک و بت پرست جوگی کے کرتب کی تماشہ بینی کے نتیجہ میں اصول شریعت وارکان اسلام کی حقانیت کے یقین سے خالی ہوگیا، کفر وشرک اور بت پرستی وتوہم پرستی کی تحسین وتزئین دل میں پیدا ہوگئی اس نے اپنے شیخ سے اس کا ذکر کیا اور اس کی شکایت کی، انہوں نے اپنی خصوصی توجہ سے اس مہلک مرض کا ازالہ کیا اور وہ ایک عظیم فتنہ ارتداد سے بال بال بچ گیا۔(۱)

مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

مدرسہ ضیاء العلوم شہر رائے بریلی سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر ساحل دریائے سی بزرگوں و عالموں کی بستی تکیہ کلاں دائرہ شاہ علم اللہ سے متصل گاؤں میدان پور میں شوال ۱۳۹۲ھ (۱۹۷۲ء) میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سرپرستی میں قائم ہوا اور اس کے پہلے ناظم مولانا سید محمد الحسنی مدیر ''البعث الاسلامی'' ہوئے، انہوں نے یہ ذمہ داری اپنے بہنوئی مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوری کے سپرد کردی جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ تھے، اس ادارے سے مولانا محمد ثانی حسنی کا تعلق تعلیمی امور میں بحیثیت معتمد تعلیم تھا۔ ناظم مدرسہ مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوری اپنے ایک مکتوب میں جناب محمد شرافت خاں صاحب کو تاکید کرتے ہیں کہ مولانا محمد ثانی حسنی صاحب مدرسہ کے معتمد تعلیم بنا دیے گئے، ان کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھایا جائے اور ان کے مشوروں کے خلاف نہ کیا جائے، مولانا محمد ثانی حسنی کو مدرسہ کی ترقی اور طلباء کی فکر اس درجہ رہتی تھی کہ وہ ان

(۱) رضوان نمبر: ۲۰۸-۲۱۰

کی راحت کے لیے نہ صرف سوچتے بلکہ دامے درمے سخنے حصہ لیتے اس کو ان کے ایک مکتوب سے سمجھا جاسکتا ہے جو انہوں نے ناظم مدرسہ مولانا سید محمد طاہر حسینی منصور پوریؒ کو لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔

برادر گرامی زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، الحمدللہ یہاں سب خیریت ہے، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور اس وقت ماشاء اللہ ترقی پر ہے اس کو صرف دشواری جگہ کی ہے، لڑکوں کے کھیل پر پابندی اسی وجہ سے ہوئی، اس کے علاوہ مدرسہ کی اور ضروریات ہیں جو جگہ کی طالب ہیں، الحمدللہ اس کا احساس مجھ کو پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے اور ایک کھٹک دل میں رہتی تھی کہ کیا کیا جائے لیکن اپنے بھائیوں کی مرضی کے بغیر کوئی اقدام نہیں کرسکتا تھا، کل برادر عزیز مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی سلمہ آئے اور اس سلسلہ میں خود انہوں نے بات شروع کی، بات کرتے کرتے یہ طے ہوگیا کہ اس کار خیر میں جلد اقدام کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں یہ طے ہوا کہ مدرسہ کے سامنے ابھی سڑک پہ جو ہمارے دو کھیت ہیں، ایک بہت بڑا جو لب سڑک ہے اور مدرسہ کے قریب ہے دوسرا بالکل چھوٹا جو نئی نہر سے متصل ہے، ان میں جو بڑا ہے اور مدرسہ سے متصل ہے وہ ہم تینوں بھائی مدرسہ کے لیے وقف کرتے ہیں، اب اس میں کوئی شک نہیں ہے،، یہ طے شدہ امر ہے، یہ ہبہ اور وقف ہے، آپ شرافت خاں صاحب سے فرمادیں کہ کہ وہ اس سلسلہ میں جلد از جلد کارروائی کریں اور مدرسہ کے نام کرالیں،

تا کہ ہم لوگ مطمئن ہوجائیں، امید ہے کہ یہ پیش کش آپ قبول
کریں گے اور اس سے آپ کو دلی مسرت ہوگی، چاہے یہ خط
برادر عزیز مولوی رابع و واضح کو بھی دکھادیں۔

والسلام
محمد ثانی حسنی
تکیہ کلاں رائے بریلی
۱۶/۱۱/۱۴۰۰ھ

جناب محمد شرافت خاں صاحب فرماتے ہیں کہ بعد میں مولانا مرحوم اور ان کے بھائیوں نے دوسرا کھیت بھی مدرسہ کو ہبہ کردیا۔

اسی طرح مولانا محمد طاہر صاحب اور بھی معاملات مولانا محمد ثانی صاحب کے مشورے سے تکمیل کو پہنچاتے اور مولانا پورا تعاون دیتے، ناظم مدرسہ مولانا محمد طاہر صاحب، محمد شرافت خاں صاحب کو اپنے مکتوب مورخہ ۱۳/۱/۱۴۰۰ھ مطابق ۴/۱۲/۱۹۷۹ء میں لکھتے ہیں:

"حامل رقعہ مولوی بدر عالم صاحب جن کے بارے میں مولانا رابع صاحب نے آپ سے گفتگو کی تھی وہ بھیجے جارہے ہیں، انشاءاللہ یہ مدرسہ کے لیے مفید ثابت ہوں گے، تنخواہ و گریڈ کے سلسلہ میں مولانا ثانی صاحب و مولانا رابع صاحب سے مشورہ کرلیجئے گا"۔

اسی طرح مدرسہ کے سالانہ جلسہ کے تعلق سے جناب شرافت خاں صاحب کو اپنے مکتوب ۶/۵/۱۹۷۷ء میں لکھتے ہیں:

"مولانا محمد ثانی صاحب سے مشورہ کرلیجیے گا، پھر جو رائے آخری طور پر طے ہوجائے اس سے مطلع کیجیے، نیز جلسہ میں شرکت کے لیے کن کن حضرات کو مدعو کرنا چاہیے، اس کی فہرست بھی

مولانا محمد ثانی صاحب کے مشورے سے تیار کر لی جائے اور سب لوگوں کو مطلع کر دیا جائے، دعوت نامہ کا مسودہ مولانا محمد ثانی صاحب بنا دیں گے"۔

مولانا محمد ثانی حسنی صاحب نے مدرسہ ضیاء العلوم کی نظامت میں قائم مقامی بھی کی، ایک موقع پر سیلاب آنے کی صورت میں تعطیلات کا اعلان مولانا کی طرف سے اس طرح آیا:

بوجہ کثرت بارش اور سیلاب کے خطرہ کے باعث درجہ حفظ کی تعطیل بجائے ۲۰؍رمضان المبارک کے آج ۲؍رمضان ہی سے کی جاتی ہے، طلبہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔

محمد ثانی حسنی

قائم مقام ناظم مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور

۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ

مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کا حادثہ وفات کا تعلق بھی اسی مدرسہ ضیاء العلوم سے جڑا ہوا ہے وہ اس کے معائنہ کے لیے صبح وشام جایا کرتے تھے، ایک شام کو جب وہ مدرسہ جناب محمد شرافت خاں صاحب کے پاس آرہے تھے، گھر کے راستہ میں محمد میاں کا پوروا مقام پر ایک کتے کا کھروچ پیشانی پر لگا، وہ کتا باولا تھا، وہ انجکشن نہ لگوا سکے اور بیس دن کے اندر اس کا اثر ظاہر ہو گیا اور تین روز میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی، آنا فانا سب کچھ ہونے کا اہل تعلق پر جو اثر پڑا وہ طبعی تھا، اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں زیر تعلیم ایک ندوی فاضل (۱) جو تکیہ شاہ علم اللہ میں وقت گذار چکے تھے نے مدرسہ ضیاء العلوم کے ناظر و کارگذار مہتمم جناب محمد شرافت خاں صاحب کو تعزیتی خط لکھا، اس کی ابتدائی سطریں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) مولانا محمد صدر الحسن ندوی جو مختلف اسلامی دینی علمی موضوعات پر کثیر التصانیف عالم اور کہنہ مشق معلم ہیں، اورنگ آباد مہاراشٹر میں یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مدینہ منورہ

اراپریل ۱۹۸۲ء

مخدوم ومکرم زیدت الطافہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب گرامی نظر نواز ہوا مولانا ثانی صاحب جنہیں اب مرحوم لکھنا پڑ رہا ہے ان کے حادثہ وفات کی جانکاری آپ کے مکتوب کے ہر جملہ سے عیاں تھی، اللہ تعالی ان کے منتقبین اور محبین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

یہ حادثہ صرف ایک خاندان کا نہیں، بلکہ پورے دینی حلقہ کا ہے، آپ کا اس حادثہ سے متاثر ہونا تو فطری تھا، کم از کم ان سے آپ کے بیس سالہ تعلقات تھے، یہاں بھی طلبہ پر اس حادثہ کا بہت زیادہ اثر ہے، میں خاص کر اس حادثہ سے بہت زیادہ متاثر ہوں، جب سے اس حادثہ کی اطلاع ملی ہے تو مجھے وہ مجلس یاد آگئی جہاں میں تھا اور چودھری صاحب (۱) مولانا محمد ثانی صاحب تشریف رکھتے تھے، مولانا ثانی صاحب فرمانے لگے کہ میرے دل میں بار بار خیال آتا ہے کہ میری موت اچانک ہوں۔

اب تکیہ ایک مرد مومن سے خالی ہوگیا، ایک باوثوق ذریعہ سے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ ایک صاحب دل بزرگ نے حکیم عبدالعلی (مرحوم) کے حادثہ وفات کے وقت فرمایا تھا کہ ایک مستجاب الدعوات آپ کے خاندان سے رخصت ہوگیا اور ایک

---

(۱) چودھری عبدالمنان مرحوم جو بلند شہر مغربی یوپی کے رہنے والے ایک ذی وجاہت وحیثیت خاندان ے فرد تھے، اور شہر رائے بریلی میں مطب کرتے تھے، قیام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں رہتا تھا، بڑے خوش اوقات تھے۔(م)

باقی ہے اور اس سے ان کا اشارہ مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم کی طرف تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے، میری طرف سے تعزیت قبول کیجئے۔(۱)

مدرسہ ضیاء العلوم سے مولانا محمد ثانی حسنی کا تعلق جو ضابطہ کا تھا اسی طرح اس رابطہ کا بھی تھا جو انہیں قدرتی اور فطری طور پر اپنے وطن اور قیام گاہ میں ہونے کی وجہ سے تھا اور پھر اس خیال سے بھی کہ وہ جیسے بہت سے امور میں اپنے خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی نیابت کرتے تھے، اس کی دیکھ بھال میں ان کی سرپرستی کا خیال رکھتے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا تعلق اس مدرسہ سے جس درجہ کا تھا اس کی تصویر کشی کی چنداں ضرورت نہیں، خود ان کا ایک مکتوب کافی ہے، جو انہوں نے مالیگاؤں مہاراشٹرا اپنے ایک خاص تعلق والے تاجر الحاج عبدالخالق سردار صاحب کو تحریر فرمایا جو اس طرح ہے:

۹۶/۸/۲۲ھ

مکرمی ومحترمی جناب عبدالخالق سردار صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا، بہت عرصہ سے مالیگاؤں حاضری نہیں ہوئی، مولوی تقی الدین صاحب ندوی اور سفراء حضرات سے خیریت معلوم ہو جاتی تھی، وہ بھی عرصہ سے نہیں معلوم ہوئی، خدا کرے مزاج بخیر ہو، اس وقت اس خط کے لکھنے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ہمارے گاؤں تکیہ رائے بریلی سے متصل ہم لوگوں نے ایک مدرسہ ضیاء العلوم کے نام سے چند سال ہوئے قائم کیا اس لیے کہ چار پانچ گاؤں کے درمیان کوئی دینی مدرسہ یا

(۱) یہ خط محترمی جناب محمد شرافت خاں صاحب زید مجدہ کے نام محفوظ ذخیرۂ خطوط سے ماخوذ ہے۔

مکتب نہ تھا، الحمدللہ وہ اس وقت مفید خدمت انجام دے رہا ہے اور مسلمانوں کے بچے جو مارے مارے پھرتے تھے، گولی کھیلتے تھے اور گالی بکتے تھے وہ اب قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور دینیات کی تعلیم حاصل کررہے ہیں اور حفظ کا بھی ایک درجہ کھل گیا ہے، لیکن چونکہ میری ساری توجہات ندوۃ العلماء پر مرکوز ہیں اور انشاءاللہ رہیں گی اس مدرسہ کے لیے خاطر خواہ کوشش نہ کرسکا، بعض ہمدردوں کے مشورے سے اس مدرسہ کے صدر مدرس مولوی شرافت خاں کو مالیگاؤں اور بمبئی کے دورے پر بھیجا جارہا ہے، اس سلسلہ میں آپ کو تکلیف دے رہا ہوں، کہ اگر طبیعت پر بار نہ ہو تو آپ ان کی تھوڑی سی مدد کردیجئے اور تعارف کرادیجئے اللہ تعالی آپ کو اس جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

والسلام
مخلص ابوالحسن علی
۲۰/اگست ۱۹۷۶ء

جناب مولوی شرافت خاں صاحب کہتے ہیں:

شروع شروع میں جب یہ مدرسہ قائم ہوا تھا تو چھپر سے ابتدا ہوئی تھی اس وقت میری سوچ یہی تھی کہ یہاں مکتب کا انتظام بہتر سے بہتر طریقہ سے کیا جائے اور عقیدہ توحید ان کے دلوں میں راسخ ہوجائے یہ مدرسہ جوں جوں ترقی کرتا گیا مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کو فکر ہوئی کہ اس مدرسہ میں طلباء کے رہنے کا انتظام کیا جائے اس مقصد کے لیے انہوں نے مجھ کو فلاح المسلمین بھیجا، میں نے مولانا عبدالباریؒ سے رابطہ کیا تو چونکہ

انہیں یہاں کی سرزمین محبوب تھی اس لیے وہ طلباء کو بھیجنے پر راضی ہوگئے، اس طرح ضیاء العلوم میں جو سب سے پہلے طالب علم یہاں آئے، ان میں مولوی محمد حسن، اور مولوی، دوست محمد اور بعض دوسرے طلباء تھے، مولانا محمد ثانی صاحب برابر مدرسہ آتے تھے۔ اور مدرسہ کا تعلیمی اور دینی و عملی جائزہ لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میری اولاد ہیں اور طلباء کا امتحان لیتے اور ان کی تعلیم پر توجہ دیتے اور اساتذہ کو تعلیم کے تعلق سے مشورے بھی دیا کرتے تھے، اس طرح مولانا کا تعلق مدرسہ سے اولاد جیسا ہوگیا تھا، مولانا جب تکیہ سے یہاں آئے تو بچوں کا ہاتھ پکڑتے اور ان سے پدرانہ شفقت فرماتے۔(۱)

یہ اس زمانہ کی بات ہے جس زمانہ میں انجمن تعلیمات دین کے کثرت سے رائے بریلی اور اس کے قرب وجوار میں جلسہ ہوا کرتے تھے اور مولانا تعلیمی بیداری کے لیے بڑی محنت کیا کرتے تھے اور شرافت صاحب کو پورے ضلع میں جگہ جگہ مکتب قائم کرنے کے لیے اور جائزہ لینے کے لیے بھیجا کرتے تھے، شرافت صاحب نے جس طرح انجمن تعلیمات دین کے لیے محنت اور کوشش کی ہے اور جانفشانی سے کام لیا ہے اس کی مولانا کو بڑی قدر تھی اور وہ فرماتے تھے کہ شرافت میرا بایاں ہاتھ ہیں اور مولانا عبدالباری میرا دایاں ہاتھ ہیں اور عہد و پیمان لیتے

(۱) مولانا محمد ثانی حسنی اور مدرسہ ضیاء العلوم کے عنوان پر مولانا محمد صدیق ندوی مرحوم سابق قائم مقام مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی کا مضمون ان حقائق پر اچھی روشنی ڈالتا ہے، جو سطور بالا میں پیش کی گئیں، یہ مضمون ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ کی خصوصی اشاعت میں اگرچہ شائع نہ ہوسکا البتہ بعد کے شمارہ میں اس نے جگہ پائی۔(م)

تھے کہ اسی مدرسہ میں جینا اور اسی میں رہنا اور اسی میں مرنا ہے، اور طلباء میں جو حفاظ ہوا کرتے ان کو شہر اور دیہاتوں میں تراویح کے لیے مامور فرماتے، تاکہ ان کے ذریعہ لوگ دین سے جڑے رہیں اور ان کا رابطہ علماء کرام سے باقی رہے اور اس فکر میں رہتے کہ کون مدرسہ کے لیے کتنا مفید ہوسکتا ہے چاہے وہ ڈاکٹر ہو یا انجینیر ہو، انجینئروں میں انجینئر امتیاز خاں صاحب کا نام لیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آپ ہی کی خاص توجہ سے اولاً فلاح المسلمین اور مدرسہ ضیاء العلوم کے لیے اپنے اوقات کی خدمات پیش کیں، بعد میں دیگر مدارس کی خدمات کے لیے وقف ہوگئے اور کتنی مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر ان کی رہنمائی اور نگرانی میں اس پورے دیار میں انجام پائیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

باوجودیکہ مدرسہ کے ذمہ داروں میں تھے مگر اپنا کام خود کرتے اور جب والدہ کسی کام کو کہتیں یا ان کے کام سے نکلتے تو کسی کے اصرار پر بھی کام اس کے حوالہ کرنے سے گریز کرتے۔

جناب محمد شرافت خاں صاحب کے نام ایک مکتوب سے جو بظاہر ان کے نام آخری مکتوب تھا، وہ تعلق ظاہر ہوتا ہے جو مدرسہ کی نسبت سے ان دونوں کے درمیان تھا وہ لکھتے ہیں:

محترم مولوی شرافت صاحب

سلام مسنون

ہم اور ماموں جی حضرت شیخ کی وجہ سے اچانک دہلی جارہے ہیں، واپسی میں کئی روز لگیں گے.................۔

خط کی دوسری عبارت دوسرے امور کے متعلق ہے اور تاریخ ۲۳/۱/۱۴۰۲ھ

درج ہے۔

اس کو دو مہینہ کا عرصہ ہی گذرا ہوگا کہ تکیہ سے معمول کے مطابق ایک روز مدرسہ جاتے یا آتے ایک باولے کتے کا کھروچ لگا اور جمعہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ کو پانی اور روشنی سے شدید الرجک ہوئی اور مرض نے شدت اختیار کی، رائے بریلی سے لکھنؤ لے جائے گئے، اور تین چار روز میں منگل ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، لیکن اس بیماری اور زندگی کی آخری ساعتوں میں بھی انہیں اپنے ان دونوں مدرسوں؛ فلاح المسلمین اور ضیاء العلوم، کی بڑی فکر دامن گیر رہی، اور اس سلسلہ میں وہ برابر مولانا عبدالباری ندوی مہتمم مدرسہ فلاح المسلمین اور جناب محمد شرافت خاں قائم مقام مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم کو ہدایات دیتے رہے، اور عہد لیا کہ پوری عمر اسی میں لگا دیں گے۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو؛ مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی ''مذکراتی'' ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲ء

بارہواں باب

حلیہ، اوصاف وخصوصیات اور امتیازات

حلیہ

جناب عرفان عباسی مؤلف ''تذکرہ شعراء اتر پردیش'' مولانا محمد ثانی حسنی کا حلیہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''مائل بہ گداز جسم، متوسط قد، بھرے بھرے پروقار چہرہ پر نورانی داڑھی، جس کے نصف سے زائد بال سفید، نرم شگفتہ اور روشن آنکھیں، ان پر دبیز شیشوں والا چشمہ، سادہ لباس، نرم مزاج، خوشنما سراپا تہذیب وتمدن کے سانچے میں ڈھلی پاکیزہ سیرت، جچا تلا شیریں انداز گفتگو، کم سخنی میں وقار، نیک نفس، عبادت گذار، دین وملت کے خاموش خادم، اکثر وبیشتر کرتا پاجامہ اور صدری میں ملبوس، یہ تھے عالم باعمل، خادم دین وملت مولانا سید محمد ثانی حسنی رائے بریلوی۔(۱)

شفقت ومحبت اور نرم مزاجی

مولانا محمد ثانی حسنی کے اندر اللہ نے وہ دل رکھا تھا جو محبت سے معمور اور اللہ اور اس کے رسول کے عشق سے مخمور تھا، اسی نے ان سے حمد کہلوائی، نعت ومناجات

(۱) تذکرہ شعرائے اتر پردیش و ماہنامہ رضوان مولانا محمد ثانی نمبر

کہلائیں، اور اولیاء اللہ کی منقبت، غازیان دین کی مدح کرائی، اور یہی چیز تھی جس نے ان کو باادب بنایا، اسی سے نرمی اور رقت پیدا ہوئی، جو چھوٹوں پر شفقت اور معاملات میں دوسروں کا اپنے سے زیادہ خیال رکھنے کی صورت میں ظاہر ہوئی، افراد خاندان کے ساتھ حسن سلوک میں ان کے بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی شہادت واعتراف کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''برادر معظم رحمۃ اللہ علیہ مجھ سے چار سال بڑے تھے، لیکن قرب اور ساتھ رہنے کی وجہ سے عمر کے فرق سے پیدا ہونے والی دوری بہت کم تھی، اکثر معاملات میں رابطہ واشتراک رہتا اور ایک دوسرے سے قرب ومحبت کا احساس ہوتا، اس طرح ان کی شفقت ومحبت کا خاصا حصہ ملا، ان کا مزاج بہت نرم اور محبت کا تھا، بڑوں کی بات تو الگ رہی وہ اپنے چھوٹوں سے بھی سختی کے ساتھ حتی کہ اپنی اولاد کے ساتھ بھی کسی بات پر سختی کرنا ان کے لیے دشوار ہوتا، خود تکلیف اٹھاتے، یہ ان کی ایسی صفت تھی جس نے پورے حلقہ میں ان سے محبت پیدا کر دی تھی، اور سب ان سے انس وتعلق محسوس کرتے تھے۔'' (۱)

ثبات واستقامت اور نفس مطمئنہ

تسلیم ورضا، صبر وشکر، ذکر وشغل، دعوت وعمل یہ سب وہ صفات تھیں جس نے مولانا محمد ثانی حسنی کے اندر ثبات واستقامت کا وہ وصف پیدا کر دیا تھا جس سے ان کو نفس مطمئنہ حاصل ہوگیا تھا اور یہ ان کا وہ حال تھا جو ان کے مرض وفات میں دوسروں پر عیاں ہوگیا، پروفیسر مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں مرحوم (سابق رفیق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو وسابق صدر شعبہ عربی لکھنؤ یونیورسٹی) اپنا تاثر لکھتے ہیں:

---

(۱) اداریہ ''ماہنامہ رضوان'' مولانا محمد ثانی حسنی نمبر ص: ۷

''مولانا مرحوم نے جس صبر وسکون اور ثبات واستقامت کے ساتھ اپنے آخری ایام گذارے اور دینی لحاظ سے انہیں جس طرح کار آمد بنایا وہ ہم سب کے لیے اسوہ ومثال کی حیثیت رکھتا ہے۔وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون.

اپنے مرض وفات میں انہوں نے شاید ہی کبھی گھبراہٹ اور جزع فزع کا اظہار کیا یا کوئی حرف شکایت زبان پر لائے یا دوا علاج کے لیے کوئی خاص فکرمندی ظاہر کی، بلکہ ان کی باتوں سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس جہان فانی سے تعلق خاطر منقطع کر چکے ہیں اور دار بقا اور رفیق اعلی کی طلب اور اس کا ذوق وشوق ان پر غالب ہے، دواؤں کی بے مائیگی دیکھ کر انہوں نے اپنے تیمار داروں سے کہا کہ ان دواؤں کی بے اثری سے اللہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اس کی حقیر ترین مخلوق کے آگے بھی انسان بے بس اور لاچار ہے، یہ اللہ تعالی کا ان پر خاص فضل تھا کہ جس مرض سے پاگل پن اور دیوانگی پیدا ہوتی ہے، اس سے ان کے ہوش وخرد اور فرزانگی میں ترقی نظر آئی اور وہ اخیر تک ہوش وحواس کے ساتھ ذکر الہی میں مشغول رہے اور دوسروں کو بھی ذکر ودعا کی تلقین کرتے رہے''۔(۱)

رفقاء کے ساتھ ہمدردی

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی صاحب جو ان کے مکتبہ اور رضوان کے منیجر تھے اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں:

''طویل عرصہ رفاقت میں مجھ پر کئی بار سخت سخت وقت آئے

(۱) رضوان مولانا محمد ثانی نمبر ص:۹۸-۹۹

مولانا نے کبھی میرا ساتھ نہ چھوڑا، بلکہ ہر طرح سے مدد فرمائی، مفید مشوروں اور رہنمائی سے نوازا، جب میں نے لکھنؤ یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ڈی۔مقالہ لکھا تو آپ نے میری بڑی مدد فرمائی“۔(۱)

عفوودرگذر

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی صاحب اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں:

”میرے علم میں ایک صاحب نے مولانا کی ایک معمولی رقم چرالی، میرے علم میں بات ثبوت کے ساتھ آگئی، میں نے مولانا سے عرض کیا اور اجازت چاہی کہ باز پرس کروں تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو، مولانا نے فرمایا، میری عدم موجودگی میں سمجھادو۔“(۲)

ایک دوسرا واقعہ اسی سے ملتا جلتا ہے اس کے راوی بھی ڈاکٹر ہارون رشید صاحب ہیں وہ یہ کہ مولانا اپنی نظموں میں تخلص نہیں لاتے تھے، ایک صاحب نے مولانا کی پوری نظم اپنے تخلص کے ساتھ ایک کتاب میں چھاپ لی، مجھے علم ہوا، مولانا کو بھی علم ہوا، وہ نظم بہت پہلے رضوان میں چھپ چکی تھی کسی نے ان صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا یہ نظم تو میری ہی ہے، ممکن ہے توارد ہوگیا ہو، میں نے مولانا سے اجازت چاہی کہ میں جاکر بات کروں، مولانا نے ان کے توارد کے امکان کو تسلیم کرتے ہوئے مجھے اجازت نہ دی، میں نے عرض کیا، مولانا توارد ایک دوشعر کا ہوسکتا ہے یا پوری نظم کا، مولانا نے فرمایا کہ امکان تو پوری نظم کا بھی ہے۔(۳)

جلالت شان اور اخفائے حال

مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی لکھنوی (مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ و جنرل سکریٹری جمیعۃ علماء ہند) لکھتے ہیں:

”یہ ایک حقیقت ہے اور مولانا کو قریب سے دیکھنے والے اس کی

---

(۱) رضوان مولانا محمد ثانی نمبر ص:۹۱ (۲) ایضا:۹۰ (۳) ایضا:۹۰

تصدیق کریں گے کہ وہ اپنے زمانہ میں اپنی پاک نفسی، سادگی، عاجزی، اور انکساری کی بنا پر جلیل القدر بزرگوں میں سے تھے، جنہوں نے ہمیشہ اپنے جوہر کو پوشیدہ رکھا اور نام ونمود، شہرت اور دکھاوے کے مواقع سے دور رہے، مولانا کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے بیعت کی اجازت حاصل تھی، مگر کبھی کسی کو مرید نہیں کیا، اکثر ایسا بھی ہوا کہ بعض خواہشمند احباب نے مرید ہونے کا ارادہ ظاہر کیا مگر مولانا بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے اور اپنے بزرگوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا''۔(۱)

پاکیزہ مذاق اور ادبی واصلاحی مقام

مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا کا بڑا پاکیزہ مذاق تھا، ان کے کلام کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کے ذریعہ ان کے قلب کی کیفیت نمایاں ہو رہی ہے، اگرچہ مولانا کی شاعری کا زیادہ تر حصہ، نعتوں، مناجاتوں، اور اصلاحی نظموں پر مشتمل ہے، مولانا نہ تو کسی مشاعرے میں شرکت کرنا پسند فرماتے اور نہ ہی اپنی شاعرانہ حیثیت کو نمایاں ہونے دیتے، ان کی مناجاتوں کے مجموعے اور درود وسلام کے گلدستے ان کے شعری ذوق کے آئینہ دار ہیں، اللہ تعالی نے ان کے کلام میں ایک خاص اثر رکھا ہے، کلام کی برجستگی، الفاظ کی بندش، جو معنویت سے بھرپور اور دل کا درد اس میں ایسا سمویا ہوا ہے کہ پڑھنے والے کے قلب پر خاص اثر پیدا ہوتا ہے، خود راقم سطور نے حرمین شریفین کی زیارت وحاضری کے موقع پر مولانا

(۱) رضوان مولانا ثانی نمبر ص:۱۵۴

کی مناجاتوں سے جو فائدہ اٹھایا، زبان وقلم اس کے اظہار سے قاصر ہے، ہر ہر موقع پر اللہ تعالیٰ نے مولانا کے لیے دعاؤں کی توفیق نصیب فرمائی۔''(۱)

جناب عرفان عباسی مرحوم کہتے ہیں:

''حسنی صاحب فارسی میں بھی شعر کہتے تھے لیکن ان کی تمام تر دینی موضوعات پر مشتمل شاعری صرف والہانہ اظہار وعقیدت کا ذریعہ تھی، وہ اپنی اصلاحی نظموں کے ذریعہ معاشرے کی اخلاقی گراوٹ کی طرف لطیف اشارے کر کے سدھارنے کی کوشش کرتے تھے نہ اپنی شاعری کو کبھی اہمیت دی، نہ کسی استاد کی شاگردی اختیار کی، نہ اسے حصول زر کا ذریعہ بنایا، اور نہ عام مشاعروں سے انہیں کوئی سروکار تھا''۔(۲)

خاندانی وموروثی امتیاز وخصوصیت

چودھری علی مبارک عثمانی مرحوم لکھتے ہیں:

''رائے بریلی تکیہ کلاں کا حسنی خاندان اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا غیر معمولی مظہر ہے، کئی صدیوں سے تسلسل کے ساتھ قرآنی تعلیمات اور رسول اکرم ﷺ کی سنتوں کے اہتمام کے ساتھ عمل پیرا ہے، علم دین اور عمل صالح، توحید کی سربلندی کے لیے کوشاں، خرافات وبدعات سے مکمل اجتناب ہے، لومۃ لائم سے فطری بے نیازی، بس اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور نبی کریم ﷺ کی تقلید ہی حسنی خاندان کا شعار رہا ہے، مشک کی خوشبو بیان سے بالاتر ہے۔

---

(۱) رضوان مولانا ثانی نمبر ص، ۱۵۵ (۲) رضوان مولانا ثانی نمبر ص: ۱۴۵

مولانا محمد ثانی صاحب کی تربیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ؒ کے آغوش محبت میں ہوئی، ایک طویل عرصہ تک علی میاں صاحب ؒ کے ساتھ رہے ان کی تصنیفات میں معاون رہے، سفر وحضر میں بھی خدمات انجام دیں، درحقیقت علی میاں خاندان حسنی کے گل سرسبد ہیں، عالمی سطح پر ان کی تحریر وتقریر، شخصیت، تصنیف وتالیف قرآن وحدیث کی ترجمانی کا اہم ترین حصہ ہیں، حسنی خاندان نام ونمود سے بے نیاز رہا ہے، زندگی کی سادگی، دعوت حق کے پرخلوص عزم وحوصلہ ہر حال دنیا بھر کو پیغام وسیرت نبوی کی دلکشی کی جانب متوجہ کرتا ہے، دینی علوم سے سرشار، فطری طور پر خاکسار، طبعی طور پر دنیا سے بےزار، یہ خاندان فضل الٰہی کا مورد ہے"۔(۱)

اعلیٰ انسانی صفات

پروفیسر ڈاکٹر مولانا محمد یونس نگرامی مرحوم سابق چیرمین اردو اکاڈمی اتر پردیش رقم طراز ہیں:

"خاکساری، فروتنی، انکساری، حلم، عفو ودرگذر، حق گوئی، راست بازی، جرأت وہمت، صداقت وشرافت، انسانی زندگی کے وہ سدابہار وخوشنما پھول ہیں جن سے چمن انسانیت ہمیشہ عطر بیز رہتا ہے اور جب یہ صفات کسی مومن صادق کی صفات بن کر جلوہ گر ہوئی ہیں تو رنگ ونور، پاکیزگی وبھولے پن کی ایسی البیلی قوس وقزح روشن ومنور ہوتی ہے، جس کے پاکیزے اجالے میں شر وفساد، حرص وہوس، خود غرضی، بد خواہی کی ظلمتیں

---

(۱) مقدمہ منتخب کلام ثانی، از: چودھری علی مبارک عثمانی مرحوم

وتاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں، مولانا ثانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار انہیں عالی صفات افراد میں تھا، جن کے وجود سے زندگی، انسانیت اور معاشرہ میں اعتبار پیدا ہوتا ہے"۔(۱)

دینی حمیت

دینی حمیت مولانا محمد ثانی حسنی کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اس کا اثر اسلامی تشخص کے بقا کی فکر کے تئیں بھی ظاہر ہوتا تھا، چنانچہ وہ مغربی تہذیب اور زندگی میں مغربی طور وطریق سبھی مسلمانوں کے لیے ناپسند فرماتے، خاص طور پر دین کا علم حاصل کرنے والے طلباء کے لیے اور اپنے افراد خاندان اور سبھی بچوں کے لئے، مغربی لباس سے انہیں نفرت تھی اور غیر قوموں کے تشبہ کو وہ دین کے لیے نقصان دہ سمجھتے تھے، دعوتوں مغربی طور وطریق بھی ذرا گوارہ نہ تھا اس کا ایک واقعہ مولانا ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ایک بار لکھنؤ کے ایک دولت مند گھرانے سے دعوت آئی، ساتھ میں نکاح پڑھانے کی ذمہ داری بھی سپرد ہوئی، مولانا نے مجھ سے فرمایا، تم بھی چلو، میں نے عرض کیا کہ ان معمولی کپڑوں کے ساتھ مجھے نہ لے چلیئے۔ لیکن مولانا نہ مانے، ساتھ لے گئے، وہاں باجہ وغیرہ تو نہیں تھا، لیکن دوسری مکروہات تھیں، مثلا مجلس میں بے حجاب عورتیں، اور ہر ہر لحظہ پر فوٹو، مولانا کو بہت تکدر ہوا، اتفاق کی بات حضرت مولانا محمد اویس صاحب (نگرامی) (شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وخلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی) بھی تشریف لے آئے تھے، مولانا نے نکاح پڑھانے کی ذمہ داری ان کے سپرد

(۱) رضوان مولانا ثانی نمبر ص: ۹۴

کردی، نکاح کے بعد مولانا بھاگنے ہی والے تھے کہ کھانے پر مجبور کیا گیا، کھانا میزوں پر چنا ہوا تھا، کھڑے کھڑے کھانا تھا، مولانا کھانے پر آمادہ نہ تھے، ساتھ ہی چاہتے تھے کہ لوگوں کی مسرت تکدر سے نہ بدل جائے، مجھ سے فرمایا، کیا کروں؟ میں نے ادھر ادھر دیکھا، کچھ فاصلے پر ایک صاف ستھری تپائی پڑی ہوئی تھی، میں نے عرض کیا اس تپائی پر تشریف رکھیں، حضرت مولانا محمد اویس صاحب کو بھی بلا لیا، دونوں بزرگ بیٹھ گئے اور میں لپک کر ایک پلیٹ میں مختلف چیزیں لے آیا، اتنے میں گھر والوں کو محسوس ہوا، پھر انہوں نے کئی پلیٹیں پہنچائیں، اس طرح بیٹھ کر دعوت بھی کھائی اور کوئی ناگواری بھی نہ ہوئی"۔(۱)

حلم وتواضع اور سنت کی اعلیٰ اتباع

مولانا ڈاکٹر ہارون رشید صاحب صدیقی (حال معاون ناظر تعمیر وترقی ندوۃ العلماء لکھنؤ وسابق ناظر معہد دار العلوم ندوۃ العلماء وسابق منیجر مکتبہٗ اسلام وماہنامہ رضوان لکھنؤ) اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں:

"مولانا عفو و درگذر اور حلم کے اعلی مقام پر تھے، میرے اس طویل ساتھ میں بارہا مجھ سے غلطیاں ہوئیں، نقصانات ہوئے، کتابت کی غلطیاں اور پریس کے پروف پڑھنے میں بعض اہم غلطیاں ہوئیں، لیکن کچھ کہنا تو درکنار ناگواری کے آثار بھی نہ ظاہر ہوئے، بلکہ مسکرا کر تسکین دی، اور یوں کہہ دیا کہ تم نے ٹھیک کیا ہوگا مگر کاتب نے ترمیم نہ بنائی ہوگی، یا مصلح سنگ نے درست نہ کیا ہوگا، وغیرہ۔

---

(۱) رضوان مولانا ثانی نمبر ص:۸۹

میں جب بھی مولانا کو یاد کرتا ہوں مجھے حضرت انسؓ کی وہ حدیث
یاد آجاتی ہے جس میں حضرت انسؓ نے فرمایا میں دس سال سے
حضورﷺ کی خدمت میں رہا، مجھ سے غلطیاں ہوئیں، لیکن
حضورﷺ نے کبھی اف بھی نہ فرمایا (مفہوم حدیث) میں
سوچتا ہوں کہ میں مولانا کے ساتھ سولہ سال رہا، لیکن مولانا نے
کبھی بھی کسی غلطی یا نقصان پر اف نہ فرمایا"۔(۱)

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری استاد دار العلوم ندوۃ العلماء جوان کے ساتھ سفر وحضر میں رہے ہیں بیان کرتے ہیں کہ دستر خوان پر جب اچھی سے اچھی اشیاء ہوں، اس وقت اپنے سامنے سے لینا اور ادھر ادھر سے نہ لینا بڑے کمال کی بات ہے، ایسے موقعوں پر مولانا کو اس میں بھی باکمال پایا، اور اپنے سامنے سے دوسروں کا خیال کرتے ہوئے لینے پر انہوں نے اکتفاء کیا، اور ایک دوسری سنت کا جس کا اتباع بھی آسان نہیں ہے ان میں بدرجہ کمال پایا جاتا تھا، اور اس کو انہوں نے آنحضورﷺ کی صفت میں اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان بھی کیا ہے کہ؎

گالیاں جس نے دیں اس کو تحفے دیے
زخم جس کے لگے زخم اس کے سیے

اس کے ساتھ مہمان نوازی، صلہ رحمی، حسن سلوک اپنے اور پرایوں سبھی کے ساتھ اور دوسروں کے بوجھ کو اٹھانا اور مدد کرنا پھر روزگار فراہم کرنا، اور یہ سب رسول اللہﷺ کی وہ سنتیں ہیں جس کا ذکر کرتے ہوئے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آنحضورﷺ کو تسلی دی تھی، اور ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی ان صفات کے حوالہ سے پناہ دی تھی، مزید بڑوں کی عزت، بچوں پہ شفقت، گھر والوں کے ساتھ بہترین برتاؤ، اور بہتر سماج کی تشکیل کے لیے عوامی

(۱) رضوان مولانا ثانی نمبر ص:۸۹-۹۰

رابطہ، یہ وہ سنتیں ہیں جن سے ان کی پہچان بن گئی تھی، اور ان کی شخصیت ایک دلآویز محبوب اور پرکشش شخصیت بن گئی تھی۔

اعتدال اور میانہ روی

مولانا ڈاکٹر شمس تبریز خاں مرحوم ان کی شاعری کو موضوع بنا کر ان کے اس وصف کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے مگر ان کی شاعری روایتی ڈگر سے الگ اپنے اکابر خاندان کی روش پر تھی ''تعمیر حیات'' اور ''رضوان'' میں اکثر ان کی نعتیں اور مناجاتیں شائع ہوتیں اور مقبول عام ہوتیں، ان میں پیشہ وارانہ یا استادانہ نعت گوئی کے بجائے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے والہانہ تعلق، آپ ﷺ کے پیغام سے محبت اور اظہار عقیدت اور اسلام کی ابدی ودائمی قائدانہ صلاحیت پر گہرا یقین شامل ہوکر تاثیر وتسخیر کا سماں پیدا کر دیتا ہے۔

غلو، مبالغہ اور حدود شریعت کی پامالی سے بچتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات کا صحیح عرفان ان کی نعتوں اور سلاموں کی وہ نادر خصوصیت ہے جو بہت کمیاب : تی جارہی ہے، اردو میں نعتوں کا تو کسی قدر رواج رہا ہے مگر حمد ومناجات اور منظوم دعاؤں کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے، اس خلا کو حسنی خاندان کے دیگر شعراء کے علاوہ مولانا محمد ثانی حسنی مرحومؒ نے بھی بڑی حد تک پورا کیا اور اس میدان میں الفاظ سے کھیلنے اور اپنی قادرالکلامی کا سکہ بٹھانے کی کوشش کے بجائے انہوں نے حقیقت نگاری سے کام لیا''۔(۱)

(۱) رضوان نمبر ص، ۱۰۲

روحانیت میں بلند مقام

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت واعتراف ہے:

''مولانا محمد ثانی حسنی کا خاص قابل رشک کمال ان کی بے نفسی اور نیک نفسی تھی، راقم سطور نے ان کو اس وقت سے جب کہ وہ بیس سال کے نوجوان تھے اس وقت تک جبکہ وہ ۵۵ یا ۵۶ سال اس دنیا میں گذار کے عالم آخرت کی طرف منتقل ہوئے مسلسل دیکھا، ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالی نے ان کے نفس میں شر کا مادہ شاید رکھا ہی نہیں ہے، وہ معصوم تو یقیناً نہیں تھے لیکن یہ کہنا انشاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ معصوم صفت تھے۔ ریا، کبر، حب دینا، حسد اور کینہ جیسے رذائل آنکھوں سے نہیں دیکھے جاسکتے، لیکن اگر کسی کے ساتھ مسلسل رابطہ اور واسطہ رہے تو ان کے کچھ نہ کچھ آثار محسوس ہو ہی جاتے ہیں، راقم سطور کا اندازہ ہے کہ اللہ تعالی کے خاص فضل وکرم سے ان کا قلب وباطن ان رذائل سے محفوظ تھا، بلاشبہ یہ ان کا ایسا حال تھا جس پر ہم جیسے گرفتار و مبتلا ہزار بار رشک کریں۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم''۔(۱)

مولانا کے دوست ورفیق درس مولانا سید مرتضی مظاہریؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا سید طلحہ صاحب (ٹونکی) فرمایا کرتے تھے ''میرا یہ بیٹا پیدائشی ولی ہے اور ان کی پاکیزہ خیالی اور ایمانی پختگی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ ''ان کے دل میں گناہ کا تصور ہی نہیں آتا''۔(۲)

---

(۱) رضوان نمبر ص: ۳۸ (۲) رضوان نمبر ص: ۱۳۶

دار العلوم ندوۃ العلماء میں ان کے رفیق درس مولانا عبداللہ عباس ندوی نے خود راقم الحروف سے فرمایا کہ میں ان کے خوب قریب رہا اور شروع جوانی سے میں نے ان کو ہمیشہ اللہ کا ولی پایا۔ اور وہ لبیک اللہم لبیک کے مقدمہ میں اسی شہادت واعتراف ایک دوسرے انداز سے پیش کرتے ہیں:

> ''مرحوم میرے درجہ کے ساتھی اور ہم عمر تھے مگر ان کی روحانی بلند پروازیاں میری فکر سے اونچی تھیں (وہ) اپنے ماموںجی (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کی آغوش میں تربیت کا درنایاب تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ومجاز تھے''۔(۱)

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی کا اعتراف وشہادت کوئی معمولی اہمیت کا حامل نہیں ان کا آفتاب رشد وہدایت نصف النہار پر تھا کہ انہوں نے اپنے ان ساتھی اور دوست کہ بقول انہی کے ''ساتھیوں میں اس ناکارہ کو جتنا قریب مولانا سے نصیب ہوا کسی اور کو اتنا حاصل نہ ہوا''۔

اپنے اس اظہار تعلق کے بعد رقم طراز ہیں:

> ''ثانی صاحب میرے مخلص رفیق بھی تھے اور مشفق رہنما بھی، زندگی میں بہت سی ایسی گھاٹیاں آئیں جن میں ان کی رہنمائی حاصل رہی، یہ حسرت تا زندگی رہے گی کہ دنیا ان سے جو کچھ حاصل کرسکتی تھی نہ کرسکی مولانا نے اتنی جلدی سفر طے کیا جس کا تصور نہ تھا''۔(۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جن کے زیر تربیت ان کے یہ بھانجے پروان چڑھے اور جنہیں شخصیات اور ان کی امتیازی خصوصیات کی معرفت میں بلکہ حامل تھا اور ان کی اس خصوصیات کو عالم اسلام تسلیم کرتا ہے وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) ص:۱۴ (۲) رضوان مولانا ثانی نمبر

''وہ عالم، مصنف، شاعر، مؤرخ وماہر انساب (علم میراث) ذاکروشاغل اور ایک دلآویز شخصیت کے حامل تھے، وہ بڑے ہر دل عزیز، رنجاں رنج اوران دینی وعلمی خصوصیات کے ساتھ بڑی انتظامی صلاحیت کے مالک، معاملہ فہم مستعد وکارگزار تھے، امید تھی کہ خاندان کا روحانی واصلاحی سلسلہ جو عرصہ سے ٹوٹ چکا ہے، ان کے ذریعہ سے پھر استوار ہوگا''۔(۱)

اور ایک موقع پر جب کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ رائے بریلی میں اپنی باہری رہائش گاہ کے درمیانی کمرہ میں تنہا تھے، اور کہہ رہے تھے اور دوسرے کمرہ میں راقم سن رہا تھا کہ

''محمد ثانی نہیں رہے وہ ہوتے تو شیخ کامل ہوتے، مرجع خلائق ہوتے۔''

---

(۱) کاروان زندگی:۲/ ۳۴۵-۳۴۶

تیرہواں باب

زندگی کے آخری ایام، عمرہ کا ایک سفر دعوتی و تعلیمی سرگرمیاں، علالت اور وفات

مفتی اعظم سعودی عرب علامہ ابن باز، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور جہاد افغانستان کے قائدین کے ساتھ ایک اہم مجلس

مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی ڈائری ''مذکراتی، جزء ۱۱۔۱۲'' سے معلوم ہوتا ہے کہ، مولانا سید محمد ثانی حسنی نے اس اہم نشست میں شرکت کی تھی جو مفتی عام مملکت سعودی عرب علامہ ابن باز (م ۱۹۹۹ء) کے دفتر اور مکان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (م ۱۹۹۹ء) اور افغان مجاہدین کے سرخیل شیخ عبد الرب رسول سیاف، استاذ برہان الدین ربانی اور جماعت اسلامی پاکستان کے امیر میاں طفیل محمد کے ساتھ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں عالم اسلام کی ممتاز شخصیات کے ساتھ ایک میٹنگ کے بعد ہوئی تھی۔ مولانا سید سلمان حسینی ندوی ۴ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ۔ ۱۰ فروری ۱۹۸۱ء کے بارے میں لکھتے ہیں:

"بعد العصر يوم الأحد كان مجلس للسيد الجد حضره بعض الناس لا سيما الطلاب، كما جاء بعض الطلاب الشاميين منهم محمد مكي، والشيخ عبد العزيز الذى هو

أستاذ و غيرهم وكان السيدالجد لم يجد وقتا للقيلولة بسبب أنه حضر الغداء عند الشيخ بن باز فى مكتبه و مقرّه، وكنت أنا و خالى محمد الثانى مع السيدالجد، سارت سيارتنا خلف سيارة الشيخ بن باز حتى وصلنا الى المقر ودخل الشيخ مكتبه وجلس مكانه، و تبعناه وجلس السيدالجد بجنبه، ثم جاء السيد ميان طفيل محمد أمير الجماعة الاسلاميه بپاكستان ومعه شاب لعله ابنه ثم جاء المجاهدون الأفغان الأستاذ برهان الدين ربانى رئيس بعض الأحزاب المجاهدة والأستاذ عبد رب الرسول سياف رئيس الاتحاد، وبدأ الشيخ بن باز يسأل ا لأخ سياف و برهان الدين عن الجهاد فبشره الأخ برهان الدين بأخبار مبشرة بالخير، وان الله عزوجل قد ألقى الرعب فى قلوب السوفيات، وحكى ان مجاهداً أخذ مرة غصن شجرة ثم ضرب بها شخصاً روسياً كان واقفاً عند دبابته حتى قتله، وكان هناك روسى آخر لما رأى هرب، وذكر أنهم يملؤون الزجاجات با لبترول و بعض المواد الأخرى ثم يضربون بها الدبابات فتعمل عمل القنبلة وتشتعل النيران فيها وذكر ايضاً أنهم يرمون بالقنابل فتقع ولا تنفجر أحيانا، فيستعملها المجاهدون للألغام ويفجرون الدبابات بها۔

كان هذا الحديث فى جوّ إيمانى طيب، ظهر فيه إهتمام الشيخ بن باز بالقضايا الإسلامية لاسيّما بقضية افغانستان و بعد قليل طلب الشيخ التمر فجئ به فى صينيات عديدة

وجلس الناس على الأرض وتوزعوا على الصينيات وتناولوا التمرثم عادوا إلى أماكنهم وشربوا القهوة ثم دعوا إلى صالة الطعام حيث كانت الصينيات الكبيرة مملوءة أرزاً مع لحم الخروف، على الطريقة النجدية وجلسنا مع الشيخ بن باز وجلس الشيخ طفيل محمد أيضاً فى هذه المجموعة وكان هناك الشيخ عبد الله بن ابراهيم الأنصارى أيضاً موجوداً۔

وجرى الكلام فى جلسة الطعام أيضاً حول افغانستان ترجم للشيخ بن باز السيد الحد بعض كلام السيد طفيل محمد لأنه لايستطيع أن يتكلم بالعربية وهورجل يبدو فى الستينات، لحيته من السواد والبياض، يلبس الطاقية المعروفة، (لياقت كيب) وهو أشم الأنف يضرب لونه إلى السمرة ويلبس نظارة سوداء قمنا بعد الطعام ورجعنا إلى أماكننا وكان هناك الأخ صلاح حانية أيضاً جاء لزيارة الشيخ بن باز، جلس السيد الحد يتكلم قليلاً مع الشيخ بن باز ثم استاذ نه فى الإنصراف، فقمنا فى الثالثة وربع إلى الفندق۔ "(١)

ترجمہ:- اتوار کو عصر بعد اباجان (یعنی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کی مجلس میں بعض شامی طلباء اور ایک استاد شیخ عبدالعزیز اور دوسرے حضرات ملنے آگئے تھے، اور اباجان کو قیلولہ کا وقت بھی نہیں مل پایا تھا اس لئے کہ ان کے ظہر کا وقت شیخ بن باز کے یہاں ان کے دفتر اور مکان پر گزرا، جہاں ظہرانہ بھی تھا اور خال

(١) مذکراتی (١٢۔١١) ص ١٥٠۔١٥١

محترم مولانا سید محمد ثانی حسنی اور میں بھی ساتھ تھا، ہم لوگوں کی گاڑی شیخ بن باز کی گاڑی کے پیچھے تھی، اور شیخ بن باز کے پیچھے ہم لوگ ان کے مکان میں داخل ہوئے، شیخ بن باز اپنے دفتر میں جا کر اپنی جگہ پر تشریف فرما ہوئے اور ہم لوگ بھی داخل دفتر ہوئے ابا جان کی جگہ انہیں کے پہلو میں تھی جہاں وہ تشریف فرما ہوئے، پھر جناب میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی پاکستان تشریف لائے اور ان کے ساتھ ایک نوجوان تھے شاید وہی ان کے بیٹے تھے، پھر افغان مجاہدین استاذ برہان الدین ربانی قائد جہاد افغانستان اور استاد عبدرب رسول سیاف قائد اتحاد تشریف لائے، اور شیخ بن باز نے سیاف صاحب اور برہان الدین ربانی صاحب سے جہاد کے متعلق گفتگو شروع کی، برہان الدین ربانی صاحب نے خوش کرنے والی خبریں سنائیں، اور بتایا کہ اللہ عزوجل نے روسیوں کے دلوں میں خوف بٹھا دیا ہے، اور سنایا کہ ایک مجاہد نے درخت کی ایک ٹہنی توڑ کر ایک روسی پر ماری جو اپنے ٹینک کے پاس کھڑا ہوا تھا اور اس ٹہنی سے ہی اس کا کام تمام ہو گیا، اور وہیں ایک دوسرے روسی نے جب یہ منظر دیکھا وہ بھاگ نکلا، اور بتایا کہ پٹرول اور بعض دوسرے مواد کو شیشوں کی بوتلوں میں بھر کر ٹینکوں پر مارتے ہیں تو وہ بم کا کام کرتے ہیں، جس سے آگ بھڑک اٹھتی ہے اور بارودی سرنگ کا کام لیتے ہیں اور ٹینکوں کو اڑا دیتے ہیں، برخلاف روسیوں کے کہ وہ بم پھینکتے ہیں اور وہ ناکام ہو جاتے ہیں، پھر مجاہدین انہیں استعمال کرتے ہیں۔

یہ گفتگو بڑے پاکیزہ ایمانی ماحول میں تھی جس سے شیخ بن باز کی

ملت اور اسلام کے لئے فکر مندی اور دلچسپی ظاہر ہو رہی تھی، خاص طور پر مسئلہ افغانستان سے ان کا گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے، پھر شیخ نے کھجور منگائے جو کئی پلیٹوں میں لائے گئے، اور انہیں زمین پر بیٹھ کر تناول کیا گیا، پھر لوگ اپنی نشستوں پر آگئے، اور قہوہ چلا، پھر کھانے کی جگہ (ڈائننگ ہال) بلایا گیا، کھانا بڑی صینیوں میں لگایا گیا جن میں دنبہ کا بھنا ہوا گوشت چاول کے ساتھ، نجدی ضیافت کے (لذیذ خوب گوشت دار بریانی) کے طریقہ پر تھا، ہم لوگ کی نشست شیخ بن باز کے پاس تھی اور اسی مجموعہ میں میاں طفیل محمد صاحب بھی تھے، جبکہ اس موقع پر شیخ عبداللہ ابراہیم انصاری بھی موجود تھے، کھانے کے دوران بھی جہاد افغانستان کا موضوع جاری رہا اور شیخ بن باز کے لئے میاں طفیل محمد امیر جماعت اسلامی کی باتوں کا ترجمہ ابا جان (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) نے کیا اس لئے کہ میاں طفیل محمد صاحب عربی بولنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے، ان کی عمر ساٹھ سال سے اوپر ظاہر ہو رہی تھی، داڑھی آدھی کالی آدھی سفید تھی، اونچی موٹی ٹوپی، جسے لیاقت کیپ سے تعبیر کیا جاتا ہے پہنے ہوئے تھے، ناک اونچی اور رنگ گندمی تھا اور آنکھوں پر کالا چشمہ، کھانے کے بعد اپنی جگہوں پر ہم لوگ آگئے، وہاں صلاح حانیہ شیخ بن باز سے ملاقات کے منتظر تھے، شیخ بن باز سے مزید ابا جان نے کچھ بات کی پھر اجازت لی اور ہوٹل آگئے، دن کے سوا تین بجے تھے۔

مولانا سید سلمان حسینی نے اس کا پس منظر تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے قبل رابطہ عالم اسلامی کی بلڈنگ میں (جو پہلے ملک سعود کا قصر تھا) جاری موتمر میں بھی

شرکت کی تھی جس میں جہاد افغانستان کا موضوع گرم رہا تھا اور استاذ عبد رب رسول سیاف کا خطاب بھی ہوا تھا، مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی تحریر کے مطابق رابطہ کی میٹنگ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جناب سید حسن عسکری طارق (مرحوم) کو ساتھ لے کر پہلے یہ فرما چکے تھے کہ تم محمد ثانی کو لے کر آ جانا اس لئے کہ وہاں سے شیخ بن باز کے گھر جانا ہے اور وہیں دوپہر کا کھانا بھی کھانا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی اس میٹنگ میں جس میں استاذ عبد رب رسول سیاف، اور شیخ عبداللہ بن ابراہیم الانصاری (قطر) اور شیخ عبدالمجید اندانی کے خطاب سے خطاب بھی ہوئے اور اس کے متعلق تبادلہ خیال بھی ہوا یہ نشست ظہر تک چلی اور شیخ بن باز نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر خصوصی میٹنگ ان کے مکان پر ہوئی جس کی تفصیل گزشتہ سطروں میں پیش کی گئی۔

مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے ان تجاویز وقرارداد کی بھی تذکرہ کیا ہے جو بعد میں رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے جہاد اسلامی افغانستان کے لئے مختلف نوعیت کے تعاون اور مالی امداد کے طور پر سامنے آئیں، اور اس کے نتیجہ حجاز ونجد اور وہاں کی تنظیموں، اور اداروں اور اسلامی وملی فکر رکھنے والی شخصیات اور اصحاب حیثیت افراد نے اجتماعی وشخصی طور پر کی، اور شوق شہادت وجذبہ اعلاء کلمۃ اللہ رکھنے والے لوگوں نے خود جا کر اور شریک جہاد ہو کر بھی جان ومال سے شرکت کی۔

المجمع الفقهي کے پروگرام میں بھی شرکت کی تفصیل بھی مولانا کی تحریر کردہ روداد سے ملتی ہے۔

لکھنؤ میں بین الاقوامی ادبیات اسلامی کانفرنس میں شرکت، رائے بریلی کے مدرسوں ضیاء العلوم اور فلاح المسلمین کے دو مقامی پروگرام

جمعہ/۱۰، رجب المرجب ۱۴۰۱ھ/۱۵، مئی ۱۹۸۱ء کو مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی کا ایک جلسہ اس مناسبت سے رکھا گیا کہ جمعرات ۹ رجب المرجب/۱۴، مئی کو مدرسہ ضیاء العلوم میں جو آپ کے وطن مین قائم ہے اور اس کے ناظم کی قائم مقامی بھی

کرتے تھے اور معتمد تعلیم بھی تھے، یادگار جلسہ منعقد کیا گیا تھا جس کی تنظیم وتنسیق میں ناظم مدرسہ مولانا سید محمد طاہر منصور پوری کے ساتھ آپ بھی شریک تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، اوران کے ممتاز رفیق درس حضرت مولانا محمد ناظم ندوی جو کراچی پاکستان سے تشریف لائے تھے اور حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی دوسری اہم شخصیات شریک تھیں جن میں مولانا عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء جو مکہ مکرمہ سے تشریف لائے تھے اور مولانا برہان الدین سنبھلی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء وناظم مجلس تحقیقات وشرعیہ ندوۃ العلماء بھی شریک ہوئے تھے۔ مدرسہ ضیاء العلوم کی طرح مدرسہ فلاح المسلمین میں بھی یہ حضرات تشریف لے گئے، اور مدرسہ ضیاء العلوم کی طرح یہاں بھی کتب خانہ کا افتتاح ہوا، اور دوسرے پروگرام ہوئے، فلاح المسلمین کی مسجد میں جمعہ حضرت مولانا کے فرمانے سے حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب نے پڑھایا اور دونوں مقامات پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مؤثر تقریر کا مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے اپنی ڈائری ''مذاکراتی'' (۱۱۔۱۲) صفحہ ۲۶۳۔۲۶۸ میں تذکرہ کیا ہے۔ اور دونوں پروگراموں کی تفصیل بیان کی ہے، ضیاء العلوم کے پروگرام کا آغاز مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا تھا انہوں نے بچوں کے پروگرام کا بھی تذکرہ کیا ہے مولانا محمد ثانی حسنی نے بھی طلبہ کی تیاری میں حصہ لیا تھا، راقم السطور کی تقریر انہی کی لکھی ہوئی تھی جو اس موقع پر پیش کی گئی، اس میں انہوں نے پیش کرنے والی کی سطح کا اور عمر کا پورا لحاظ رکھا تھا، راقم کی تقریر میں مدرسہ کا اچھا تعارف بھی پیش کر دیا تھا، فلاح المسلمین امین نگر تینندوا کی تقریب میں بھی بچوں کے پروگرام تھے جن میں ان کی لکھی ہوئی نظمیں اور ترانے بھی تھے جو طلباء نے سنائے اور بچوں پر ان کی خصوصی شفقت کا ایک نمونہ بھی سامنے آیا کہ ایک عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جانا تھا تو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ جن اہم لوگوں سے سنگ بنیاد رکھایا تو مولانا سید محمد الحسنی کے دس سالہ فرزند مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی سے بھی رکھایا جیسا کہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے لکھا ہے ان

تینوں پروگراموں کو جن کا بیان یہاں ذکر کیا گیا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی مکمل سرپرستی حاصل رہی تھی۔

عیادت وتعزیت، صلہ رحمی اور اہل اللہ کی خدمت میں

جناب مصباح الدین نقوی صاحب معتمد مال ندوۃ العلماء نے بروز جمعہ ۱۵/ جنوری ۱۹۸۲ء کو لکھنؤ میں اپنی قیام گاہ واقع نواب علی روڈ پر ایک مختصر علالت کے بعد وفات پائی، وہ منشی احترام علی کاکوروی کی وفات کے بعد معتمد مال ہوئے تھے، بڑے نیک نفس اور بلند اخلاص واخلاق کے حامل تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان کے گھر تعزیت کو تشریف لے گئے تو مولانا محمد ثانی حسنی اور نواب عبیدالرحمٰن خان شیروانی فرزند نواب صدر یار جنگ بھی ساتھ تھے، راقم الحروف بھی مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کے ساتھ اسی گاڑی میں تھا، مولانا اپنی صاحبزادی کے مکان پر بھی تشریف لائے، نواسوں، نواسیوں سے دل جوئی فرمائی اور دوسرے افراد خاندان سے بھی ملاقاتیں کیں، ا، سبھی کا دل خوش کیا، اور دوسرے اہل تعلق سے بھی ملے اور حقوق ادا کیے۔

محرم ۱۴۰۲ھ/نومبر ۱۹۸۱ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مولانا محمد ثانی حسنی اور دوسرے اہل تعلق کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی دہلی تشریف آوری پر ان کی عیادت کے لیے سفر فرمایا، جسے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح شیخ الحدیث میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

> "علالت وضعف کی حالت میں ۱۵/محرم ۱۴۰۲ھ (۱۲/نومبر ۸۱ء) کو حضرت شیخ مدینہ طیبہ سے ہندوستان تشریف لائے، اور ۲۰/روز دہلی قیام رہا، مرض کا اشتداد، اور ضعف کا شدید غلبہ ہوا، اور صحت بہت نازک مرحلہ پر پہنچ گئی، اہل تعلق اور اہل الرائے کا مشورہ اور اصرار ہوا کہ دہلی میں کسی ایسے اسپتال میں داخل کیا جائے، جہاں پوری ذمہ داری وہمدردی کے ساتھ علاج ہوتا ہو،

چنانچہ ہولی فیملی میں داخل کرنے کا مشورہ ہوا، وہاں مکمل طبی معائنہ، ضروری ایکسرے، اور ہر طرح کے امتحانات ہوئے۔

معالجین کو کینسر کا شبہ تھا، کئی بار ضعف کی وجہ سے خون چڑھانے کی نوبت آئی اور متعدد بار امید وبیم کی حالت پیدا ہوئی، ناچیز راقم سطور، مولانا محمد منظور صاحب اور رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں عزیزان محمد ثانی، مولوی معین اللہ، مولوی طاہر وغیرہ تھے، زیارت وعیادت کے لیے دہلی گیا، وہاں شیخ کے شدید ضعف و علالت کی شدت کو دیکھ کر شدت سے قلب میں اس بات کا تقاضا ہوا کہ کسی طرح حضرت شیخ کو مدینہ طیبہ پہنچایا جائے، مبادا کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس پر ہمیشہ قلق وندامت ہو، اور مخالفین و معاندین کو شماتت کا موقع ملے، اس رائے میں مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند جو برابر حالات کا مطالعہ کر رہے تھے، اور وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے رہتے تھے، نہ صرف شریک بلکہ اس رائے اور مشورہ میں ہم لوگوں سے کچھ آگے ہی تھے، بالآخر راقم سطور اور مولانا نے بڑی صفائی اور ایک حد تک جرأت و جسارت کے ساتھ منتظمین و تیمارداروں کی خدمت میں اپنی رائے پیش کی، حالات کا تقاضا تھا کہ ایک دن کی بھی تاخیر نہ کی جائے، لیکن ذمہ داروں اور تیمارداروں نے (جن میں شیخ کے خادم خاص الحاج ابو الحسن پیش پیش تھے) اس سے اتفاق نہیں کیا، اور کہا کہ ابھی تو شیخ کو سہارنپور لے جانا ہے، اور وہاں قیام کرانا ہے، جس کی شیخ کو خواہش بھی ہے، اور کئی بار اشارے بھی فرمائے۔

ہم لوگ اس سے زیادہ اصرار نہیں کر سکتے تھے، ان حضرات کے

احترام میں تو کلاً علی اللہ خاموشی اختیار کی۔
ہولی فیملی سے شیخؒ، حافظ کرامت اللہ صاحب کی کوٹھی میں تشریف لائے، جہاں آرام و علاج کی سب سہولتیں تھیں، ۴/صفر ۱۴۰۲ھ (۲/دسمبر ۸۱ء) کو سہارنپور تشریف لے گئے، اسی عرصہ میں ہم لوگوں کی دوبارہ حاضری ہوئی، اور دیکھا تو دہلی سے بہتر حالت پائی، لیکن اطمینان اب بھی نہ تھا۔''(۱)

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کی خدمت میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ذریعہ ایک خط بھیجا، جس سے حضرت شیخ کو بڑی خوشی ہوئی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان اپنے سفر مدینہ منورہ کے ذکر میں اس کے بارے میں ''آخری ملاقات'' کے عنوان سے سوانح شیخ الحدیث میں لکھا ہے کہ

''۲۹/ربیع الاول ۱۴۰۲ھ (جنوری ۱۹۸۲ء) کو رابطہ عالم اسلامی کی ''المجلس الاعلی للمساجد'' اور ''المجمع الفقهی'' کی شرکت کے لیے میں، مولوی معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی معیت میں مکہ معظمہ حاضر ہوا، حضرت شیخ حسن اتفاق سے مکہ معظمہ ہی میں بھائی سعدی صاحب کے مکان پر فروکش تھے، اور ہمارا قیام اس سے متصل ہی ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی کے مکان پر تھا، جس کا صرف چند گز کا فاصلہ ہے، حضرت شیخ ہمیشہ کے معمول کے مطابق بڑی بشاشت و شفقت سے پیش آئے، ضعف بہت تھا، لیکن دماغ اسی طرح بیدار و حاضر تھا، میرے ساتھ از راہ شفقت جو معاملہ مدینہ طیبہ

(۱) سوانح حضرت شیخ الحدیث: ۱۶۶-۱۶۸

کے قیام میں فرماتے تھے، اس کا اعادہ فرمایا، بھائی ابوالحسن سے کہا کہ علی میاں کو مدینہ طیبہ میں جو خمیرہ کھلاتے تھے وہ روزانہ دیا کرو، ٹھنڈے پانی کو بھی بار بار پوچھتے، اور ہدایت فرماتے، اس وقت سب سے زیادہ حضرت کے قلب و دماغ پر جو چیز طاری اور حاوی تھی وہ دارالعلوم دیوبند کا قضیہ تھا، دن میں دومرتبہ حاضری ہوتی کوئی حاضری ایسی یاد نہیں جس میں دارالعلوم کی کوئی نئی خبر دریافت نہ فرمائی ہو، اور اس کے اختلاف کے بارے میں اپنی دلی تشویش وفکرمندی کا اظہار نہ فرمایا ہو، میں نے عزیز محمد ثانیؒ کا ایک نیاز نامہ بھی دیا اور عرض کیا کہ جب موقع ہو سن لیا جائے، فرمایا: نہیں، ابھی سنوں گا، غالبًا مولوی طلحہ صاحب نے پڑھ کر سنایا، فرمایا: اس کا جواب بھی لکھواؤں گا، اس وقت کیا معلوم تھا کہ صرف دو ڈھائی مہینے کے فصل سے خادم و مخدوم، اور مرید و مسترشد اللہ کے یہاں پہنچ جائیں گے۔'' (۱)

عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی کی خدمت میں حاضری

مولانا محمد عظیم خان ندوی وفات سے آٹھ نو دن پہلے مدرسہ فلاح المسلمین تشریف آوری کے تعلق سے سفر پرتاب گڑھ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی دن ۷؍فروری کو ساڑھے دس بجے پرتاپ گڑھ کے لیے روانہ ہوئے، مولوی عبدالباری صاحب ندوی، بھائی شرافت خاں صاحب اور شیخ علیم الدین صاحب ندوی رفقائے سفر تھے، اس چھوٹے سے قافلے کے ساتھ وہ پھولپور روانہ ہوئے، ہم سفروں کا بیان ہے کہ راستہ میں خوش وخرم اور تازہ دم تھے، شیخ

(۱) سوانح شیخ الحدیث: ۱۶۸-۱۶۹

علیم الدین صاحب ندوی کہتے ہیں کہ مولانا کی ذات سراپا شفقت ومحبت نظر آئی، تبلیغ کے واقعات بزرگان دین کے واقعات سناتے رہے، مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالتے رہے اور سفر طے ہوتا رہا، پھولپور پہنچے، مولانا سے ملاقات ہوئی، ان کے سامنے وہ بہت ہی ادب کے ساتھ بیٹھتے، زیادہ خاموش رہتے، اسی ملاقات میں انہوں نے رائے بریلی سے قریب ایک موضع سدھونا میں جہاں مولانا شاہ بدر علیؒ کا مدفن ہے اور مولانا شاہ محمد احمد صاحب دامت فیوضھم انہیں کے خلیفہ مجاز ہیں ایک مدرسہ قائم کرنے کی اجازت لی، انہوں نے اس کے قیام کی اجازت دی، اور اس کا نام ''بدر العلوم'' خود تجویز فرمایا(۱) واپسی میں احباب نے پرتاپ گڑھ سے رائے بریلی بس سے سفر کا مشورہ دیا، لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا اور بااصرار ٹرین سے سفر کیا کہ اس مدرسہ کی زیارت ہوجائے گی جو میری زندگی کا ماحصل ہے، دوران سفر سرور وکیف کی کچھ ایسی حالت رہی کہ کسی کو وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ چند دنوں میں ہم سے جدا ہوکر اپنے رب سے جاملیں گے، لیکن یہ تو خدا کی مشیت اور اس کی مرضی تھی کہ اس دار الفنا سے رخصت ہوئے۔

جہان اہل دل ان کو ہمیشہ یاد رکھے گا
کہ کم ہوتا ہے ایسا عشق کا پیغمبر پیدا''(۲)

---

(۱) سدھونہ میں جو شہر رائے بریلی سے ۹/کلومیٹر پر واقع ہے، اور الحمد للہ یہ مدرسہ بدر العلوم برابر ترقی پر گامزن ہے اور اس کے ناظم مولانا محمد ثانی حسنی کے خلف الرشید مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی حال ناظر عام ونائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہیں۔(م)

(۲) مولانا محمد ثانی حسنی ماہنامہ رضوان نمبر ۱۹۸۳ء

مرض الوفات

مولانا کو اوائل جنوری میں تکیہ رائے بریلی میں ایک کتے نے پنجہ سے کھروچا تھا، جس کو ڈاکٹروں نے زیادہ اہمیت نہ دی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کو ضروری نہ سمجھا اور فوری طور پر اس کے اثرات بھی ظاہر نہ ہوئے، مگر ۱۲ رفروری جمعہ سے مولانا کے پیٹ میں تکلیف ہونے لگی جسے صرف پیٹ کی تکلیف سمجھا گیا، چونکہ مولانا پیٹ کے مریض بھی تھے اس لیے اس تکلیف کی جانب زیادہ توجہ نہیں کی گئی، مگر جب ۱۳ رفروری کو تکلیف بڑھی تو سہ پہر کو حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم نے شہر رائے بریلی کے حضرت مولانا کے ایک عقیدت مند حاجی شفیق الرحمٰن صاحب سے ڈاکٹر بلانے کے لیے مشورہ کیا، چونکہ اس وقت عام طور سے ڈاکٹروں کے ملنے کا وقت نہ تھا اس لیے اس میں کامیابی نہ ہوئی، مگر حاجی شفیق الرحمٰن صاحب نے اس مرض کو پہچان لیا اور اسی وقت رکشہ پر بٹھا کر رائے بریلی کے اسپتال لائے، موجود ڈاکٹر نے دیکھنے کے بعد کہا کہ اب کتے کی زہر کی علامات ظاہر ہو گئیں ہیں اس وقت کوئی بھی دوا کارگر نہیں ہوگی۔

لکھنؤ کا سفر اور علاج کی تدابیر

رائے بریلی سے مولانا محمد ثانی حسنی کو مولا سید محمد رابع صاحب ندوی (جو مولانا کے چھوٹے بھائی ہیں) اس وقت اسپتال کی ایمبولینس لے کر لکھنؤ لے آئے اور آمد سے قبل لکھنؤ اطلاع کردی کہ مولانا کی طبیعت خراب ہے اور اسپتال کے ڈاکٹروں او رذمہ داروں سے داخلہ اور علاج کے متعلق انتظامات کر لئے جائیں، یہ اطلاع ندوہ میں آٹھ بجکر پانچ منٹ پر پہنچی، عشاء کی اذان ہو چکی تھی، فرض نماز کے بعد مولانا کی شدید علالت کے ساتھ دعائے صحت کا اعلان ہوا، عشاء کی نماز کے بعد مہتمم دارالعلوم (مولانا محبّ اللہ ندوی علیہ الرحمۃ) کے ہمراہ اساتذہ کرام مولانا کی رہائش گاہ پر گئے، تاکہ آمد کے وقت صحیح حالات کا علم ہو، مولانا تقریباً ساڑھے دس بجے کے قریب پہنچے، ڈاکٹر

اشتیاق حسین قریشی صاحب موجود تھے، ان کے مشورہ سے علاج وقتی طور پر شروع ہوا مگراس سے کوئی افاقہ نہیں ہوا، دوسرے دن صبح کواس مرض کے سلسلہ میں جدیداور قدیم رائج طریقے اپنائے گئے اور کاکوری سے ایک صاحب کوقدیم طریقہ علاج کے لیے بلایا گیا، ان کے طریقہ کار سے کسی حدتک مولانا کوسکون ہوااور مرض کی شدت میں قدرے کمی ہوئی، اس کے بعد شہر کے مشہور معالج ڈاکٹر اگروال جواس مرض کے ماہر مانے جاتے ہیں، سے ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب کی معرفت رابطہ قائم کیا گیا، انہوں نے ۱۴رفروری کوبارہ بجے دن میں دیکھااور کچھ دوائیں اورانجکشن تجویز کیے اور یہ بھی کہا کہ اس کاانجکشن دلی کے فلاں کیمسٹ کے یہاں ملے گا، اگرآپ لوگوں کے وسائل ہوں تو اسے ضرور حاصل کرنے کی کوشش کریں، چونکہ ۱۴رفروری کویکشنبہ تھااس لیے دوا نہ مل سکی، مگراس کے لیے لکھنؤ سے آدمی شام کوروانہ کردیا گیا تاکہ دوشنبہ کے دن مارکیٹ کھلنے پرانجکشن حاصل کرلیا جائے اس وقفہ میں مولانا کی طبیعت رو بہ سکون تھی اوراندازہ ہورہاتھا کہ مرض میں بھی کمی ہوتی جارہی ہے، مگرخودمولاناصحت کی جانب پرامید نہ تھے ۱۳رفروری کوحضرت مولانا سیدابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمۃ حجاز سے واپسی میں بمبئی رکے تھے، انہیں مطلع کیا گیا، بروقت ہوائی جہاز میں سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے سفرٹرین سے کیااورلکھنؤ ۱۵رفروری کی شام کوپہنچ گئے۔

اچانک ۱۶رفروری کے بالکل ابتدائی اوقات میں مرض نے پھرشدت اختیار کی اوررات بھرسونہیں سکے، صبح کوڈاکٹر اگروال اوردیگر ماہرڈاکٹر دیکھنے آئے اوراسی وقت دہلی سے مطلوبہ انجکشن بھی آگیا جوڈاکٹر اگروال نے خودہی لگایا، اس وقت مولانا نے فرمایا کہ مجھے رات بھرنیندنہیں آئی ہے، سونے دیجیے، مولانا کوآرام کی غرض سے چھوڑ دیا گیا اوراسی حالت میں ۱۶رتاریخ کو۱۱ربجے دن میں مولانا کی روح پرواز کرگئی، مولانا کی تجہیز وتکفین مولانا بشیرحسین صاحب استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء نے انجام دی، پہلی نماز جنازہ ندوہ کے وسیع میدان میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے پڑھائی اوردوسری نماز تکیہ رائے بریلی میں حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ساڑھے

دس بجے بعد نماز عشاء پڑھائی اور تدفین حضرت مولانا کے خاندان کے مخصوص قبرستان میں جو مسجد تکیہ کے سامنے ہے ہوئی۔(۱) انا للہ وانا الیہ راجعون. چودھری علی مبارک عثمانی مرحوم نے ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وقت آخر زندگی میں جو کچھ ہوتا ہے وہی ظاہر ہوتا ہے عموماً کتے کے کاٹنے سے جو حالت انسان کی ہوتی ہے وہ ان کی نہ ہوئی بلکہ تلاوت قرآن، دعائیں اور پیغام حق کی تلقین آخری سانس تک کرتے رہے اور پھر ہمیشہ کے لیے آغوش رحمت میں ابدی نیند سو گئے اللہ اپنے فضل سے ان کے درجات عالیہ بلند فرمائے اور ہم سب کو خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت نصیب ہو“۔(۲)

مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے مشاہدات اور ان کی ڈائری کے چند اوراق

مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرض وفات کا حال مولانا مرحوم کے بھانجے اور نامور عالم دین مولانا سید سلمان الحسینی ندوی صاحب مدظلہ اپنے مشاہدات کی روشنی میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

”۱۸ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء کی تاریخ تھی، اور سنیچر کا دن، عشاء کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ برادر عزیز عمار حسنی (۳) نے آکر بتایا کہ ”خالوں ماما“ (میں ان کو خالو ماماں کہتا تھا، کیونکہ وہ میرے خالو بھی تھے اور

(۱) ماخوذ از تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۵ فروری ۱۹۸۲ء
(۲) مقدمہ منتخب کلام ثانی، از: چودھری علی مبارک عثمانی مرحوم
(۳) مولانا سید عمار محمد عبد العلی حسنی ندوی مہتمم مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ

ماموں بھی ہوتے تھے) کی طبیعت بہت خراب ہے اور رائے بریلی سے لکھنؤ بغرض علاج لائے جارہے ہیں، ابھی پہنچنے والے ہیں، میں باہر جا کر انتظار کرتا رہا، خاصی دیر ہوگئی، پھر گھر واپس آ گیا، تقریباً سوا دس بجے شب میں برادرم صہیب (۱) نے آ کر خبر دی کہ گاڑی آ گئی، میں بھاگتا ہوا پہنچا تو دیکھتا ہوں کہ ایمبولینس گاڑی میں ان کو لایا گیا ہے، ندوہ کے بعض اساتذہ بھی موجود ہیں اور ڈاکٹر اشتیاق صاحب ان کی نبض دیکھ رہے ہیں، دل دھک سے ہوگیا، یہ معلوم ہو چکا تھا کہ کتے کے ناخن کا کھرونچا ان کو لگا تھا، یہ اسی کا ابھار ہے۔ اس بیماری سے تقریباً ایک مہینہ پہلے راستہ چلتے وہ کسی ضرورت سے ذرا جھکے تھے کہ ایک پاگل کتے نے ان کی پیشانی پر پنجہ مارا اور معمولی سی خراش آ گئی تھی، کیونکہ ناخن کی خراش تھی اس لیے فوری اور وقتی علاج خراش کا کرلیا گیا اور یہ خیال نہ آیا کہ باقاعدہ انجکشن لگوالئے جائیں، ڈاکٹروں نے بھی اس کی ضرورت محسوس نہ کی، لیکن اس کے ناخن میں بھی زہر بجھا ہوا تھا، جو بڑھتے بڑھتے ایک مہینہ کے بعد شدید درد و کرب کی شکل میں تبدیل ہوگیا اور پھر کتے کے کاٹے کے مرض کی ابتدا ہوگئی، اور شدید آواز کے ساتھ تھوڑی تھوڑی دیر پر کھانسی کا سلسلہ شروع ہوگیا، اسی لمحہ فیصلہ کیا گیا کہ رائے بریلی سے فوراً لکھنؤ لایا جائے اور جو تدابیر علاج کی ہو سکتی ہوں اختیار کی جائیں۔

یکشنبہ کی رات الجھنوں اور پریشانی اور فکرمندی میں گذری، گھر کے لوگ دو بجے رات تک جاگتے رہے، مختلف ہومیوپیتھک

---

(۱) مولانا سید صہیب حسینی ندوی صدر شعبہ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دواؤں کا بھی استعمال کیا جاتا رہا، صبح سے ڈاکٹروں اور حکیموں کا سلسلہ لگا رہا، مختلف دوائیں تجویز ہوتی رہیں اور دی جاتی رہیں۔

اتوار کے دن مولانا ثانی صاحب علیہ الرحمۃ کو بہت ضعف لاحق تھا، لیکن اپنے اقرباء، بھانجوں، بھتیجوں، نواسوں، نواسیوں کی محبت کا شدید غلبہ تھا۔ ان کو اپنے سے لگالیتے اور روتے۔ ادھر ڈاکٹروں نے شدت سے منع کردیا تھا کہ مریض کے قریب زیادہ نہ جایا جائے اور مریض کو شدت سے تقاضا تھا کہ سب قریب ہوں۔ اور سب کو گلے لگالیں، زندگی سے مایوسی کا غلبہ تھا، اور اس کا اظہار بھی الفاظ میں ہوجاتا تھا، اسی اثنا میں گلوکوز کی بوتل چڑھائی گئی، جس کے بعد نیند آگئی اور خراٹوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی اس وقت بمبئی میں تشریف فرما تھے، ان کو بذریعہ ٹیلیفون اتوار ہی کو اطلاع دی گئی، دوشنبہ کو مغرب سے کچھ دیر پہلے براہ کانپور تشریف لائے۔

بہر حال اتوار کا دن سخت گذرا، دوشنبہ کو صبح حالت بہتر تھی، میں اور (خالو میاں) سید مسلم حسنی صاحب ان کے پاس بیٹھے تھے، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بھی تشریف لائے اور دیر تک بیٹھے ان پر دم کرتے رہے، ہر ممکن تدبیر اختیار کی جارہی تھی، ایک صاحب جو کتے کا کاٹا جھاڑتے ہیں انہوں نے گڑ کی گولیاں دم کرکے کھلائیں، جس کے بعد کئی مرتبہ تھوک چھین کی طرح آیا اور بظاہر تھوڑی سی تخفیف معلوم ہوئی، مولانا مرحوم پر اس وقت محبت کے اظہار اور گریہ وزاری کا غلبہ تھا، کوئی بھی جانا پہچانا آتا تو اس سے محبت کا اظہار فرماتے، معافی تلافی کرتے، اور

کبھی خود جوش میں کہتے کہ میرے اندر محبت کا چشمہ پھوٹ پڑا ہے، اعزہ واقربا، صاحبزادی سیدہ امامہ، صاحبزادہ سید حمزہ حسنی، بھتیجے جعفر بن مولانا محمد واضح صاحب، بھتیجیوں (صاحبزادیاں مولانا محمد رابع صاحب) اور دیگر بھانجوں، بھتیجوں، نواسوں اور نواسیوں کو (محمود، مسعود، عائشہ، شمامہ) کو بلایا اور محبت برداشت سے باہر ہوگئی، مولانا محمد میاں مرحوم کے صاحبزادگان عبداللہ، عمار اور بلال کو دیکھ کر مرحوم کی یاد تازہ ہوگئی اور رونے کے ساتھ چیخ نکل گئی اور ایک ایک کو چمٹایا، حمزہ بھیا سے کہا؛ تم میرے محبوب بیٹے ہو، وہ ان پر گر گئے اور دونوں کے لیے بات برداشت سے باہر ہوگئی، ان کی اس وقت کی محبت کے انداز بھی نرالے تھے، واقعی محبت کے سوتے پھوٹ گئے تھے، اور جس محبت کو اب تک ایک خاص وضعداری کی وجہ سے دبا رکھا تھا، وہ آج بے نقاب ہوگئی تھی۔(۱) اپنے دونوں بھائیوں مولانا محمد رابع صاحب، مولانا محمد واضح صاحب کو قریب کیا اور دونوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ کچھ قرآن سناؤ، لیکن بشارت کی آیتیں سنانا، مجھ پر بھی ان کی کیفیات اور انداز طلب کا ایسا اثر پڑ رہا تھا کہ میں نے تاثر وانفعال کے ساتھ اور اپنے کو بڑی حد تک قابو میں رکھتے ہوئے، سورہ والضحیٰ پڑھی، ایک ایک آیت پر رکتا، اور

---

(۱) گھر کے اور لوگ بھی حاضر کیے گئے خود راقم کا اپنا اور اپنے بھائی بہنوں کا حاضر ہونا اور ان کا اظہار تعلق ومحبت آج بھی یاد رہے یہ واقعہ ہے کہ محبت کا چشمہ ابل رہا تھا ان کے بھائی مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (حال معتمد تعلیم ندوۃ العلماء) کہتے ہیں کہ مجھ سے اظہار تعلق میں فرمایا کہ مجھے تم سے اتنا تعلق ہے کہ تمہارے لیے مجھ کو جسم کا کوئی حصہ آنکھ کان وغیرہ تک دینا پڑے تو دینے کے لیے تیار ہوں۔

وہ تقریباً سارے ہی حاضرین آیات کا مطلب سمجھ رہے تھے اور مولانا مرحوم تو کیف سے سرشار معلوم ہو رہے تھے، سورۃ الضحیٰ کے اختتام پر فرمایا کہ اس کے بعد والی سورہ بھی پڑھ دو، بس اس سورہ کا ختم کرنا تھا کہ وہ شوق و وارفتگی میں کہنے لگے، ''اگر بے ادبی نہ ہو تو لاؤ تمہارا منھ چوم لوں''۔ ان پر اس کا اتنا اثر تھا کہ مجھے قریب کیا لپٹایا اور کوشش کی کہ منھ چومیں، میں نے پیشانی پیش کر دی، تاکہ منھ میں لعاب نہ جائے، اس لیے کہ لعاب صحت کے لیے مضر تھا، اس کے باوجود مولانا محمد رابع صاحب نے صابون سے دھونے کی تاکید کی، لہٰذا ڈاکٹر اشتیاق صاحب نے اس کے اثر کو رفع کرنے دوا بھی دی جو استعمال کی۔

اپنے برادر خورد مولانا محمد رابع صاحب ندوی سے بے انتہا محبت کا اظہار فرماتے اور احترام وعظمت کا بھی اور ان کی علوئے فطرت، پاکیزگی اور صلاح کی تعریف کرتے، ان سے فرمانے لگے اپنا سینہ میرے سینہ پر رکھ دو، حالانکہ وہ حد درجہ متاثر تھے مگر پوری قوت برداشت سے کام لے رہے تھے۔(۱)

آنے والے لوگوں سے کہتے مجھے معاف کرنا، الحاح وزاری کے ساتھ معافی مانگتے، اور یہ حال اس وقت تھا جبکہ ان سے میرے علم میں کسی کو کبھی تکلیف نہیں پہنچی، یہ صورت حال دوپہر تک

(۱) مولانا سید محمد مرتضی حسینی نقوی مرحوم ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء جو مولانا کے دور مظاہری کے رفیق اور بے تکلف دوست تھے اس بارے میں لکھتے ہیں:
''مولانا رابع صاحب کو بڑے اصرار سے بلایا وہ آئے تو فرمایا: رابع جی چاہتا ہے کہ تمہارے پاؤں چوم لوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے''۔ (محمود)

رہی، پھر میں اپنے گھر چلا آیا۔
عصر بعد جب میں پھر حاضر ہوا، تو اس وقت ان کی گفتگو عارفوں، داعیوں اور مصلحوں کی گفتگو تھی، اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنی اصل متاع دے دینا چاہتے ہیں، ان کی آواز میں بلا کا جوش، طاقت روانی اور قوت تھی، وہ نہایت بلند آہنگی اور جوش کے ساتھ بول رہے تھے، پھر طاقت جواب دے دیتی، تھوڑی دیر رک کر پھر بولنے لگتے، کاش اس وقت کے کلمات اور الفاظ نقش ہو جاتے، چند کلمات جو میں نے ڈائری میں نوٹ کر لیے تھے پیش کرتا ہوں۔
جناب محمد شرافت خاں صاحب ناظر مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور اور جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی مہتمم مدرسہ فلاح المسلمین جنہوں نے مرض الوفات میں مولانا مرحوم کی بہت خدمت کی جس کا صلہ اللہ تعالیٰ ہی ان کو اپنے شایان شان نصیب فرمائے گا، ان سے اور ان دو مدرسوں سے مولانا مرحوم کو بے انتہا تعلق تھا، (۱) بلکہ انہیں کے الفاظ میں ان مدرسوں سے عشق تھا، ان دونوں کے ہاتھ پکڑے اور کہا میں تم دونوں سے ایک عہد لیتا ہوں، یہ کہتے ہوئے ان کی آواز بے انتہا بلند ہوگئی، کہ تم دونوں مدرسہ ہی میں جیو گے اور مدرسہ ہی میں مرو گے اور کبھی ان مدرسوں کو نہ چھوڑو گے، پھر فرمایا ہم بھی عہد کرتے ہیں اور تم بھی عہد کرو کہ مدرسہ ہی میں جییں گے اور مدرسہ ہی میں مریں گے، اور دین کی خدمت کریں گے اور ہر طرح کے

(۱) محترمی جناب محمد شرافت خاں صاحب کہتے ہیں، ان دونوں سے کہا کہ تم دونوں میرے دو بازو ہو۔

اختلافات ختم کر دیں گے، کبھی کہتے: میں دین کی خدمت کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں، مجھے مال کی طلب نہیں، محل کی خواہش نہیں، میں اپنے دین کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، اور پھر بعض موثر اور درد انگیز اشعار پڑھنے لگتے۔(۱)

اپنے داماد برادر مکرم سید حسن حسنی سے فرمایا، ہم تم سے ایک بات کہتے ہیں، تم اس کو مانو گے، انہوں نے کہا کہ ہاں ضرور مانیں گے، فرمایا، حسن داڑھی رکھ لو، یہ مسلمان کا نور ہے، اگر تم نے داڑھی رکھ لی تو ہم تم سے بہت خوش ہوں گے، تم ہمارے محبوب داماد ہو، انہوں نے کہا، انشاء اللہ رکھ لیں گے، بس اس پر بے انتہا مسرور ہوئے اور فرمانے لگے، اب میں حسن میاں کہوں گا، اور پھر فرمانے لگے: اب میں حسن میاں سے کہوں گا کیسی میری خدمت کی ہے، میں کیا بدلہ دے سکتا ہوں۔(۲)

مدرسہ فلاح المسلمین کے بعض طلبا جو خدمت کے لیے ہمہ وقت حاضر تھے اور جنہوں نے واقعی بہت خدمت کی، ان کو بلایا اور خاصی دیر تک ان سے گفتگو کی، اپنی تاریخ ان سے بیان کی، مولانا محمد الیاسؒ سے کیسے اور کب تعلق ہوا، مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے تعلق و محبت کا تذکرہ کیا اور پھر ان سب سے عہد لیا اور آواز میں پھر وہی جوش وخروش، وہی داعیانہ بے کلی، وہی جذب اندروں اور وہی

---

(۱) جناب محمد شرافت خاں صاحب کہتے ہیں کہ مدرسہ کی خدمت اور ماں کی خدمت کے لیے اپنی زندگی کی تمنا ظاہر کی۔(م)

(۲) بعد میں اس عہد کی پاسداری کرتے ہوئے داڑھی رکھ لی تھی اور پھر ہمیشہ رکھی، حج پر اپنی اہلیہ کے ساتھ گئے اور جس دن انتقال ہوا اس شب کو دعا میں ایسی توحید کا اظہار تھا جو ایک مومن صادق کی شان ہے، جو آج بھی کانوں میں گونجتی ہے، مولانا سلمان حسینی ندوی نے ان کی وفات کے بعد کہا: غیر عالموں میں ہم نے کسی توحید وعقیدہ میں ایسا مضبوط نہیں دیکھا جیسے بھائی حسن تھے، ۲/ جنوری ۲۰۱۳ء کو لکھنؤ میں وفات پائی، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

شوق ووارفتگی تھی، کہ تم دین کی خدمت وہیں کروگے، جس میں تم نے پڑھااور فارغ ہوئے وہ طلباء یوسف فاروق وغیرہ اسی علاقہ کے تھے، اس لیے ان سے فرمایا کہ تمھارے آباء واجداد کے ہم لوگوں پر مادی احسانات ہیں اور ہم ان کے شکرگذار ہیں اور ہم لوگوں کے تم پر دینی احسانات ہیں، تم کو ان کی قدر کرنا چاہیے، پھر فرمایا، آؤ عہد کریں کہ تم ہم پر قربان ہوجاؤ گے ہم تم پر قربان ہوجائیں گے، تم ہم سے محبت کروگے ہم تم سے محبت کریں گے، اس گفتگو کے دوران جس کا لب ولہجہ بتاتا تھا کہ یہ آخری بے تابانہ وصیتیں ہیں کیونکہ وہ بھی سمجھتے تھے کہ اس مرض سے کسی نے شفانہیں پائی اس لیے موت کو لبیک کہنے کے لیے تیار تھے، ایک مرتبہ بے اختیار ہوکر جوش میں فرمانے لگے، مجھے موت کا کوئی خوف نہیں، دوران گفتگو کبھی بلند آواز سے دعا فرمانے لگتے۔

اے اللہ! مجھے مولانا الیاس بنادے، اے اللہ مجھے مولانا یوسف بنادے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا نام ایک عجیب کیفیت والہانگی اور محبت وعشق کے ساتھ لیتے، ان کے بھتیجے جعفر کے دوست برادرم زبیر سے جوندوہ کے ایک طالب علم تھے اور خدمت وتیمارداری میں لگے تھے دریافت فرمانے لگے کہ ''حضرت شیخ'' کو جانتے ہو زبیر نے کہا کہ جانتا ہوں، فرمایا نہیں جانتے، اگر جانتے تو ان پر مرمٹتے۔

اس وقت ان پر دعوت کا غلبہ اور جوش تھا اور ان کے الفاظ تیر کی طرح چبھتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آخری سانسیں اکھڑنے سے پہلے چیخ کر ساری دنیا کو یہ پیغام سنادینا چاہتے ہیں، کبھی فرماتے محبت کے بغیر دنیا میں کچھ نہیں، کبھی دین کے لیے فنا ہوجانے، خدمت دین کے لیے مرمٹنے کی دعوت دیتے، کبھی عہد کرتے، کبھی عہد وپیمان لیتے۔ وہ وقت یادرہے گا اور خدا کرے وہ ماحول، وہ حقائق، وہ بے تابانہ اور والہانہ کلمات صفحہ دل ودماغ پر نقش رہیں، فرمانے لگے: میں اس سے خوب محبت کرتا ہوں، جو خدمت خلق کرتا ہے، پھر انہوں نے اپنے بھائی مولانا محمد رابع صاحب اور صالح ڈاکٹر اشتیاق صاحب کی بڑی تعریف کی اور اظہار محبت وتعلق کیا۔

مغرب کی نماز سے پہلے چھوٹے نانا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بمبئی سے واپس براہ کانپور تشریف لے آئے تھے، لیکن مشورہ یہ ہوا کہ ابھی فوراً ملاقات نہ کریں، اس سے پہلے مولانا مرحوم نے کہہ دیا تھا کہ جب ماموں جی (حضرت مولانا) تشریف لائیں تو فوراً ان کو نہ لے آنا، پہلے ہمیں بتا دینا، ہم ان کو دیکھ کر قابو نہیں پا سکیں گے، لیکن ان کو لیکر ضرور آنا چاہے ہم پر جو کچھ بھی گذر جائے، حضرت مولانا ندوہ تشریف لے گئے۔

شروع ہی سے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ اس کی ایک آخری دوا ہے جس کو لکھنؤ میں تلاش کروایا گیا نہیں ملی، پھر دہلی سید مقبول احمد صاحب (۱) کو بھیجا گیا اور یہ دوا وفات سے دو تین گھنٹہ پہلے آئی، ڈاکٹر اگروال نے مشورہ بھی دیا تھا کہ کسی ایسے آدمی کا خون حاصل کیا جائے اور چڑھایا جائے جس کو کتے نے کاٹا ہو اور اس کے حسب قاعدہ چودہ انجکشن لگ چکے ہوں، لہٰذا اخبارات میں اس کا اعلان نکال دیا گیا تھا، تقریباً چودہ ایسے اشخاص آئے اور یہ ان کی مقبولیت اور محبوبیت کی بات تھی کہ اتنے لوگ خون دینے کے لیے تیار تھے، انہیں میں مولانا منظور صاحب نعمانی کے ایک پوتے ذوالنون بھی تھے، انہوں نے خون کی قربانی دی، اللہ تعالیٰ ان کو بہترین صلہ نصیب فرمائے، سہ شنبہ کی شب میں خون چڑھایا گیا، جس کے دوران نیند کی سی کیفیت رہی، خون چڑھانے کے بعد سردی کا شدت سے احساس ہونے لگا اور کپکپی طاری ہوگئی، اور بار بار پیشاب لگتا، فرمانے لگے: مجھے غسل کراؤ اور کپڑے بدلواؤ، بظاہر یہ علامات اچھی تھیں اور امید شفایابی کی قوی ہوگئی، اس مرض کے بارے میں عام طور پر جو سن رکھا تھا ان علامات کے خلاف بعض چیزیں دیکھ کر اطمینان ہوتا تھا کہ انشاء اللہ شفا ہو جائے گی، دیر رات میں آکر ہم گھر پر لیٹ گئے، صبح چار بجے برادر عمار بلانے آئے، ہم بھاگے ہوئے پہنچے تو جو کیفیت کرب و درد، بار بار قے اور شدت الم کی دیکھی وہ بیان سے باہر ہے، معلوم ہوا کہ تقریباً پوری رات بیٹھے بیٹھے

(۱) فاران ٹریولس لکھنؤ

گذری اور بار بار قے ہوتی رہی جو سارے جسم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی، اور ایسا معلوم ہوتا کہ رگیں جیسے نچوڑی جارہی ہوں، کچھ دیر میں سور فاتحہ پڑھ کر دم کرتا رہا، مجھے اس کا احساس نہیں رہا کہ پھونکنے سے ان کو تکلیف ہوتی ہے، انہوں نے کئی مرتبہ کہا بس، تو میں باہر دروازہ کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا۔(۱)

محترم عبدالباری صاحب اور محترم محمد شرافت خاں صاحب دونوں جانب ان کا ہاتھ تھامے بیٹھے تھے، مولانا مرتضی صاحب وغیرہ بھی موجود تھے، کمرہ میں نہایت ہی ہلکی لائٹ تھی، مولانا مرحوم اس وقت اپنے اعزہ اور خاص طور پر اپنے صاحبزادہ سید حمزہ حسنی سے ملنے کے لیے بے تاب و بے قرار تھے، لیکن ڈاکٹروں نے بالکل سختی سے منع کر رکھا تھا کہ کوئی عزیز قریب نہ جائے ورنہ محبت میں وہ بے قابو ہو جائیں گے اور جو نقصان دہ ہوگا، اس وقت اپنے عزیز وقریب اور خاص طور پر اپنے صاحبزادہ کے بارے میں جو کلمات ان کی زبان سے نکل رہے تھے اور جس طرح وہ ملنے کے لیے بے قرار تھے، ان کو سن سن کر دل پگھلا جارہا تھا، لیکن عقل و مصلحت نے روک رکھا تھا، یہ الفاظ کئی دن تک میرے کانوں میں گونجتے رہے اور تڑپاتے رہے، وہ رات بڑی سخت تھی، کبھی وہ پوری شدت سے بآواز بلند ایک ایک کا نام لے کر پکارتے اور تیمارداروں سے ناراض ہوتے اور کہتے مجھے چھوڑ دو، میں خود ان سے مل آؤں، وہ بے چارے تسلی دیتے، بہانہ کرتے، ان دونوں نے اس رات کو مولانا مرحوم کی جو خدمت کی ہے اور جس کا ہم نے مشاہدہ کیا ہے اس کا بدلہ ان کو ہم لوگ نہیں دے سکتے اللہ تعالی ہی ان کو جزائے خیر دے۔

اسی حالت میں کبھی دعا کرنے لگتے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة

---

(۱) جناب محمد شرافت خاں صاحب کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی خدمت کی برکات اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کے اثرات کھلے طور پر دیکھے، میرا ذاتی مکان نہیں تھا جس کی وجہ سے مجھ کو بڑی پریشانیوں کا سامنا تھا، مولانا نے فرمایا: گھبراؤ نہیں تمہارا مکان بن جائے گا، اللہ نے دکھادیا، بہت تھوڑی مدت میں اچھا مکان تعمیر ہوگیا۔(م)

حسنة وقناعذاب النار"، شفا کی بھی دعا کرتے، کبھی کہتے،، اللہ کافی، باقی ہوس، کبھی کلمہ طیبہ پڑھنے لگتے اور کہتے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کبھی کہتے جاؤ میرا اللہ کافی ہے۔

یہ سلسلہ گھنٹوں چلتا رہا، جسم چور چور ہوگیا، طاقت جواب دے چکی تھی،، ساڑے آٹھ بجے حضرت مولانا ندوہ سے تشریف لائے، لیکن اس وقت یہ کیفیت کسی قدر باقی تھی اس لیے اوپر تشریف فرما رہے، میں خدمت میں حاضر رہا، سفر حجاز کے تاثرات سنتا رہا،، اتنے میں برادرم جعفر آئے اور بتایا کہ ان کو نیند آگئی اس پر ہم لوگوں کو بڑی مسرت ہوئی اور حضرت مولانا نے اپنی ہمشیرہ (مولانا مرحوم کی والدہ ماجدہ) سے فرمایا کہ ''مبارک ہو'' یقیناً اس وقت قے کے بعد نیند کا آجانا اچھی علامت ہے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد ان کی صاحبزادی کی آنکھوں میں ڈبڈباتے آنسوؤں نے گھبرادیا، کوٹھے پر سے جو ہم نیچے اترے تو سب سکتہ کے عالم میں تھے، اداسی آنسو، غم واندوہ کی تصویر، معلوم ہوا کہ رات بھر کا بے کل و بے تاب درد وکرب پر صبر کرتا ہوا میٹھی نیند سوگیا، یہ ۲۱/ربیع الثانی کی تاریخ منگل کا دن اور ساڑھے دس بجے کا وقت تھا، جس کی شفایابی کی علامت پر مبارک بادی جارہی تھی اور جس کی ملاقات کے لیے حضرت والا اچھی حالت میں منتظر تھے وہ اپنے مالک حقیقی سے ملاقات کے لیے ظاہری نیند کے دوش پر رواں دواں ہوگیا، اس فنا کے دیس میں کیا رکھا ہے، جو آیا ہے، اس کو جانا ہے، پر جو آکر دعوت حق کی للکار لگا گیا، خدمت دین کے لیے مرمٹنے کا درس دے گیا، سب سے معافی تلافی کرلی، محبت کے جھلکتے جام سے سب کو ایک دو گھونٹ پلا گیا، کلمہ پڑھتے، دعائیں کرتے، مالک حقیقی کو کافی وشافی سمجھتے چلا گیا، اس کی موت بھی کیسی قابل رشک ہے۔

حضرت مولانا نے وفات کے بعد فرمایا تھا کہ ہم اسی سفر میں جب مکہ مکرمہ میں تھے تو ہم نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، دیکھا کہ آپ غمگین ورنجیدہ ہیں اسی وقت سے ہمارا دل پریشان تھا اور ڈر لگ رہا تھا کہ کوئی بات نہ پیش آجائے۔

گھر کے صحن میں مولانا بشیر صاحب (۱) وغیرہ نے غسل دیا، تجہیز وتکفین کی،

---

(۱) مولانا بشیر حسین صاحب مرحوم استاد فقہ ومعقولات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جنازہ ندوہ لے جایا گیا، جہاں مولانا منظور صاحب نعمانی نے نماز پڑھائی، پھر جنازہ رائے بریلی لے جایا گیا، جہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نماز جنازہ پڑھائی اور مسجد کے سامنے روضہ حضرت شاہ علم اللہؒ میں مولانا محمد الحسنی مرحوم کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

ان پہ مالک شفقتوں کی اپنی ارزانی کرے
مغفرت کی اور رحمت کی فراوانی کرے (۱)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ شہادت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنا تاثر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"امید تھی کہ وہ اپنے آبائے کرام کی عمر طبعی کو پہنچیں گے، جو ماشاء اللہ اچھی عمریں پا کر دنیا سے رخصت ہوئے، اور اپنے ہی کاموں کو نہیں بلکہ اپنے بزرگوں کے چھوڑے ہوئے کاموں کی بھی تکمیل کریں گے کہ خود اپنے شیخ کی زندگی میں (جو خود چراغ سحری ہو رہے تھے) حضرت شاہ علم اللہ اور حضرت سید احمد شہید کے خاندان کا یہ روشن چراغ جس سے اسی قرب و جوار ہی میں نہیں، دور دور روشنی پہنچنے کی امید تھی، قضاء وقدر کے فیصلے کے مطابق ایک تکلیف دہ علالت کے بعد جس میں ان کے درجات بلند ہوئے ہوں گے، اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کے مطابق درجہ شہادت عطا فرمایا ہو، موت کے جھونکے سے بجھ کر رہ گیا ہے۔" (۲)

حضرت مولانا لکھتے ہیں:

میں نے زاد المعاد سے احد کا بیان سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) ماہنامہ رضوان مولانا ثانی نمبر، اور تذکراتی عدد ۱۵ سنہ (۱۹۸۲ء-۱۴۰۲ھ)
(۲) ۱۹۷۷ء میں مزار سیدنا حمزہؓ احد میں دونوں نے اس کی دعا کی تھی، اس کی طرف اشارہ ہے۔

کے مزار مبارک کے قریب ترکوں کی بنائی ہوئی جو مسجد تھی اس
میں لکھنا شروع کیا، اس حصہ کو پورا کرنے کے بعد ہم لوگوں نے
دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، جہاں تک یاد ہے مرحوم نے اپنے
لیے شہادت کی دعا کی اور اندازہ ہے کہ وہ قبول ہوئی۔'' (۱)

مولانا شبیر احمد ندوی (ناظر معہد دار العلوم ندوۃ العلماء سکروری) اپنے زمانہ طالب علمی کا ایک مؤثر واقعہ اپنے ایک انٹرویو میں بیان کرتے ہیں، جس سے صاحب سوانح کی زندگی کے آخری لمحات میں رجوع الی اللہ کا انتہائی جذبہ پتہ چلتا ہے؛

''حضرت مولانا ثانی صاحب مرحوم کی زندگی کے آخری ایام تھے، والد صاحب کے تعلقات اور فلاح المسلمین کی نسبت کی وجہ سے (مولانا فلاح المسلمین کے ناظم تھے) مجھے بھی خدمت کا موقع ملا، ایک دن رات میں تقریباً بارہ بجے حضرت نے فرمایا: جاؤ مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر میرے لیے دعا کرو، حکم کی تعمیل کی، اس واقعہ سے یہ پیغام ملتا ہے کہ انسان پر کیسے بھی حالات ہوں رجوع الی اللہ ہونا چاہیے۔ ان اللہ علی کل شیٔ قدیر.''(۲)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آخری وقت میں بھی آپ جذبہ عبادت سے سرشار تھے اور اس طرح ان کو رات میں نماز کی وصیت کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کا اتباع بھی ہوگیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل نماز کے اہتمام کی تاکید فرمائی تھی۔

---

(۱) پرانے چراغ: ۳/۳۵۲، طبع جدید (۲) سالانہ مجلّہ الاصلاح ۲۰۱۸

یادگار تعزیتی مکتوب

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ(۱)

از مدینہ منورہ

باسمہ سبحانہ

المخدوم المکرم حضرة الحاج علی میاں صاحب زاد مجدکم

بعد سلام مسنون!

کل ۱۶/ فروری ۱۹۸۲ء کوظہر کی نماز کے بعد عزیزی مولوی حبیب اللہ نے حادثہ جانکاہ کی خبر سنائی کہ ظہر سے پہلے جب کہ میں سو رہا تھا، نور ولی صاحب کا ملازم آیا اور یہ خبر بتا گیا کہ آج ساڑھے گیارہ بجے دن میں ''محمد ثانی حسنیؒ'' کا انتقال ہوگیا''،

اناللّٰہ و انا الیہ راجعون۔

أَللّٰهُمَّ أجِرْنَا فِي مُصِيبَتِنَا وَعَوِّضْنَا خَيْرًا مِنْهَا، لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَار۔

انَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ، وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَانَقُوْلُ اِلَّامَا يُرْضِيْ رَبنَاوَ اِنَّابِفِرَاقِكَ يَامُحَمَّدُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔

(آنکھ نمناک ہوتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے، مگر ہم وہی کہیں

---

(۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سوانح شیخ الحدیث صفحہ ۱۷۰ میں رقم طراز ہیں کہ وہ ایک یادگار تاریخی مکتوب ہے جس سے حضرت کی حاضر دماغی، حافظہ کے صحیح طور پر کام کرنے، اسی کے ساتھ شدت تعلق کا پورا اظہار ہوتا ہے، اور اس میں لطیف طریقہ پر اپنے سفر کے قرب کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔

گے جو ہمارے رب کو راضی کرے اور ہم اے محمد! تمہاری جدائی پر غمزدہ ہیں)

علی میاں!

وَمَـــا الــدَّهْــرُ وَالْاَيَّــامُ اِلَّا كَـمَـــا اَرٰی
رَزِيَةُ مَـــــالٍ اَوْفِـــرَاقُ حَبِيْـــبِ
وَاِنِ امْـرُؤٌ قَـدْ جَـرَّبَ الـدَّهْـرَ لَـمْ يَـخَفْ
تَـقَــلُّــبُ عَــصْــرَيْـــهِ لِـغَيْـرِ لَبِيْــبِ

(میرے خیال میں تو زمانہ اور روز و شب کا نام مال میں کمی اور محبوب کی جدائی ہے اور وہ شخص جو زمانہ کا تجربہ کر چکا ہو اور پھر بھی زمانوں کی تبدیلیوں سے ڈرتا نہ ہو وہ عقل مند نہیں ہو سکتا)

علی میاں!

حضرت امام شافعی کا وہ شعر یاد آ رہا ہے جو انہوں نے حضرت امام عبدالرحمٰن بن مہدی کو ان کے صاحبزادے کی تعزیت میں لکھا تھا

انـــی مُــعَـــزِّيْكَ لا انـــی عـلـــی ثـقة
مـــن الـحيـــاة ولـكـر سـنة الـديـن
فـمـــا الـمـعـــزِّی بـبـــا ـ بـعـد ميّتــه
و لا الـمـعـــزّی ولـو عـــاشـا الـی حيـن

(میں تم سے تعزیت دین کی پیروی میں کر رہا ہوں، نہ کہ اس یقین پر کہ مجھے زندگی کا بھروسہ ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ وفات پا جانے والے کے بعد جن سے اس کی تعزیت کی جا رہی ہے نہ وہ باقی رہنے والے ہیں اور نہ تعزیت کرنے والے ہی کو بقا ہے، اگرچہ ایک مدت تک زندہ رہے)

علی میاں!

حادثہ جانکاہ کی خبر سن کر دل پر کیا گذری بیان نہیں کر سکتا، ادھر آپ کی پیرانہ سالی اور پے در پے حادثات کا تسلسل اور بھی موجب رنج وقلق ہے، مگر محض رنج وقلق سے نہ تو جانے والے کو فائدہ، نہ رہنے والے کو سکون، میں نے تو خبر سنتے ہی اپنے دستور کے موافق دوستوں کو ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی تاکید شروع کر دی، کہ میرے یہاں یہی اصل تعزیت ہے اور اس کے بہت سے واقعات میری آپ بیتی میں بھی گذر چکے ہیں، اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے، ، اجر جزیل عطا فرمائے، اور پسماندگان کو خصوصا آپ کو صبر جمیل، اسوقت رہ رہ کر عزیز م مرحوم کی خوبیاں اور باتیں یاد آرہی ہیں اور آپ کا خیال بھی بار بار آرہا ہے کہ آپ پر کیا گذر رہی ہوگی۔

قربان جایئے نبی کریم ﷺ پر کہ ہر حرکت وسکون کے اعمال کو ہمارے لیے بیان فرما گئے اور اللہ تعالی جزائے خیر دے ان صحابہ اور محدثین کو جو ان سب چیزوں کو محفوظ فرما گئے اس وقت بھی حضور ﷺ کا ایک تعزیتی مکتوب جو حضرت معاذ بن جبل ؓ کو لکھوایا تھا نقل کر رہا ہوں، حضرت معاذ کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہوگیا اس پر آپ نے مکتوب مبارک لکھوایا؛

من محمد رسول الله الى معاذ بن جبل

سلام الله عليك

فانى أحمد الله الذى لااله الا هو۔

أما بعد!

فعظم اللّٰه لك الاجر والهمة و الصبر ورزقنا واياك الشكر، ثـم ان انـفسنا وأموالنا وأهالينا وأولادنامن مواهب اللّٰه عز وجـل الهنيئة وعواريه المستودعة، متعك اللّٰه به في غبطة وسـرور وقبـضـــه بـأجـر كثير، وان صبرت واحتسبت لا تجمعن عليك.

يـا مـعـاذ! أن يحبط جزعك أجرك، فتندم على ما فاتك، فـلـو قـدمـت على ثوابك مصيبتك عرفت أن المصيبة قد يـصبـرن عـنه واعلم أن الجزع لا يرد ميتا ولا يرفع حزنا، فليذهب أسفك ما هو نازل بك فكان قد

والسلام

ترجمہ:-اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام، میں پہلے اس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (بعدازاں دعا کرتا ہوں) اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے، حقیقت ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل وعیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں، اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا، اور اب اس امانت کو اٹھالیا، اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اگر تم نے صبر کیا اور اجر وثواب کی امید رکھی۔

پس اے معاذ! ایسا نہ ہو کہ جزع فزع تمہارے اجر کو غارت کردے اور پھر تمہیں ندامت ہو، اگر تم نے ثواب واجر کو مصیبت

پر مقدم کیا تو جان لو کہ مصیبت پر صبر کرنا ہی ہے، اور یقین رکھو کہ جزع فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے دل کا رنج وغم دور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم نازل ہوتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔

اور یہ حدیث مشہور ہے ہی۔

"مایزال البلاء بالمومن والمومنة فی نفسه وولده وماله حتی یلقی الله تعالی وما علیه خطیئته".

(مؤمن مرد وعورت برابر جان ومال اور اولاد میں مصیبت سے دوچار ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اس حال میں ملتے ہیں کہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا)

پھر

"اشد الناس بلاء الانبیاء، ثم الامثل فالامثل یبتلی الناس علی قدر دینهم، فمن ثخن دینه استد بلائه ومن ضعف دینه ضعف بلائه وان الرجل لیصیبه البلاء حتی یمشی فی الارض ماعلیه خطیئته"

ترجمہ:-سب سے زیادہ مصیبتوں سے انبیاء کو دوچار ہونا پڑتا ہے، پھر جو ان کے جتنا قریب ہوتا ہے، لوگوں کی آزمائش ان کے دین کی مناسبت سے ہوتی ہے، جسکا دین مضبوط ہوتا ہے اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے، جس کا دین کمزور ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوتی ہے، اور آدمی برابر مصیبت میں مبتلا رہتا ہے حتی کہ زمین پر اس طرح چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہ جاتا ہے۔

بھی آپ کے اور آپ کے اہل خاندان کے حسب حال ہے۔

اپنی بیماری اور معذوری میں یہ مختصر خط لکھوادیا ہے، اسی کو عزیز مرحوم کی والدہ، اہلیہ اور بچوں کو بھی پڑھوادیں اور اپنے دیگر اعزہ کو بھی، ہر ایک کو الگ الگ لکھوانا میرے لیے اس حال میں بہت مشکل ہے اخیر میں اس بدوی کے دو شعروں پر ختم کرتا ہوں جو اس نے حضرت عباسؓ کی وفات پر عبداللہ بن عباسؓ کو بطور تعزیت سنائے تھے۔

اصبر نكن بك صابرين فانما
صبر الرعية بعد صبر الرأس
خير من العباس أجرك بعده
والله خير منك للعباس

(آپ صبر کیجئے تم ہم بھی آپ کی اتباع میں صبر کریں گے، کیونکہ رعایا اسی وقت صبر کرتی ہے جب بادشاہ صبر سے کام لے، حضرت عباسؓ کے انتقال کے بعد آپ کا اجر زیادہ باعث خیر ہے، اور حضرت عباسؓ کے مقابلہ میں آپ کے لیے اور زیادہ بہتر ہے)

عزیز حمزہ، اس کی والدہ، عزیزانم محمد رابع، محمد واضح، مولانا معین اللہ صاحب، ، مولوی سعید الرحمٰن صاحب، اور دیگر اعزہ سے سلام مسنون کے بعد مضمون واحد۔

فقط والسلام
حضرت شیخ الحدیث صاحب
بقلم حبیب اللہ
۱۷ر فروری ۱۹۸۲ء (مدینہ منورہ)

مکتوب حرم مکہ معظّمہ

دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ
یکم جمادی الاول ۱۴۰۲ھ/۲۴؍فروری ۱۹۸۲ء

بخدمت گرامی فخر مسلمانان ہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب زاد مجدہٗ

سلام مسنون

چند روز قبل برادر محترم مولانا عبداللہ عباس صاحب نے فون پر ایسی اندوہناک خبر بدسنائی جس نے ہم سب کو رنج وغم کے سمندر میں ڈبو دیا، سب یہی کہتے تھے کہ خدا کرے یہ خبر غلط ہو، ابھی برادران اعزاء مولانا محمد الحسنی اور اسحاق جلیس صاحب کی جدائی کا غم غلط نہیں ہوا تھا کہ برادرم مولانا محمد ثانی صاحب نے بھی سفر آخرت اختیار کیا، اول تو پوری امت مسلمہ کے لیے اور خاص طور پر آپ کے اور ندوۃ کے لیے ان تینوں گوہر گرانمایہ کی پے در پے مفارقت وجدائی پر قلب وذہن شدید طور پر متاثر ہیں۔ سال گذشتہ جب وہ آپ کے ساتھ تشریف لائے تھے تو متعدد بار طویل ومختصر نشستوں میں ان کی متعدد خصوصیات نقش دل ہوگئی تھیں، آپ سفر حرمین سے دارالمصنفین کی دلنواز تاریخی تقریب کی امنگوں کے ساتھ تشریف لے گئے ہوں گے لیکن آپ کا استقبال مشیت الٰہی سے اس فاجعہ المیہ نے کیا، لکھنے کو تو دل میں حزن وملال کے دفتر بھرے ہوئے ہیں، مگر اصل چیز تو اب یہاں مکہ معظّمہ میں اور مدرسہ صولتیہ میں مرحوم کی طرف سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور تمام

اعزہ و متعلقین کو سکون قلب اور صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو آخرت کے اعلیٰ مراتب سے مالا مال فرمائے۔ اہل صولتیہ کی طرف سے تمام عزیزوں اور اہل ندوہ کو مضمون واحد۔

اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانان ہند کی قلبی وروحانی تقویت وسرپرستی کے لیے صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھے اور جانے والے جو کام کر رہے تھے اس کے لیے پردہ غیب سے رحمت وقبولیت کی صورتیں جاری وساری فرمائے۔ آمین

مولانائے محترم آپ کو کیا لکھوں کہ آپ کی ذات الحمدللہ لاکھوں انسانوں کے لیے باعث تقویت اور موجب خیر وبرکت ہے۔ قلم وکاغذ کا دائرہ کتنا ہی وسیع ہو مگر وہ دلی جذبات کا احاطہ نہیں کرسکتا، یہ چند الفاظ اہل حرم کی طرف سے شرکت غم اور تعزیت مسنونہ کا فریضہ ادا کرسکیں اور محسوسات کی ترجمانی کرسکیں تو درکعبہ پر آپ کے تمام اہل خانہ اور ندوۃ العلماء کے لیے دلی دعاؤں پر ان سطور کو ختم کرتا ہوں، والسلام مع الاکرام

خطا کار آپ کا
محمد مسعود شمیم
ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ

مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ کاندھلوی

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

حضرت نظام الدین (۲۲/ ربیع الثانی)

مخدوم ومحترم زید مجدکم

السلام علیکم، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، رات مدینہ منورہ کے فون سے

مولوی محمد ثانی کے سانحہ ارتحال کی خبر سے قلق اور صدمہ ہوا، بار بار جہاں ان کا خیال آیا، آپ کا خیال بھی بار بار آیا فکر ہوا کہ پیاپے متعدد صدمات آپ پر گذرے لیکن رضا بالقضا کے علاوہ چارہ کار کیا ہے، دل میں داعیہ اور تقاضا آپ کی خدمت میں حاضری کا پیدا ہوا، لیکن انہیں ایام میں ایسی مشغولیت ہے کہ باوجود داعیہ پیدا ہونے کے سفر نہ کر سکا، آپ کے لیے اور مرحوم کے لیے اور خاندان کے لیے دعا ہی پر اکتفا کرنا پڑا، خود بھی دعاؤں کا محتاج ہوں، متعلقین کی خدمات میں سلام مسنون اور کلمات تعزیت فرمادیں۔ والسلام

بندہ
محمد انعام الحسن عفی عنہ
بقلم احمد حسن

حضرت مولانا شاہ سید منت اللہ رحمانی (امیر شریعت بہار واڑیسہ، وجنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منت اللہ رحمانی خانقاہ رحمانی مونگیر

مکرمی ومحترمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔

اخبارات کے ذریعہ مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے حادثہ وفات کی اطلاع پا کر سخت صدمہ ہوا، میں بار بار سوچتا ہوں کہ اتنی تھوڑی مدت میں دو عظیم حادثوں کا صدمہ آپ کے لیے خصوصیت کے

ساتھ کتنا صبر آزما ہوگا۔ سچ ہے اللہ ہی کو بقا ہے اور سب کچھ تماشہ، ایک ساعت، دو ساعت اور پھر فنا:

العین دا معة والقلب محزون ولا نقول الا ما یر ضی به ربنا انا لله و انا الیه را جعون

میری طرف سے سبھی اہل خاندان تک پیام تعزیت پہنچا دیں

اعظم اللّٰہ اجر کم واحسن عزائکم وغفر میتکم

دل چاہتا تھا کہ خود لکھنؤ حاضر ہو کر تعزیت کروں، اسی لیے عریضہ لکھنے میں بھی تاخیر ہوئی لیکن صحت نے اجازت نہیں دی۔

والسلام

منت اللہ

۸۲/۳/۹ء

مکتوب گرامی حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ

مخدومی حضرت مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو، ایک ہفتہ ہوا، خواب دیکھا ہے کہ احقر ایک سفر پر ہے، شب میں ایک جگہ قیام ہوا، اس کمرہ میں مولانا جامی صاحب(۱) مولانا مرتضی صاحب اور دو صاحب اور ہیں، احقر نے دریافت کیا کہ اس کمرہ میں اور کون صاحب ہیں، بتایا گیا کہ مولانا ثانی صاحب بھی آرام کر رہے ہیں، اس آواز سے مولانا ثانی صاحب اٹھ گئے ہیں، سر پر عربی رومال ہے، بدن بہت اچھا ہے، چہرہ بہت حسین، کرتا، صدری پہنے ہوئے ہیں، مجھے پہچاننے

(۱) نقل میں حاجی صاحب ہو گیا تھا۔ م

میں تکلف ہوا، غور سے دیکھنے کے بعد پہچان لیا، اور بڑی مسرت کا اظہار کیا، انہوں نے عرض کیا آپ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، مجھے تو لوگوں نے ایسی خبر دی تھی جس سے میں بہت پریشان ہو گیا تھا، یہ سن کر چہرے پر ہنسی کے آثار ظاہر ہوئے معانقہ کیا اور جیب سے نکال کر چار بیر دیئے اور فرمایا کہ دو تمہاری اہلیہ کے لیے ہیں اور دو تمہارے لیے ہیں، اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔

حضرت والا احقر کو کسی بھی عزیز قریب کے انتقال پر اتنا صدمہ نہیں ہوا جتنا کہ ثانی بھائی کی جدائی کا ہے، اللہ پاک وہاں بھی ساتھ نصیب فرمائے، اہلیہ اور بڑی لڑکی بیمار ہے، یہاں علاج سے فائدہ نہیں ہوا اس وجہ سے کان پور لے جانا پڑا، اس وقت وہیں قیام ہے۔

دعائے صحت کی درخواست ہے۔ اسی وجہ سے سلمان سلمہ کے ولیمہ میں حاضر نہ ہو سکا۔(۱)

صدیق احمد عفی عنہ

چند دیگر تعزیتی مکتوبات

مکتوب مولانا محمد خالد صدیقی ندوی (غازی پوری) (۲)

جامعہ اسلامیہ بھٹکل (۲۲/۵/۱۴۰۲ھ)

مخدومی المکرم حضرت والا دامت فیوضہم

السلام علیکم، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۱) مولانا سید سلمان حسینی ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ونواسہ مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ، جن کا ولیمہ ۲۱/ مارچ ۱۹۸۲ء کو تھا۔

(۲) حال استاد صحیح البخاری ومسلم دار العلوم ندوۃ العلماء ونگراں امور طلبہ دار العلوم

والا نامہ مورخہ ۴، مارچ باصرہ نواز ہوکر کاشف احوال ہوا، خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو، حضرت مولانا محمد ثانی صاحب مرحوم کے حادثہ فاجعہ کی تفصیل جان کر بہت افسوس ہوا، جامعہ میں مرحوم کے لیے ایصال ثواب کیا گیا، نیز بھٹکل اور جامعہ کی مسجدوں میں غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی گئی اور انفرادی طور پر مستقلا ایصال ثواب کا اہتمام میں نے کیا ہے اللہ تعالی مرحوم کو غریق رحمت فرمائے، آمین

حضرت والا کے خط کے دوسرے روز شب میں ایک طویل خواب میں نے دیکھا جس کا تعلق مولانا محمد ثانی مرحوم سے ہے، پورا خواب تو یاد نہیں، اتنا یاد ہے کہ ایک عالیشان مکان میں آپ کا جنازہ رکھا ہوا ہے بہت سے احباب کے ساتھ میں بھی وہاں حاضر ہوں اور مرحوم کو دیکھ کر گریہ کی کیفیت طاری ہے، اتنے ہی میں حرکت ہوئی اور وہ اٹھ گئے اور مجھ سے ہاتھ دھلنے کے لیے یا اور کسی کام کے لیے پانی طلب کیا میں نے وفات کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور فرشتے آئے اور میرا مقام دکھایا جس سے مجھے رغبت ہوئی اور خوشی خوشی ساتھ ہولیا۔ بعد کی تفصیل ذہن میں نہیں، صبح بیدار ہوا، تو بڑی فرحت محسوس ہوئی اور اللہ تعالی سے دعا ہے کی کہ اس سے بلند درجہ مرحوم کو عطا فرمائے۔ آمین

اذکار واوراد کی پابندی کررہا ہوں، گذشتہ والا نامہ کی وصولی کے بعد سے اللہ عزوجل نے تہجد کی بھی توفیق بخشی ہے، یہ حضرت کی توجہ ودعا کی برکت تصور کرتا ہوں معمولات تہجد کے بعد صبح کی

نماز سے پہلے پورا کر لیتا ہوں اس وقت رو رو کر دعا کرنے میں بڑا لطف حاصل ہوتا ہے، یہ کیفیت اس خواب کے بعد ہی سے ہے، ارشاد کے مطابق درود شریف کی کثرت کر رہا ہوں بس حضرت سے یہ التجا ہے کہ اس پر مداومت کی دعا فرمائیں، اور اپنی توجہات عالیہ سے نوازتے رہیں، حضرت کے لیے پابندی سے دعاؤں کا اہتمام کرتا ہوں، اللہ عز وجل قبول فرمائیں اور تا دیر سایہ کریمہ ہم سب پر باقی رکھے۔ آمین

جناب منیری صاحب (۱) فی الوقت حضرت کی خدمت میں پہنچ چکے ہوں گے حالات کا علم ہو چکا ہوگا، اور کوئی نئی بات نہیں، حالات معمول کے مطابق ہیں، کچھ بڑے طلبا کو ہر روز عشا بعد صحبتے با اہل دل سے چند ملفوظات سنا رہا ہوں، اس سے بڑا فائدہ محسوس ہو رہا ہے، اس کے قبل حضرت رائے پوری کی سیرت سے بھی کچھ اہم اجزا سنا چکا ہوں، طلبا شغف سے سنتے ہیں، بقیہ حالات قرین شکر ہیں، حضرت کی دعاؤں کا ہمہ وقت محتاج ہوں، تمام احباب ورفقا سلام عرض کر رہے ہیں۔ والسلام

خادم کفش بردار

محمد خالد ندوی

۱۹/۳/۱۹۸۲ء

رشید کوثر فاروقی مرحوم (۲)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مرشد گرامی!

---

(۱) الحاج محیی الدین منیری مرحوم ناظم جامعہ اسلامیہ بھٹکل کرناٹک ورکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء

(۲) معروف شاعر مدح صحابہ تسنیم فاروقی مرحوم کے بھائی اور خود بھی شاعر وادیب۔

ابھی ابھی آپ کے جوابی خط سے معلوم ہوا کہ برادر محترم محمد ثانی صاحب بھی جوار رحمت میں جا بسے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون کا ہش واندوہ کی ایک ایسی کیفیت ہے جسے کوئی نام دینا چاہتا ہوں مگر نہیں دے پا رہا ہوں۔

تو میں بھی قیام رائے بریلی کے دوران ان کے خلق واخلاص کا فیض اٹھا چکا ہوں، لیکن اس وقت میرے غم کی شدت کا سبب آپ کی حالت کا تصور ہے، ابھی محمد حسنی صاحب مدیر ''البعث الاسلامی'' کی جدائی کا زخم ہرا تھا کہ یہ چوکا اور لگا، محمد ین مرحومین کے سے پاک نفس و پاکیزہ نفس حضرات اپنے رب کے پاس اپنے اعمال صالحہ کی ثمر یابی کے لیے چلے جاتے ہیں، موت تو اصل میں ان کی ہوتی ہے جنہیں جیتا چھوڑ جاتے ہیں، روزے اور تڑپنے یا کڑھنے اور گھلنے کے لیے.........، سوچتا ہوں آپ پر کیا گذر رہی ہوگی، عملاً ان لوگوں سے آپ کا رشتہ ماموں بھانجے ہی کا نہیں باپ بیٹے کا بھی تھا، باپ بیٹے کے سامنے مرتا ہے تو ذرا سکون سے مرتا ہے، لیکن بیٹا اور وہ بھی ایسا بیٹا جو قوت بازو بھی ہو باپ کے سامنے مر جائے تو اس آگ کو کون بجھائے؟ اور آگ تو شاید بجھ بھی جائے اس کے دھوئیں کی گھٹن تو رہتی سانس تک نہیں جاسکتی۔

مولانا حضور، اللہ تعالیٰ اپنے عزیز ومقبول بندوں کو آزمائے بغیر نہیں چھوڑتا، سو آپ کے حصہ کی آزمائش آپ کو پیش نہیں آرہی ہیں، اور یہ بھی واقعہ ہے جسے ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ ادھر سے پیا پے ابتلاء ہے، ادھر سے مسلسل صبر سے ہے، جزاکم اللہ جزاء جزیلا۔

یہ منھ تو نہیں کہ آپ کے حق میں دعائیں کروں لیکن یہ سوچ کر خادموں نے آقاؤں کے لیے ہمیشہ دعائیں ہی کی ہیں، دعا کے سوا وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے، یہ خادم بھی اللہ سے دعا مانگتا ہے کہ آپ کے دل کو قرار دے، اب کسی آزمائش میں مبتلا نہ کرے اور حالات کی اس کڑی دھوپ میں جب آفتاب سوا نیزے پر آیا ہی چاہتا ہے آپ کا سایہ قائم رکھے۔ آمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پائیں نشیں

رشید کوثر

خواجہ احمد فاروقی (۱)

۲۶/فروری ۱۹۸۲ء

حضرت پیر و مرشد، سلام ورحمت

میں نے ۱۶/ فروری کو دن کے ۱۱ بجے ایک خط حضور کی خدمت میں بھیجا ہے، ٹھیک اسی وقت مولانا محمد ثانی کا انتقال ہوا، کیا گذری ہوگی آپ کے اوپر، بعض حادثات کسی طرح لائق صبر نہیں ہوتے، یہ بھی ان ہی میں سے ہے، یوں بھی صبر کی تلقین مرحوم کے ساتھ ایک قسم کی بے وفائی ہے جسے میں روا نہیں رکھتا، ان کی صورت آنکھوں میں پھر رہی ہے، یہ لیاقت، یہ علم و فضل، یہ خلوص، یہ زیرکی، عام دسترس سے باہر ہے، سمجھ میں نہیں آتا، یہ روز و شب کیا ہیں؟ اس زندگی اور موت کے کیا معنی ہیں؟ یہ لالہ و گل کہاں سے آئے ہیں، یہ پتے کیوں گر جاتے ہیں، یہ

---

(۱) معروف ادیب و ناقد اور مصنف و محقق، طویل عرصہ دہلی یونیورسٹی میں خدمت انجام دی۔

ستارے کیوں ڈوب جاتے ہیں۔

کس نکشود نکشاید بہ حکمت ایں معمارا

بس زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ کی امانت تھے اس نے امانت واپس لے لی، وہ اتنا ہی وقت لے کر آئے تھے، پھول کی طرح کھلے اور سب کی نظروں کو خوش کر کے چلے گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

اعظم گڑھ کا سیمینار آپ کے یمن قدم سے بہت ہی اعلیٰ درجہ کا رہا، اس سفر میں میاں سلمان حسینی سلمہ کو دریافت کیا بڑے غیر معمولی نوجوان ہیں، ان کی فصاحت اور بلاغت سبحان اللہ۔ ع

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

اور انہیں جیتا رکھے اور نظر بد سے بچائے، تربیت کی ہے آپ نے خدا کرے یہ دھوون میرے اوپر پڑ جائے اور آپ کے فیض نگاہ سے میں بھی کچھ سیکھ لوں۔ ع

شبنم از فیض نگاہ او گہر

آپ کی صحبتوں میں یہ احساس قوی تر ہو جاتا ہے کہ مغربی تعلیم یکسر ناقص اور اعلیٰ اقدار سے قطعی عاری ہے اس کی کورنگاہی اور بے توفیقی کی حد نہیں، میں نے کتنا وقت برباد کیا ہے۔

آہ زعمرے کہ گذشت ایں

چنیں

ارادت مند

خواجہ احمد فاروقی

جناب نصار رفیع صاحب (جدہ سعودی عرب)

۲۰/ جمادی الاولی ۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مدظلہ العالی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، رفیق محترم مولانا عبدالماجد ندوی صاحب (۱) کے ذریعہ ثانی میا ں کی اچانک علالت اور انتقال کی خبر معلوم ہوکر دلی رنج ہوا، اللہ تعالی مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

محمد میاں کے انتقال کے بعد آپ کے لیے یہ دوسرا عظیم سانحہ ہے، اللہ تعالی صبر عطا فرمائے، اور آپ کے درجات کو بلند فرما ئے، مرحوم اسلام کے خاموش مجاہد تھے اور ان میں وہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں جو آپ کے خاندان کا طرہ امتیاز رہی ہیں، ہم سے بڑی شفقت فرماتے تھے، آخری باران سے مکہ مکرمہ میں فتح ہوٹل میں ملاقات ہوئی تھی۔

اور رات کا کھانا بھی انہیں کے ساتھ کھایا تھا، اس وقت ہمیں بچپن کا وہ زمانہ یاد آرہا ہے، جس میں میں واضح میاں اور محمد میا ں آپ کے مکان کی سیڑھیوں پر معصوم تفریحات میں حصہ لیتے تھے اور ثانی میاں آتے جاتے ہوئے ہماری تفریحات میں شریک ہوجاتے تھے۔

یہاں آنے کے بعد ان کا ماہوار رسالہ ''رضوان'' ایک عرصہ تک

---

(۱) سابق استاد عربی ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء

دیکھتا رہا، جس میں ان کی نظمیں اور مقالے جو بچوں کے لیے لکھتے تھے، بہت شوق سے پڑھتا تھا۔

وہ خواتین میں اسلام بیداری اور اسلامی احیاء کے شدید کوشاں تھے، اللہ تعالیٰ ان کی اس مساعی کو شرف قبولیت بخشے اور جوار رحمت میں جگہ دے اور ان انعامات سے نوازے جس کے وہ اپنے رب کریم ورحیم سے امیدوار تھے۔

ان چند الفاظ کے ساتھ ہماری طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائیں، رابع میاں، اور واضح میاں کو بھی میری طرف سے تعزیت پہنچادیں۔ والسلام

نیازکیش

نصار رفیع جدہ(۱)

محمد نورالدین

(جمعیۃ اہل حدیث کیرالا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آہ ایک اور چراغ بجھ گیا

تعمیر حیات کا پرچہ ۲۵ فروری ۱۹۸۲ء کا ملا، نظر ڈالتے ہی مولانا محمد ثانی حسنی ندوی کی رحلت پر آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ اراکین جمعیۃ اور الکلیۃ السلفیۃ کے اسٹاف اور تلامذہ کو اکٹھے ہوکر پرچہ پڑھایا گیا، سنتے ہی حزن وملال چہروں سے ٹپکنے لگا، "کل نفس ذائقۃ الموت" یاد کرکے انا للہ وانا

(۱) افسوس کہ نصار رفیع صاحب بھی نہ رہے اور رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کے آغاز میں وفات پائی، غفر اللہ لہ وأرحمہ رحمۃ واسعۃ

الیہ راجعون ہر کسی کی زبان پر جاری ہوا۔

اجلاس نے ایک ایک تعزیتی قرارداد پیش کر کے منظور کر لی اور طے پایا کہ اس کی نقل سوگوار خاندان کے پاس بذریعہ مولانا سید ابوالحسن علی الندوی ارسال ہوا۔

جمعیۃ اہل حدیث کے اراکین اور الکلیہ کے اسٹاف اور تلامذہ کا یہ اجلاس مولانا محمد ثانی حسنی کی وفات حسرت آیات پر رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ ماہنامہ رضوان میں ان کی دینی خدمت طبقہ نسواں کے لیے ان کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو انشاء اللہ ان کا صدقہ جاریہ ہوگا، واقعی اخبارات کے ذریعہ گذشتہ دنوں کئی اہل علم کا اس دنیائے فانی سے عالم بقا کو سدھارنا قوم اور ملت کے لیے ایک سانحہ عظیم ہے کہ عالم کی موت عالم کی موت ہوتی ہے، مگر قانون الٰہی اٹل ہے۔ سچ ہے ؎

ایک ہی قانون عالمگیر کے ہیں سب اثر
بوئے گل کا باغ سے گلچیں کا دنیا سے سفر

روز کی پکار تا قیامت قائم ہے یہ اجلاس ان کی علمی اور تعلیمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس مقربین بارگاہ سے ملادے اور سوگوار خاندان اور اعزہ کو صبر جمیل کی توفیق رفیق کرے اور قوم وملت کو اس کا نعم البدل عطا کرے "اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ ولاتضلنا بعدہ واخلفنا خیرا منہ" دعائیہ کلمات پر مجلس برخاست ہوئی اور قرار پایا کہ اس قرارداد کی کاپی مولانا سید ابوالحسن علی صاحب الندوی کی خدمت میں ارسال ہو،

اس کے علاوہ ''تعمیر حیات'' اور ''مسلم'' میں برائے اشاعت ارسال کی جائے۔ جمعیۃ کے رئیس خیرالدین صاحب جنرل سکریٹری غلام محمد صاحب کوٹے نے اپنے اپنے انداز میں اظہار غم کیا۔ راقم نے عمید الکلیۃ کی حیثیت سے بھی اپنے احساسات غم واندوہ اور حزن وملال کا اظہار کرکے مرحوم کی روح کے لیے رحمت ومغفرت کی دعائیں بارگاہ الٰہی ایزدو متعال میں پیش کیں، اللہ پاک قبول فرما کر مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور ہمیں علمائے دین کے نقش قدم پر توحید وسنت کی دعوت دینے اور عوام تک کلمہ حق پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

شریک غم

محمد نورالدین عفی عنہ وعافاہ

اداریہ تعمیر حیات

بقلم:۔مولانا ابوالعرفان خاں ندویؒ

قارئین تعمیر حیات کو یہ افسوس ناک خبر اخبارات اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوچکی ہوگی کہ مولانا سید محمد ثانی حسنی ندوی مرحوم کا ۱۶ر فروری کو انتقال ہوگیا۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

ان کا انتقال صرف ان کے خاندان ہی کا خسارہ نہیں ہے بلکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ملت اسلامیہ ہندیہ کا بھی بہت بڑا خسارہ ہے، وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن ماہنامہ ''رضوان'' کے ایڈیٹر اور مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر کے ناظم تھے، اور علمی، عملی اور دینی حیثیت سے ایک بلند مقام پر فائز تھے، ورع، تقوی اور عمل میں وہ اللہ کے محبوب بندوں میں تھے اللہ تعالی نے ان کو بہت سی خصوصیات اور صلاحیتوں سے نوازا تھا، اور مرحوم نے اللہ تعالی کی دی ہوئی ان نعمتوں کا حق بھی ادا کیا، تصنیفی صلاحیت جو رائے بریلی کے حسنی خاندان کا ایک وصف خصوصی ہے، میں ان کا درجہ بہت بلند تھا، مولانا محمد یوسف صاحبؒ امیر جماعت تبلیغ کے حالات وسوانح پر ان کے قلم سے ایک مبسوط کتاب نکل چکی ہے اور اسی طرح محدث جلیل شیخ طریقت اور استاذ الکل مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کے حالات وسوانح پر بھی مرحوم نے کتاب لکھی ہے، ان کا تصنیفی مشغلہ برابر جاری رہتا تھا، اور اس سلسلہ سے اپنے برادر عزیز مولانا محمد الحسنی مرحوم موسس مدیر عربی ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' کے حالات وسوانح زیر ترتیب وتالیف تھے، ان کا شعری ذوق بہت بلند تھا ''ترانہ''

ندوہ‘‘ اوران کی بہت سی نظمیں ان کے اس ذوق کی نشان دہی کرتی ہیں، اگر آئندہ ان کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو بہت سی دینی، علمی اور اصلاحی چیزیں ان کی طرف سے سامنے آتیں، لیکن مشیت الٰہی اور قضا وقدر کے فیصلوں کے سامنے انسان بالکل بے بس اور مجبور ہے، مرحوم کے ارتحال کا حادثہ اس نوعیت کا ہے کہ ہر مرحلہ پر انسانی عقل وتجربہ اور تدبیر کی درماندگی اور ناکامی واضح طور پر معلوم ہوتی ہے، ان کے حقیقی بھائیوں، اہل خاندان، ندوہ کے اساتذہ وطلباء اور محبین وہمدردوں کی اتنی بڑی تعداد ہوتے ہوئے جہاں نہ وسائل کی کمی تھی اور نہ اصحاب عقل وتجربہ اور صحیح مشورہ دینے والوں کی کمی تھی اور نہ ماہر ومخلص ڈاکٹروں کی کمی تھی، لیکن اس کے باوجود مشیت الٰہی میں جو چیز مقدر تھی وہ ہو کے رہی، اور مولانا محمد ثانی مرحوم ہم لوگوں سے جدا ہوگئے، وہ اب اس دنیا میں پہنچ گئے ہیں جہاں ان کو ان کی نیکیوں کا بھرپور صلہ مل رہا ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو درجۂ شہادت سے نوازا۔

اگر اس عالم اسباب میں ایک جان دے کر دوسری جان بچائی جاتی اور تفدیہ وقربانی انسانی جانوں میں بھی ہوا کرتا، تو ضرور ہزاروں انسان مولانا مرحوم کی زندگی بچانے کے لیے سامنے آجاتے، محبین اور تعلق وعقیدت رکھنے والوں کی کمی نہیں تھی بقول عربی شاعر۔

لقد كنت فی قوم عليك اشحة
بنفسك الاان ماطاح طائح
يودون لو خاطوا عليك جلودهم
ولا تدفع الموت النفوس الشحائح

ادارہ تعمیر حیات مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم کے سانحہ ارتحال پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم، مرحوم کی والدۂ محترمہ اوران کے برادران واولاد اور جملہ اہل خاندان کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہے اور مرحوم کے لیے اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں ترقی درجات اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔(۱)

ایک عمومی تاثر

ایک عمومی تاثر جناب افتخار فریدی مرادآبادی مرحوم جن کا سفر وحضر میں ساتھ رہا تھا، اور ''رضوان'' (جس کے وہ مدیر تھے) کے قاری کی حیثیت سے بھی ان کا تاثر اہمیت رکھتا ہے، نقل کیا جاتا ہے:

حضرت مولانا سید محمد ثانیؒ سے میری ابتدائی ملاقات شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاسؒ کے آخری دور میں ہوئی تھی، پھر اسی دور میں ایک چلّہ تبلیغی کام میں مرادآباد شہر اور اس کے اطراف میں لگایا، اس وقت خوب جوان تھے، مگر جوانی کی چمک دمک سے بالکل محروم، اس درجہ خاموش رہتے کہ ان کو کچھ سمجھنا ممکن نہ تھا، ہر وہ خوبی وکمال جو حق تعالیٰ شانہ نے عطا فرمایا تھا اس کا بالکل انداز نہیں ہوتا تھا، جتنی ضرورت جس بات کے لیے ہوتی، بہت ہی سادہ طریقہ پر مختصر کلام کرتے، جس کی بنا پر ان کی خوبیوں اور کمالات کا مخاطب کو بالکل اندازہ نہیں ہوتا تھا، اب سے دس بارہ سال پہلے تک ان سے ملاقاتیں مختلف مقامات پر بار بار کثرت سے ہوتی رہیں، رائے پور، سہارن پور، دلی، لکھنؤ، رائے بریلی، مرادآباد اور غالباً حجاز پاک میں بھی بیس پچیس سال کی پارہا ملاقاتوں، گفتگوؤں میں ان کا ایک ہی حال پایا، ''رضوان'' رسالہ عورتوں کے لیے نکالا، لیکن ان کو دیکھ کر کوئی یہ انداز نہیں کرسکتا تھا کہ یہ ایسے اہم رسالے کے مدیر ہیں، اپنے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی مدظلہ کے منشاء مبارک کی بنا پر حضرت

(۱) ندوۃ العلماء کے ترجمان پندرہ روزہ تعمیر حیات کا اداریہ اس کی مجلس ادارت کے نگراں مولانا ابوالعرفاں خان ندوی سابق قائم مقام مہتمم وعمید کلیۃ الشریعۃ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے نکلا جو مولانا کے رفیق درس بھی تھے، ایک رفیق درس نے ان کی ولایت وللہیت اور ان کے علمی وادبی مقام کا جس طرح اعتراف کیا ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے نذر قارئین کیا گیا۔

مولانا محمد یوسف امیر تبلیغ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ کی سوانح عمریاں لکھیں، جب بھی ان کی نعت ومناجات شائع ہوتی تو اسے پڑھ کر قلب پر ایک عجیب اثر ہوتا، آنکھیں بہنے لگتیں، الفاظ بالکل سادہ، تاثرات بے انتہا، خدا اور رسولؐ کی محبت کی ایک عجیب تڑپ وکیفیت پیدا ہو جاتی اور اوامر کی تعمیل کا عزم پیدا ہو جاتا، اور مولانا محمد ثانیؒ کی عظمت ومحبت اور مقام بلند کا احساس ہوتا۔

تکیہ میں تو اب ان کے دم ہی سے رونق تھی اور وہ بھی برسوں سے وہاں کے قیام میں یکسو ہو گئے تھے، حضرت شاہ علم اللہؒ کے حالات میں جو سادگی بے کسی وغربت، اخلاص وبے نفسی کے واقعات پڑھے اور سنے ہیں ان کی جھلک مولانا محمد ثانیؒ میں خوب محسوس ہوتی تھی۔

مولانا محمد حسنیؒ، مولانا اسحاق جلیسؒ کی جدائی کا جو غم ورنج اکثر تڑپاتا ہے، مولانا محمد ثانیؒ کی وفات نے ناقابل بیان حالت پیدا کر دی ہے، جی چاہتا ہے کہ ان تینوں کی کہانی کوئی لکھے، خدا ان کے صاحبزادگان میں اس کا جذبہ پیدا فرما دے تو انشاء اللہ باپوں کی نسبت بیٹوں کو حاصل ہو جائے گی۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کے لیے ان تینوں کا صدمہ ایسا ہے جیسا حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھائی، بیٹا اور خادم کی وفات سے پہنچا تھا، کیا عجب ہے حق تعالیٰ شانہ ان کا صبر واجر عطا فرما کر امت کا وہی کام لے جو ان سے لیا گیا تھا، والدہ محترمہ کو جتنا بھی غم ہو تھوڑا ہے لیکن ان کے بیٹے کو حق تعالیٰ شانہ نے شہادت کا شرف عطا فرمایا ہے، کیا عجب ہے حق تعالیٰ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماءؓ والا اجر عطا فرما دے۔(۱)

---

(۱) تعمیر حیات ۱۰/مارچ ۱۹۸۲ء

منظوم تاثرات

محمد کاظم ندوی(۱)

حضرت ثانی حسنیؒ

حضرت گرامی جناب مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی یاد میں منظوم نذرانہ عقیدت؛

وہ جس نے زندگی کی اپنی قدر خوب پہچانی
اسے کہتی ہے دنیا آج ساری حضرتِ ثانیؒ

وہ جس نے ملک وملت کی ہمیشہ پاسبانی کی
وہ جس نے اہل ایماں کی مسلسل قدردانی کی
وہ جس نے مسلک حق کی ہمیشہ ترجمانی کی
وہ جس نے کشتیٔ دین ہدی کی بادبانی کی

وہ جس نے زندگی کی اپنی قدر خوب پہچانی
اسے کہتی ہے دنیا آج ساری حضرتِ ثانیؒ

وہ جس نے گلشنِ خیرالوری کی آبیاری کی
رضائے رب کی خاطر مدتوں گریہ وزاری کی
وہ جس نے قوم وملت کی ہمیشہ پاسداری کی
جو تھے سرِ نہاں ان کی مکمل رازداری کی

وہ جس نے زندگی کی اپنی قدر خوب پہچانی
اسے کہتی ہے دنیا آج ساری حضرتِ ثانیؒ

(۱) مولانا محمد کاظم ندوی

وہ جس نے گیسوئے شعر وادب ہر وقت سلجھائے
وہ جس نے رازہائے علم وحکمت خوب سمجھائے
وہ جس نے جوہرالفت، محبت خوب دکھلائے
جہاں میں علم ودانش کے ہمیشہ نور پھیلائے
وہ جس نے زندگی کی اپنی قدر خوب پہچانی
اسے کہتی ہے دنیا آج ساری حضرتِ ثانیؒ

وہ جس کو فکر تھی ہر وقت کوئی کام ہوجائے
خدا کا آخری پیغام ہر سُو عام ہوجائے
جہاں میں جس قدر ہو خدمت اسلام ہوجائے
نہیں تھی فکر اس کی صبح ہو یا شام ہوجائے
وہ جس نے زندگی کی اپنی قدر خوب پہچانی
اسے کہتی ہے دنیا آج ساری حضرتِ ثانیؒ

وہ جس کو جستجو تھی ایک مرشد شیخ کامل کی
سہارن پور میں وہ دولت نایاب(۱) حاصل کی
تعلق اپنا جوڑا اور الفت اس سے کامل کی
ارادت اور دیرینہ عقیدت اس سے حاصل کی
وہ جس نے زندگی کی اپنی قدر خوب پہچانی
اسے کہتی ہے دنیا آج ساری حضرتِ ثانیؒ

---

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی ذات گرامی مراد ہے۔

دل کو نہ سکوں ہے نہ قرار

ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنیؒ (الہ آبادی)

آج کیا بات ہے دل کو نہ سکوں ہے نہ قرار
میں سمجھتا ہوں کہ ہے صبر کا آنا دشوار
آئی ہے اُف خبر مرگ محمد ثانی
روکوں کس طرح میں بہتے ہوئے اشکوں کی دھار
جس سے تکیہ کی تھی رونق وہ گیا دنیا سے
جانب دار نعم چھوڑ کے یہ دار بوار
شاعر وعالم وزاہد تھا وہ سید حسنی
لکھا ندوہ کا ترانہ بہ خلوص افکار
خاندان قطب الدین کا وہ چشم وچراغ
بزم شعر وادب وعلم میں تھا جو ضوبار
سیرت یوسفی آئینہ حسن تحریر
نثر اردو میں ہے جو اپنی جگہ پر شہکار
چین لینے نہیں دیتی مجھے یاد مرحوم
ایک لمحے کو میسر نہیں ہوتا ہے قرار
ہائے میں کس سے کہوں مجھ پہ گذرتی کیا ہے
اشک افشاں مری آنکھیں ہیں تو دل ماتمدار

اشک افساں ہیں دل افگار ہیں گھر کے سب لوگ
دوست احباب کے ہے چاروں طرف غم کا حصار
فرض ہے فرض طفیل ایسے کہو تم کلمات
سب اعزہ کے دلوں کو ملے کچھ صبر وقرار

ہائے داغ فراق (۱۴۰۲ھ)

تاریخ انتقال پر ملال مولانا محمد ثانی برد اللہ مضجعہ

(محمد ادریس ذکا گڑھولوی)

آہ وہ عالم وفاضل وہ ادیب کامل متقی عابدوزاہد وہ محمد ثانی
پیکر صدق وصفا اور وہ تصویر وفا اپنے اوصاف حمیدہ میں جو تھے لاثانی
کس قدر جلد جدا ہوگئے ہم سے صد حیف میرے اللہ یہ انسان بھی ہے کیسا فانی
اے ذکا آئی ندا غیب سے تاریخ وفات
دل رابع پہ یہ آلام ہے داغ ثانی
۱۹۸۲ء

ولہ ایضا

وہ پاک دل محمد ثانی کی ہائے رحلت سینوں میں سوز فرقت ہر دل میں داغ حسرت
وہ غریق یاد مولی ہوئے جب یہاں سے رخصت تو ندائے غیب آئی ہوئے اب غریق رحمت

۱۹۸۲ء

قطعہ تاریخ وفات
مولانا محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ

جناب رئیس نعمانی

برزمرگ مولانای ثانی اسف خوردہ ہمہ عامی وعارف
دانش شاد! مرد صالحی بود درونش پاک وپاکیزہ عواطف
پی دنیا، گہی نفر وخت دین را نہادہ ارج تالدرابہ طارف
بتن میداشت بی پیرایہ پوشاک مزین روح اوباصد معارف
بگفتارش ہمہ خرسندوشاداں بکر دارش ہمہ کس بود واصف
سلوکش باہمہ بیگانہ وخویش زرازِ پاکی دل بود کاشف
نہ ازدنیا بریدہ از رہِ شید نہ پیوستہ بحق چوں غیر عارف
نہ داند غیر رب، در راہ عرفاں گذشتہ بوداز چندان مواقف
دلم درخواست، تاسال وفاتش شود مضبوط ومثبت در صحایف
چوبی بردہ بہ ایں اندیشۂ من
بہ ''سوی خلد رفتہ'' گفت ہاتف

۱۴۰۲ھ

نذر ثانیؒ

از: مولانا ڈاکٹر غیاث الدین نگرامی ندوی

کوئی بتاؤ کہ اٹھا ہے کون محفل سے
کہ اہل بزم نظر آرہے ہیں بے دل سے
یہ سیل اشک رواں یہ ہجوم رنج والم
کہ زندگی کا سفینہ ہے دور ساحل سے

وہی کہ جس نے لکھا تھا، ترانۂ ندوہ
وہ جس نے نظم کیا تھا فسانۂ ندوہ
وہ جس کی بزم صحافت کا ترجماں ''رضواں''
وہ ثانی حسنیؒ شب چراغ خانۂ ندوہ

پکارتی ہے تجھے تری مادر علمی
کہاں گیا وہ مرالال وہ مرا ''ثانی''
ادیب اور صحافی بہت ہیں دنیا میں
خدا گواہ کہ کوئی نہیں ترا ثانی

نشان حلم ومروت سنبھال کر رکھنا
نگار بزم صحافت سنبھال کر رکھنا
مقالے زہد وقناعت سنبھال کر رکھنا
زمیں سے کہہ دو امانت سنبھال کر رکھنا

چودھواں باب

چند علمائے کبار اور معاصرین کی نظر میں

مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
(بانی مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

مولانا محمد ثانی حسنی علیہ الرحمہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سب سے بڑے بھانجے اور بہت سے کاموں میں ان کے دست و بازو تھے، مولانا کو ان کے ساتھ اور ان کو مولانا کے ساتھ باپ بیٹے کا سا تعلق تھا، پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد مظاہر علوم (سہارن پور) جا کر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم اور وہاں کے دوسرے اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں، اس طرح وہ ندوی بھی تھے اور مظاہری بھی، راقم السطور کا احساس یہ ہے کہ ذہن و دماغ ان کا ندوی تھا اور قلب و قالب مظاہری۔

تحریر و انشاء سے مناسبت اور اس کا ذوق تو اس گھرانے کے ہر فرد کو گویا وراثت میں مل جاتا ہے، بہت سادہ زبان میں ہمیشہ اصلاحی مضامین لکھتے، اب سے پچیس چھبیس سال پہلے خواتین کے لیے ایک دینی اصلاحی ماہنامہ ''رضوان'' جاری کیا جو

بفضلہ تعالیٰ جاری ہے، اور انشاء اللہ جاری رہے گا۔

سوانح نگاری کا بہت اچھا ذوق اور سلیقہ تھا، حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کے ایماء پر داعی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی سوانح لکھی، پھر ان کے مرحوم صاحبزادے مولانا ہارون کاندھلوی کی بھی سوانح، اور حضرت مولانا خلیل احمد نور اللہ مرقدہ کی سوانح ''حیات خلیل'' کے نام سے لکھی، بلاشبہ یہ مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف بھی، اگر اللہ تعالیٰ صحیح نیت فرمائے تو بڑا خداوندی فضل وانعام اور اس زمانہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صورت ہے۔ لیکن مولانا محمد ثانی حسنی کا خاص قابل رشک کمال ان کی بے نفسی اور نیک نفسی تھی، راقم سطور نے ان کو اس وقت سے جب کہ وہ بیس سال کے نوجوان تھے، اس وقت تک جبکہ ۵۵ یا ۵۶ سال اس دنیا میں گذار کے عالم آخرت کی طرف منتقل ہوئے مسلسل دیکھا، ہمیشہ یہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نفس میں شر کا مادہ شاید رکھا ہی نہیں ہے، وہ معصوم تو یقیناً نہیں تھے، لیکن یہ کہنا انشاء اللہ مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ معصوم صفت تھے، ریا، کبر، حب دنیا، حسد اور کینہ جیسے رذائل آنکھوں سے نہیں دیکھے جاسکتے، لیکن اگر کسی کے ساتھ مسلسل رابطہ اور واسطہ رہے تو ان کے کچھ نہ کچھ آثار محسوس ہو ہی جاتے ہیں، راقم سطور کا اندازہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ان کا قلب وباطن ان رذائل سے محفوظ تھا بلاشبہ یہ ان کا ایسا حال تھا جس پر ہم جیسے گرفتار ومبتلا ہزار بار رشک کریں۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

یوں تو تقریباً ۳۵/۳۶ سال سے (جب سے میرا قیام لکھنؤ میں ہوا) وہ میرے سامنے رہے، لیکن ۴۹ء میں سفر حج میں وہ میرے رفیق بلکہ رہبر اور ''معلم'' رہے۔ اس سفر میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے بانی ومہتمم مولانا قاری عبدالوہاب صاحبؒ اور ان کے اور میرے بھی ایک مخلص ماسٹر محمد یاسین صاحب اور چند اور حضرات بھی ساتھ تھے، لیکن ہم میں سے کوئی نہ تھا جس کو اس سے پہلے حج کی سعادت حاصل ہوئی ہو اور وہ راہ ورسم منزل سے واقف اور باخبر ہو، اس لیے بڑی خواہش اور تمنا تھی کہ کسی ایسے صاحب علم

اور صاحب دل بندے کی رفاقت حاصل ہو جو حج کر چکا ہو، اللہ تعالی نے اپنے خاص کرم سے اس کا انتظام اس طرح فرمایا کہ میں سفر پر روانگی سے پہلے والدہ ماجدہ مرحومہ اور بھائی صاحبان کی زیارت وملاقات کے لیے اپنے وطن سنبھل گیا، میرے بچپن کے ایک دوست شیخ مطلوب حسین مرحوم طویل مدت سے مریض، دق میں مبتلا تھے، بظاہر صحت وزیست کی کوئی امید نہیں رہی تھی، میں ان سے بھی ملنے گیا (یا انہوں نے مجھ کو بلوایا) انہوں نے کہا کہ میرا یہ حال ہے، کیا میرے لیے یہ بہتر ہوگا کہ میں اپنا حج بدل کرادوں؟ (وہ اچھے صاحب استطاعت اور دولت مند تھے) میں نے کہا ہاں آپ کے لیے یہ بہتر ہے کہ آپ حج بدل کرادیں اور نیت رکھیں کہ اگر اللہ تعالی نے صحت وزندگی عطا فرمائی تو بذات خود بھی حج کریں گے، انہوں نے کہا، میری یہی نیت ہے، پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کتنی رقم صرف ہوگی، میں نے رقم بتلادی، انہوں نے وہ رقم میرے ہی حوالے کی کہ آپ خود ہی اس کا انتظام کریں، اور اچھا یہ ہے کہ وہ صاحب آپ کے ساتھ ہی جائیں، میں لکھنؤ آیا، میں نے مولانا محمد ثانی صاحب کا انتخاب کیا، وہ دو سال پہلے ۱۹۴۷ء میں اپنے ماموں رفیق محترم مولانا علی میاں کے ساتھ حج کر چکے تھے اور ملک کی تقسیم کے نتیجہ میں پیدا ہوجانے والے اس وقت کے یہاں کے خاص حالات کی وجہ سے حرمین شریفین میں بہت طویل قیام کرنا پڑا تھا، وہ میرے عرض کرنے پر بخوشی تیار ہوگئے، اس سفر مبارک کی رفاقت نے راقم سطور کو ان کا بہت زیادہ معتقد بنادیا۔ اس سفر کا ایک واقعہ ذکر کردینے کو جی چاہتا ہے۔

مکہ معظمہ سے روانگی کا دن تھا میں نے طوف وداع کیا، اس کے بعد ملتزم پر دعا کے لیے آیا، یہاں مجمع زیادہ نہیں تھا، ملتزم پر دعا کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے مطابق سہولت سے ملتزم سے چمٹ کر کھڑا ہونا نصیب ہوگیا اب دعا شروع کی، لیکن دعا میں دل کے اضطرار اور الحاح کی جو کیفیت ہونی چاہیے وہ اس وقت بالکل نصیب نہیں تھی، معلوم ہوتا تھا کہ دل مردہ ہوگیا ہے، اپنی اس بدنصیبی پر بڑا رنج وقلق تھا کہ ملتزم پر آخری یہ دعا ہے اور یہ میری محرومی، یہی حال تھا کہ وہیں ملتزم پر اللہ کے کسی

بندے نے قریب آکر دعا شروع کی، اس کی دعا میں الحاح وابتہال اور اضطرار کی کیفیت تھی، جب اس کی دعا کی آواز کان میں آئی تو اس کی برکت سے گویا دل زندہ ہوگیا اور مجھے بھی دعا نصیب ہوگئی، میں دعا سے فارغ ہوگیا، لیکن اس بندے کی دعا جاری تھی، میں نے جاننا چاہا کہ یہ اللہ کا کون مبارک بندہ ہے؟ دیکھا تو ہمارے مولانا محمد ثانی تھے، سخت حیرت اس پر ہوئی کہ آواز سے مجھے شبہ بھی نہیں ہوا کہ یہ مولانا محمد ثانی ہونگے، اس حج کے وقت ان کی عمر صرف ۲۲، یا ۲۳ رسال کے قریب تھی۔ اس وقت ان کا یہ حال تھا۔

ادھر کئی سال سے مولانا کا قیام زیادہ تر اپنے آبائی وطن (تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی) میں رہتا تھا، رفیق محترم مولانا علی میاں کی توجہ سے وہاں قریب ہی میں ایک مدرسہ قائم ہوگیا ہے اس کی کچھ انتظامی ذمہ داری بھی (بغیر کسی ملازمت اور معاوضہ کے لوجہ اللہ) مولانا نے اپنے ذمہ لے لی تھی۔

۱۳/۱۴رفروری (شنبہ ویکشنبہ) کی درمیانی رات میں عشاء کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ایک عزیز نے ٹیلی فون سے مجھے بتلایا کہ ابھی رائے بریلی سے مولانا محمد رابع صاحب نے اطلاع دی ہے کہ ان کے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی صاحب کی طبیعت اچانک ناساز ہوگئی ہے، ان کو علاج کے لیے اسی وقت لکھنؤ لے جانا طے ہوا ہے، ہم لوگ جلد ہی روانہ ہورہے ہیں اس اطلاع سے قدرتی طور پر تشویش ہوئی، بس دعا ہی کی، رات کو گیارہ بجے کے قریب ان کو لیکر مولانا محمد رابع وغیرہ پہنچ گئے، فجر کی نماز کے بعد یہ عاجز وہاں پہنچا، یہ دیکھ کر کہ ان پر مرض کا اثر زیادہ ہوچکا ہے، دل بہت دکھا، انہوں نے فرمایا کہ دل پر گھبراہٹ کا اثر بہت زیادہ ہے، میرے دل پر ہاتھ رکھ دیں، میں نے ہاتھ رکھ دیا اور ان کی تسکین کے لیے بالجہر بعض ماثورہ دعائیں پڑھیں، انہوں نے کہا، مجھے بہت سکون ہوا اور خود یہ آیت پڑھی، "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"۔

دریافت کرنے پر تفصیل یہ معلوم ہوئی کہ اب سے تقریباً تین ہفتہ پہلے مدرسہ کی طرف جارہے تھے، راستہ میں ایک کتے نے حملہ کردیا، جس کے بارے میں اس وقت اندازہ ہوا کہ صرف اس کے پنجہ کے ناخن لگے ہیں، جس سے چند خراشیں آگئی ہیں، اس کا منہ یا اس کے دانت جسم کو نہیں لگے ہیں، تاہم مقامی اسپتال جاکر ڈاکٹر کو بتلایا کہ آپ کی رائے ہو تو ہم وہ انجکشن لگوالیں جو کتے کے کاٹنے پر لگائے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کتے کے ناخن میں زہر نہیں ہوتا اس لیے اس انجکشن کی ضرورت نہیں ہے، جو خراشیں ناخن سے آئی تھیں اس پر انہوں نے دوا لگادی، لیکن تقریباً بیس دن بعد وہ اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے جو کتے کے کاٹنے کے بعد ہوا کرتے ہیں، مثلاً پانی سے نفرت اور اس کے دیکھنے سے بھی تکلیف کا احساس، مقامی ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا، انہوں نے مشورہ دیا کہ فوراً لکھنؤ لے جایا جائے، جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے، ۱۳؍۱۴؍فروری کی درمیانی شب میں ان کو لکھنؤ لے آیا گیا، صبح سے اس کے ایک ماہر ڈاکٹر کا علاج شروع ہوا، پہلے دن مرض میں ٹھہراؤ پیدا ہوا، دوسرے دن ۱۵؍فروری کو بہت امید افزا افاقہ کی صورت محسوس ہوئی، یہاں تک کہ کئی دن کے بعد کچھ غذا بھی لی اور پانی سے ہاتھ دھوئے (جس کے خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی) اس سے سب کو بڑا اطمینان ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ اسی دن شام کو مرض کی کیفیت میں پھر اضافہ شروع ہوگیا۔

رفیق محترم مولانا علی میاں جنوری کے آخری ہفتہ میں ''رابطہ عالم اسلامی'' کی دعوت پر ''رسالۃ المساجد'' کے اجلاس میں شرکت کے لیے حجاز مقدس میں تشریف لے گئے تھے، وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ چند روز قیام کے بعد ۱۲؍فروری کو بمبئی واپس آچکے تھے، وہاں سے لکھنؤ پندرہ فروری کو آنے کا پروگرام تھا، اس پروگرام کے مطابق وہ ۱۵؍کو مغرب کے وقت لکھنؤ پہنچے، مولانا محمد ثانی کے مرض میں اضافہ شروع ہوچکا تھا، اس کی رفتار تیز ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ ۱۶؍فروری کو ۱۱؍بجے کے بعد قضاوقدر کا فیصلہ نافذ

ہوگیااور وہ ہماری اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل کردیے گئے "انا للہ وانا الیہ راجعون" "للہ ما اخذ وللہ ما اعطی و کل شیء عندہ باجل مسمی".

طے ہوا کہ غسل اور تجہیز وتکفین میں حتی الوسع تاخیر نہ ہو اور نماز جنازہ عصر کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھی جائے، اگرچہ لوگوں کو اطلاع دینے کا کوئی اہتمام وانتظام نہیں کیا گیا تھا، لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اللہ کے بندے ہزاروں کی تعداد میں نماز جنازہ میں شرکت کے لیے دارالعلوم پہنچ گئے، (راقم سطور کا قیام لکھنؤ میں قریبا ۳۶ر سال سے ہے اس پوری مدت میں ایک دو سے زیادہ ایسے جنازے یاد نہیں جن کی نماز میں اتنے بندگان خدا نے شرکت کی ہو) تدفین تکیہ شاہ علم اللہ کے اس احاطہ میں ہوئی تھی جس میں خود حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں۔ دارالعلوم کی نماز کے بعد جنازہ بس کے ذریعہ رائے بریلی لے جایا گیا، دفن کے لیے لکھنؤ سے کئی سو آدمی کاروں اور پرائیوٹ بسوں کے ذریعہ جنازہ کے ساتھ رائے بریلی گئے، دوسری نماز جنازہ وہاں پہنچ کر بعد نماز عشاء ہوئی، یہاں بھی (لکھنؤ کے) شہر کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد نے اس نماز میں شرکت کی، یہاں نماز رفیق محترم مولانا علی میاں نے پڑھائی، اس کے بعد تدفین ہوئی اور ان کو آغوش لحد میں اتار دیا گیا، "منہا خلقنکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخری"

ارحم الراحمین ان کے ساتھ ہماری امیدوں اور آرزوؤں سے بالاتر مغفرت ورحمت کا خاص معاملہ فرمائے، اور متعلقین وپسماندگان، خاص کر ان کی والدہ ماجدہ، ان کی رفیقۂ حیات اور فرزند مولوی سید حمزہ حسنی اور دونوں بھائیوں مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا محمد واضح حسنی اور مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس صدقۂ عظیم کا اجر بھی اپنی شان کریمی کے مطابق مقدر فرمادے، نیز ان کے نہ رہنے سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کو اپنی قدرت ورحمت سے پر فرمادے۔ وما ھو علیہ بعزیز

مخلص رفیق، مشفق رہنما

حضرت مولانا سید صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ
(بانی وسابق ناظم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ)

مولانا محمد ثانی مرحوم سے تعارف دورۂ حدیث کے سال مظاہر علوم سہارن پور میں ہوا، اس وقت سہارن پور اور اس کے گردونواح میں ایسے اساطین امت مسند نشین تھے کہ جن کے ایمان واحتساب، اخلاص کیمیا اثر وصحبت نے امت کے اندر ایمانی حرارت، اتباع شریعت کے ساتھ تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کا جذبہ پیدا کر دیا تھا، ان مشائخ کی محنت نے مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ روح کے روگیوں کو شفا دی، اور ایسے مخلص علماء ربانیین تیار کیے جن کی محنت سے ملک وبیرون ملک دین کی اشاعت ہوئی، اور تبلیغ دین کا وسیع اور مستحکم نظام وجود میں آیا۔

انہیں مشائخ عظام اور اساتذہ کرام کا طفیل تھا کہ اس وقت کے طلبہ میں کثیر تعداد ایسی تھی، جن کے اندر استعداد علمی اور ہر فن میں مہارت کے ساتھ عبادت کا شوق تکبیر اولی کے ساتھ نمازوں کا اہتمام تھا، شب خیزی، فروتنی، قناعت، انابت جیسی صفات ان کے اندر آئیں۔

یہی وہ دور تھا جس میں ایک مصری عالم جنہوں نے ہندوستان کے مختلف مدارس کا جائزہ لیا تھا، وہ جب مظاہر علوم تشریف لائے تو اساتذہ وطلباء کے مجمع میں فرمایا کہ اگر میں قسم کھاؤں کہ مظاہر میں میں نے انسانوں کی شکل میں فرشتے چلتے پھرتے دیکھے ہیں تو حانث نہ ہوں گا۔

میرے جانے پہچانے رفقاء میں جوان صفات کے حامل تھے مولانا ثانی لاثانی

تھے، طالب علمی کا زمانہ بہت مشغولی کا ہوتا ہے، اس وقت ایسا انہاک و مصروفیت تھی کہ جس کی وجہ سے کسی سے زیادہ ملنے جلنے کا علاوہ درس وتکرار کے، وقت نہ ملتا تھا، البتہ مولانا ثانی سے روزآنہ بعد عصر ایک مجلس میں ملاقات ہوتی تھی، بات بھی ہو جاتی تھی، اکثر مولانا ثانی حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، وہاں کچھ دیر تک صحبت رہتی تھی۔

اس وقت مولانا کی کشش کا سبب زیادہ تر ان کی وہ نسبت تھی جو ان کو ملک کی مشہور دلآویز شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم سے حاصل تھی، جن کی پرمغز تحریر اور پراثر تقریر نے امت کو نئی زندگی بخشی، جن کے انقلاب آفریں بیانات نے الحاد و دہریت کو پاش پاش کیا، جن کی پیہم اور مسلسل دعوت نے منتشر شیرازہ کو متحد کیا۔

تقریباً تمام ساتھیوں کے دل میں مولانا مرحوم کی قدر اسی نسبت کی وجہ سے تھی، اس وقت کوئی نہیں سمجھتا تھا، کہ یہ آئندہ کیا ہونے والے ہیں اور اللہ پاک ان سے کیا کام لے گا۔

لیکن فراغت کے کچھ ہی دن بعد دنیا نے دیکھا کہ ایک سادی وضع قطع میں رہنے والے خاموش طبع و کم سخن طالب علم بلند پایہ مصنفین کی صف اول میں ہے، وہ بہترین مقرر بھی تھے اور نامور شاعر بھی، دینی دعوت اور جدوجہد میں اپنے معاصرین سے فائق۔

طالب علمی کے بعد ساتھیوں میں اس ناکارہ کو جتنا قرب مولانا سے نصیب ہوا، غالباً کسی اور کو اتنا حاصل نہ ہوا، لکھنؤ اور تکیہ میں دیر تک ساتھ رہتا اور اپنے اپنے دل کی باتیں کہنے اور سننے کا خوب موقع ملتا، جیسے جیسے قرب بڑھتا گیا، احقر کے دل میں مولانا کی عظمت اور محبت اور مولانا کی جدائی بہت شاق ہوئی اور یہ غم کبھی نہ بھولے گا۔اس تحریر کے وقت جو دل کا حال ہے اس کی ترجمانی قلم اور زبان نہیں کرسکتی۔ثانی صاحب

میرے مخلص رفیق بھی تھے اور مشفق رہنما بھی، زندگی میں بہت سی ایسی گھاٹیاں آئیں جن میں ان کی رہنمائی حاصل رہی۔

مولانا کی موروثی صفات، زہد وقناعت، صبر وتحمل، ایثار وقربانی، خلوص وللّٰہیت، شیریں کلامی، سخاوت اور مہمان نوازی ہم سب کے لیے دعوت عمل ہیں، یہ حسرت تازندگی رہے گی کہ دنیا ان سے جو کچھ حاصل کرسکتی تھی نہ کرسکی، مولانا نے اتنی جلدی سفر طے کیا جس کا تصور نہ تھا۔

خداوند کریم ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ہم سب کو جنت الفردوس میں ان کی رفاقت نصیب فرمائے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

دوست جو رخصت ہوا

مولانا سید محمد مرتضٰی صاحب مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

(سابق ناظر کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اللہ کے فضل سے میرا گھرانہ ان خوش نصیب گھرانوں میں ہے جو دائرہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ (تکیہ کلاں) رائے بریلی کے بزرگوں کا بہت پہلے سے ارادت مند رہا ہے، امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ سے خاندان کے کئی افراد وابستہ رہے، اور خلافت سے سرفراز ہوئے، مولانا سید جعفر علی نقویؒ قافلہ جہاد میں شریک اور منشی خانہ سے متعلق رہے، معرکہ بالاکوٹ میں حضرت شہیدؒ کی جماعت خاص میں رہے، بالاکوٹ سے واپس آکر تقریباً چالیس سال دعوت واصلاح کے کاموں میں مشغول رہ کر ۱۲۸۸ھ میں وفات پائی، بعد کے بزرگ حضرت سید احمد شہیدؒ کے نامور جگر گوشوں مولانا سید عرفان اور مولانا سید مصطفٰی رحمۃ اللہ علیہما سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرکے ٹونک اور تکیہ مبارکہ سے وابستہ رہے، اس وابستگی کے طفیل بچپن ہی سے تکیۂ مبارکہ کے بزرگوں کی عظمت ومحبت دل میں پیوست ہوئی اور تمنا رہی کہ اللہ تعالی اس خانوادۂ عالی کے حضرات سے زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہونے کی کوئی صورت پیدا فرمائیں۔

میں گاؤں کے قریب عربی مدرسہ میں پڑھ رہا تھا کہ ۱۹۳۸ء میں مخدومی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ کا اشتہار "الفرقان" میں دیکھا، گھر والوں کو بتایا تو میرے عم مخدوم نے کتاب لکھنو سے منگوائی، سب نے ذوق شوق سے پڑھی اور مجھے بھی مطالعہ کی سعادت ملی، ۱۹۳۹ء کے آخر میں مظاہر علوم سہارنپور تکمیل تعلیم کے لیے گیا، شوال ہی میں وہاں حضرت مولانا مدظلہ کی زیارت

وملاقات کا شرف حاصل ہوا، شعبان میں گوئن روڈ حاضر ہوکر مخدوم ومعظم حضرت ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کا نیاز حاصل کیا اور بستی آتے جاتے عموماً لکھنؤ حاضری ہوتی رہی، دورۂ حدیث کے سال عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں گھر جاتے ہوئے گوئن روڈ حاضر ہوا، اس وقت حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ایماء پر میرے بھانجے محمد ثانی حسنی سلمہ مظاہر علوم دورہ حدیث میں شرکت کے لیے جائیں گے اور مولوی محمد ثانی صاحب کو بلا کر تعارف کرایا، بقرعید بعد سہارن پور واپسی پر ترمذی شریف کے سبق سے فارغ ہونے پر ہم دونوں کی ملاقات ہوئی اور ہم دونوں خوش ہوئے، مولوی محمد ثانی حضرت شیخ کے مہمان تھے، چند دن بعد انہوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ نے دارالاقامہ میں رہنے کی اجازت دے دی ہے، میں تمھارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، قریب کے کمرہ میں ہمارے کئی سال کے ساتھی اور دوست اور ہماری جماعت کے صالح ترین نوجوان رہتے تھے، میں نے ان سے اجازت لیکر کہ ان کے کمرہ میں جگہ خالی نہ تھی مولوی صاحب کے قیام کا انتظام کیا، (وہی دوست آج کے تاج العارفین ہم سب کے مخدوم مولانا صدیق احمد صاحب باندوی دامت برکاتہم ہیں) ہم لوگ ایک ساتھ سبق ومذاکرہ ومطالعہ میں مصروف رہتے، وہ دوپہر کو کھانا حضرت شیخ کے ساتھ کھاتے، شام کو اکثر ساتھ کھانا ہوتا۔

خانوادۂ حضرت شہید سے تعلق نیز ان کی اپنی اعلیٰ صفات کی بنا پر حضرات اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری اور حضرت مولانا اسعداللہ صاحب ان سے بڑی محبت فرماتے اور طلباء بھی ان کے ساتھ عظمت واحترام کا معاملہ کرتے۔

ششماہی امتحان کے بعد ایک جمعہ کی صبح کو دوستوں نے سائیکل سیکھنے کا ارادہ کیا، مولانا ثانی بھی ساتھ گئے، میں ابھی وہاں پہنچا بھی نہ تھا کہ معلوم ہوا، مولوی محمد ثانی صاحب سائیکل سے گر گئے اور ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی، فوراً اسپتال لے جائے گئے، وہاں ڈاکٹر نے پٹی باندھ کر اسپتال میں داخل کرلیا، عصر کے بعد حضرت شیخ اساتذۂ کرام

ومعززین شہر کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے، مزاحاً فرمایا، درس حدیث کے لیے آئے ہو یا سائیکل سیکھنے؟ میں تمہارے ماموں صاحبان کو کیا جواب دوں گا، دس دن اسپتال میں قیام کے بعد مدرسہ آنے کی اجازت ملی، اور ہم سب امتحان سالانہ کی تیاری میں لگ گئے، شعبان میں ایک ساتھ وطن واپسی ہوئی، میں ان کو گونڈہ روڈ پہنچا کر بستی چلا گیا، رمضان کے بعد والد صاحب کی آنکھ کے علاج کے لیے لکھنؤ آیا، مولانا محمد ثانی نے میرے والد کی مجھ سے زیادہ خدمت کی، حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے مشورہ سے بلرام پور اسپتال میں علاج ہوا، اور صحت ہو جانے پر واپس ہوا، اور دو ہفتہ قیام رہا تھا، اس مدت میں مولانا نے جو ہمدردی اور محبت فرمائی وہ میرے تصور میں نہیں آسکتی تھی، اس محبت نے تعلق میں بہت اضافہ کر دیا، لکھنؤ سے واپس ہو کر میں نے چند مہینے سہارن پور اور کچھ بستی میں گذارے، اس درمیان مولانا سے خط وکتابت سے برابر رابطہ قائم رکھا، اچانک یکم جنوری ۱۹۴۶ء کو حضرت ڈاکٹر صاحب کا گرامی نامہ ملا کہ دارالعلوم میں ابتدائی مدرس کی جگہ ہے تم فوراً ہی آجاؤ، میں ۲؍جنوری کو یہاں حاضر ہو گیا۔ اور ۳؍جنوری ۱۹۴۶ء کو دارالعلوم کے مکتب میں تقرر ہو گیا، مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے ہی محلہ میں قیام کا انتظام کیا اور اس خانوادہ عالی کے قریب زندگی گذارنے کی سعادت ملی، مجھے ہر وقت اپنے ساتھ رکھا اور ہر کام میں شریک کیا، تبلیغی گشت واجتماعات، سیاسی جلسے جلوس، محلہ کی مسجد میں امامت اور قرآن مجید وحدیث شریف کے درس میں ہم دونوں برابر کے شریک رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی اعلیٰ صفات عطا فرمائی تھیں۔ میرے ساتھ ان کی اس محبت کی بنا پر عام طور پر لوگ ہم دونوں کو بھائی سمجھنے لگے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد طلحہ صاحب ان دنوں یہیں تشریف فرما تھے وہ مولوی محمد ثانی سے بے حد محبت فرمایا کرتے تھے، فرمایا کرتے یہ میرا بیٹا پیدائشی ولی ہے، فرمایا یہ بچپن میں بہت گڑ کھایا کرتے تھے، وہ گڑ ان کے لیے شکر ہو گیا، ان کی پاکیزہ خیالی اور ایمانی پختگی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے کہ ان کے دل میں گناہ کا تصور بھی نہیں

آتا۔ ۱۹۴۷ء میں حضرت مولانا مدظلہ کے ساتھ سفر حج میں تشریف لے گئے، اور کئی مہینے قیام رہا، اس سفر میں ان کی خوبیوں کی تفصیل حضرت مولانا نے اپنی کتاب "کاروان زندگی" میں تحریر فرمائی ہیں، ۱۹۴۹ء میں حضرت مولانا نعمانی کے ساتھ حج کا سفر کیا، مولانا نعمانی مدظلہ نے اپنے تعزیتی مضمون مین ان کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو اللہ تعالی نے کیسی اعلی صفات عطا فرمائی تھیں۔

لکھنؤ سے رائے بریلی جاتے اور عموماً ساتھ لے جاتے اور کئی کئی دن، میں وہاں قیام کرتا، میرے گھر بھی بڑی خوشی سے کئی مرتبہ تشریف لے گئے، پہلی مرتبہ میری شادی کے وقت ۱۹۴۷ء میں تشریف لے گئے، اس وقت ایک لطیفہ یہ پیش آیا کہ ہم لوگوں کو ایک جگہ جانا تھا وہ ہاتھی پر سوار ہوئے، ہمارے ایک عزیز بھی دو بچوں سمیت ان کے ساتھ بیٹھے، میں تانگہ میں اور لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر گیا، راستہ میں ہاتھی کسی وجہ سے بدک گیا اور چیخنے چلانے لگا، یہ گھبرائے فیل بان نے اطمینان دلایا کہ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے، چنانچہ خیر و عافیت کے ساتھ منزل تک پہنچ گئے، لیکن آخر تک وہ بے تکلف مجلسوں میں اس کا ذکر کرتے اور مزاحاً فرماتے کہ تم نے میرے ساتھ دشمنی کی، حالانکہ اپنے شوق سے اس پر بیٹھے تھے۔

میں نے جب اپنے بچوں کو لکھنؤ لانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے میرے لیے مکان تلاش کیا، تھوڑے دنوں بعد حضرت ڈاکٹر صاحب سے عرض کر کے محلہ کی مسجد (موجودہ مرکز تبلیغ) جو ندوہ کی تولیت میں ہے اس کی محلّہ ہی میں ایک افتادہ زمین میں میرے لیے ایک مکان بنوایا اور بڑی دلچسپی لی، میں اس مکان میں ۱۹۶۴ء تک کرایہ پر رہا۔ ۱۹۶۴ء میں جب دارالعلوم کے احاطہ میں مجھے جگہ ملی تو محلّہ چھوڑنے سے پہلے مجھ سے وعدہ لیا کہ جمعہ کا دن تمھارا یہاں ہمارے ساتھ گزرا کرے گا، چنانچہ بہت عرصہ تک میں ہر جمعہ کو برابر جاتا رہا، ۱۹۷۵ء میں مولانا کے والد صاحب کی وفات ہوئی تو بزرگوں کے مشورہ پر ان کا قیام تکیہ شریف میں طے پایا، وہ شروع میں

بہت گھبرائے لیکن پھر دلچسپی بڑھی تو کھیتی و باغات کا از سر نو ایسا اچھا نظام کیا کہ پیداوار بہت بڑھ گئی، اپنے اور دوسرے عزیزوں کے مکانات کی مرمت کرائی اور اس میں ایسی ترمیمات کیں، کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے، وہاں قیام کی مدت میں شہر کے لوگوں سے رابطہ قائم کر کے رائے بریلی کے مسلمانوں میں دینی روح بیدار کر دی، پورا شہر ان کا احترام کرتا، میں اکثر ان کے ساتھ شہر جایا کرتا تو مسلم غیر مسلم ہر ایک کے دل میں ان کے لیے احترام و عظمت کو محسوس کرتا، شہر کے لوگ اپنے اہم مسائل مولانا کے سامنے رکھتے اور ان کے مشورے اور فیصلے کو قبول کرتے۔

مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر کے ناظم تھے اور مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور کے معتمد تعلیم، دونوں مدرسوں کی خدمت بڑی توجہ کے ساتھ فرماتے رہے، امین نگر کے مدرسہ میں جاتے وقت مجھے عموماً بلا لیتے اور ہم دونوں ساتھ جایا کرتے، انہیں کے حکم کی تعمیل میں ۱۲؍جنوری ۱۹۸۲ء کو مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر کے امتحان ششماہی کی نگرانی کے لیے گیا ہوا تھا، ۱۵؍جنوری کی صبح کو مولانا وہاں تشریف لائے، شام کو ساتھ ہی تکیہ مبارکہ واپسی ہوئی، رات کو قیام کر کے لکھنؤ واپس آ گیا، برادران گرامی مولانا سید محمد رابع و مولانا سید محمد واضح چند دن بعد تکیہ تشریف لے گئے، واپسی پر آ کے بتایا کہ چھوٹے بھیا محمد ثانی کل صبح میدان پور جا رہے تھے، راستہ کے ایک کتے نے اچانک حملہ کیا اور چہرے پر اس کے پنجوں کے چند کھرونچ آ گئے ہیں، ڈاکٹر کو دکھایا تو اس نے دوا دے دی ہے، اب آرام ہے، جی چاہا جا کے دیکھ آؤں، لیکن ان حضرات نے فرمایا کہ جلد ہی ماموں جی (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ) کے ساتھ یہاں آنے والے ہیں ملاقات ہو جائے گی، اس لیے میں نہیں گیا، ۲۰؍جنوری کی شام کو حضرت مولانا کے ہمراہ تشریف لے آئے، میں نے خیریت معلوم کی، فرمایا کہ ٹھیک ہے ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ ۲۳؍جنوری کو حجاز کے سفر پر روانہ ہو گئے، مولانا محمد ثانی

صاحب ۲۷؍جنوری تک یہاں قیام کر کے رائے بریلی واپس گئے، وہاں پہنچ کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔۱۲؍فروری کو عشاء کی نماز کے فوراً بعد مولانا سعید الرحمٰن صاحب نے یہ اعلان کیا کہ ابھی مولانا محمد رابع صاحب کا ٹیلیفون آیا ہے کہ مولانا محمد ثانی صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے، لکھنؤ اسی وقت ان کو لا رہے ہیں، یہ سنتے ہی یکایک خیال گزرا کہ خدانخواستہ کتے ہی کا اثر تو نہیں ہے۔ دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء کی بڑی تعداد فوراً گوئن روڈ پہنچ گئی، محترمی ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی کئی ڈاکٹروں کے ساتھ پہلے سے موجود تھے۔۱۱؍بجے رات میں ایمبولینس ان لوگوں کو لیکر آئی، معلوم ہوا کہ وہی اثر ہے، ہم لوگ ملے، ان کو اتار کر مکان میں لے آئے، بظاہر طبیعت اچھی تھی، ڈاکٹر قریشی نے دیکھا، دوا دی، اور یہ کہہ کر کہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے، صبح آنے کا وعدہ کر کے اپنے گھر چلے گئے، میں چند اور لوگوں کے ساتھ رات بھر ان کے ساتھ رہا، رات کو نیند آئی اور بظاہر آرام رہا، صبح کو ڈاکٹر داور حسین صاحب جو لکھنؤ چڑیا گھر کے سربراہ رہ چکے ہیں، اور حیوانات کے سلسلہ میں ماہر ہیں، تشریف لائے، دیکھا اور ہم لوگوں سے کہا کہ کتے کا زہر اثر کر چکا ہے، بظاہر صحت کی طرف سے مایوسی ہے۔

مشورہ میں طے پایا کہ گھر ہی میں رکھ کر امکانی علاج کیا جائے، پھر اللہ کی مرضی، چنانچہ لکھنؤ میں علاج کے لیے جتنی بہتر کوشش ہو سکتی تھی کی جاتی رہی، اور دہلی سے بھی دوا منگوائی گئی، اتوار ۱۴؍فروری کا دن خاصی تشویش میں گزرا، لیکن مولانا پر نفسیاتی طور پر کوئی اثر نہیں تھا، محبت کا شفقت کا جذبہ بہت ابھر آیا، ہر آنے والے کو نصیحت کرتے، دعائے ماثورہ اور آیات قرآنی کی تلاوت میں مشغول رہتے، مجھ سے اتوار کی صبح ہی کو فرمایا کہ مولانا صدیق احمد صاحب کو بلاؤ وہ آ کر دعا کر دیں تو میں اچھا ہو جاؤں گا، میں نے ٹیلیفون کر کے ان کو اطلاع کرائی اور وہ دوشنبہ ۱۵؍فروری کی صبح کو تشریف لے آئے، دوشنبہ کی صبح ہی سے طبیعت خاصی اچھی معلوم ہوئی، خود فرمایا کہ طبیعت

اچھی ہے، پانی پینے کو جی چاہتا ہے، دوپہر میں ذراسی کھیر کھائی، باتیں نہایت اچھی طرح کرتے رہے، البتہ کھانسی شدید تھی اور رک رک کر تنفس بڑے زور کا ہوتا، علماء ومشائخ اور مدارس کا ذکر ان کی افادیت کا ذکر اور ان کے لیے دعا فرماتے رہے، ایک موقع پر فرمایا، دارالعلوم دیوبند میرے سر کا تاج، مظاہر علوم سہارن پور میری مادری درسگاہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء میرے دل کا سکون، فرمایا مظاہر علوم نہ ہوتا تو مولانا صدیق صاحب اور تم میرے دوست نہ بنتے، فرمانے لگے، میرے تین دوست ہیں، ایک مولانا صدیق احمد صاحب، ایک تم، ایک اور جس کو تم جانتے ہو، (اشارہ سید حسین حسنی برادرزادہ مولانا سید طلحہ صاحب کی طرف تھا) فرمانے لگے ندوہ کے مہتمم صاحب، اساتذہ اور طلباء سب مجھ کو دیکھنے آرہے ہیں، سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن سب سے کہہ دو مجھے اس لیے دیکھنے نہ آئیں کہ میں رابع کا بھائی ہوں، بلکہ ایک مسلمان کی عیادت کی نیت سے آئیں کہ اس میں بڑا ثواب ہے۔

بہر حال اس دن کی کیفیت سے کچھ صحت کی امید ہوئی اور معالجین نے تو بہت اطمینان کا اظہار کیا، حضرت مولانا مدظلہ بھی عصر کے بعد سفر سے واپس تشریف لے آئے، بہ ظاہر بالکل اطمینان کی کیفیت تھی، اس لیے عشاء کے بعد ہم چند لوگوں کے سوا سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے، فلاح المسلمین کے مہتمم مولانا عبدالباری اور وہاں کے چند اساتذہ، میدان پور کے مدرسہ ضیاء العلوم کے ناظر محمد شرافت خاں صاحب اور دارالعلوم کے چند طلبا رہ گئے، دس بجے رات سے اچانک کیفیت بدلی، محبت کا جذبہ بے انتہا ابھرا، اور زور زور سے بولنے اور لوگوں کو پکارنے لگے، جو آتا اس سے لپٹ جاتے، مولانا محمد رابع صاحب کو بڑے اصرار سے بلایا، وہ آئے تو فرمایا رابع! جی چاہتا ہے کہ تمہارے پاؤں چوم لوں، اس لیے کہ اللہ تعالی نے تمہیں بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے،، مولانا رابع صاحب ضبط نہ کر سکے اور روتے ہوئے کمرہ سے باہر نکل گئے، واضح سلمہ، حمزہ سلمہ، اور گھر کے سب افراد پریشان اور اللہ تعالی سے لو لگائے

ہوئے دعا میں مشغول رہے، میں پاس بیٹھا ہوا تھا، فرمایا، تم میرے دوست ہو، میں نے کہا، ہاں، فرمایا تو اپنی پیشانی چومنے دو، میں نے عذر کیا تو اصرار فرمایا، میں نے سر جھکایا تو مولوی شرافت صاحب نے میری ٹوپی پیشانی کی طرف کھسکا دی، ، مولانا کے لب ٹوپی پر پڑے، سخت ناراض ہوئے اور فرمایا تم بے وفا ہو، یہ کہہ کر رخ پھیر لیا، ، چند ثانیے خاموش رہ کر فرمایا کہ ایک مرتبہ پیشانی چومنے دو، میں نے اپنا سر جھکا دیا، اور انہوں نے پیشانی چوم کر بہت دعائیں دیں۔

اب لحہ بہ لحہ طبیعت تیز ہوتی جارہی تھی، کھانسی کے دورے شدید اور بے چینی بڑھتی رہی، لیکن مولوی عبدالباری اور شرافت صاحب کو نصیحت برابر فرماتے رہے، مدرسہ کی خدمت میں ایثار وقربانی کے لیے اور دین کی تبلیغ واشاعت کے لیے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کھڑے ہو کر زور زور سے کہوں، تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں، ہم سب گھبرائے، ڈاکٹر قریشی صاحب کو بلایا گیا، ، وہ تقریبا تین بجے تشریف لاسکے، آ کر دیکھا، ہم لوگوں کو یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ ان کے پاس اس وقت کوئی جاننے والا نہ رہے تا کہ بات نہ کر سکیں اور سکون مل سکے، ، ۱۶ر فروری کی صبح ڈاکٹروں کی ٹیم آ گئی، ان کو مولانا نے خود اپنی رات کی ساری کیفیت بتائی، دوائیں دی جاتی رہیں، دعاؤں میں مشغولیت رہی۔ ساڑھے دس بجے دن میں کروٹ لے کر آہستہ آہستہ دعائے ماثورہ پڑھتے رہے، ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ اب سکون ہو گیا ہے، لیکن یہ سکون ابدی سکون ثابت ہوا، اور مولانا ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے، "اناللّٰہ وانا الیہ راجعون"

وفات کی خبر ندوہ پہنچی، سارے اساتذہ وطلباء غم میں ڈوبے گوئن روڈ پہنچے، تجہیز وتکفین کا انتظام کیا گیا، جنازہ دارالعلوم کے طلباء اپنے کاندھوں پر دارالعلوم میں لائے، شہر کے لوگ امنڈ پڑے اور دارالعلوم کے میدان میں گیارہ صفوں کے بہت بڑے مجمع نے نماز جنازہ پڑھی، جنازہ رائے بریلی لے جایا گیا، لکھنؤ سے ہزاروں آدمی، بسوں، ٹرین اور اپنی موٹروں پر رائے بریلی پہنچ گئے، دارالعلوم کے اکثر طلباء بھی تدفین میں

شرکت کے لیے وہاں آگئے، مغرب بعد جنازہ رائے بریلی پہنچا، شہر سے تکیہ شریف تک کاندھوں پر لے جائے گئے، میں نے دیکھا کہ رائے بریلی کے ہر مذہب وملت کے بے شمار لوگ موجود تھے، رات اندھیری تھی، اس لیے شہریوں نے پچیسیوں گیس لالٹین کا انتظام کیا تھا، جنازہ اس طرح جارہا تھا کہ بے اختیار زبان سے نکلا

ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا شان سے نکلے

اللہ کا مقبول بندہ، رسول اکرم ﷺ کا شیدائی، علماء مشائخ کا محبوب، خاندان علم الٰہی کا نور نظر، جھپکتی پلکوں کے انداز سے رخصت ہوا، اور سب کو رنجیدہ چھوڑ گیا، میں کیا بتاؤں کہ مجھ پر کیا بیتی، ہر آن ان کا مسکراتا ہوا چہرہ میرے سامنے ہے اور بے اختیار سوچنے لگتا ہوں

ع ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اس محبت کے طفیل جو ان کی مجھ پر تھی مغفرت ونجات کا ذریعہ بنائے۔

مولانا محمد ثانی حسنیؒ-نقوش اور تاثرات

مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ
(سابق استاذ جامعہ ام القری مکہ مکرمہ ومعتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مجھ سے اگر کوئی یہ پوچھے کہ اللہ کی اس وسیع دنیا میں، میں نے کیا دیکھا جو قابل ذکر ہو اور خود میرے لیے فخر ہو تو یہ کہوں گا کہ چند ایسے افراد دیکھے ہیں جو اس دنیا میں آخرت کے لیے جیتے ہیں جن کو دیکھ کر دل شہادت دیتا ہے کہ یہ اللہ کے بندے دنیا میں رہتے بستے ہوئے بھی دنیا والوں سے الگ تھلگ ہیں، یہ لوگ حقیقی معنوں میں دنیا کو "مـزرعة الاٰخـرة" اور ایک ''رہ گذر'' سمجھتے ہیں، درجات کی تقسیم تو اللہ تعالی کے ہاتھ ہے، کون کس درجہ کا ہے، یہ بتانا انسان کا کام نہیں، وہ بھی میرے جیسے انسان جس کو خود اپنی پستی کا درجہ نہیں معلوم کہ عصیاں وگمرہی کے قعر میں کہاں تک دھنس چکا ہے، اوپر جانے والوں اور تقرب الی اللہ کی اعلی منزلوں میں پرواز کرنے والوں کی بلندیوں کی پیمائش کہاں کرسکتا ہے، لیکن زندگی پر رینگنے والا کیڑا اگر آسمان پر اڑنے والے پرندوں کے بارے میں یہ شہادت دے کہ ہمارے وسعت ادراک سے بلند ہے تو اس میں کوئی ادعا کی بات نہیں ہوگی۔

مولانا محمد ثانی حسنیؒ اسی طرح کے چند انسانوں میں شمار ہوتے تھے جن کو دیکھ کر دل بے ساختہ شہادت دیتا ہے کہ یہ اللہ کا بندہ آخرت کی مخلوق ہے جس کو نمونے کی تلاش ہو وہ ان کو دیکھ لے، یہ سچ ہے کہ ہیرے کو پہچاننا ہر ایک کا کام نہیں، اس کے لیے جوہری کی نگاہ یا شاہ کا تجربہ چاہیے، مگر کنکر پتھر کے ڈھیر میں کوئی چمکدار شیشہ نظر آجائے تو ایک فقیر رہ گذر بھی کہہ اٹھے گا:

''یہ شیشہ ان کنکروں اور پتھروں کے ٹکڑوں سے ممتاز ہے،

قیمت تو جوہری لگائیں گے مگر اس کے عام ریت سے الگ
ہونے اور ہزاروں بلکہ لاکھوں کے ڈھیر میں نمایاں ہونے کی
شہادت تو ہر عادمی دے سکتا ہے''۔

مولانا محمد ثانی کو آج سے ۴۲ رسال پہلے دارالعلوم کے درجہ پنجم میں ایک نوعمر طالب علم کی حیثیت سے دیکھا، اس وقت ہم دونوں سبزۂ آغاز تھے، اساتذہ میں مخدوم ومربی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے یہاں ہم لوگوں کے دو گھنٹے تھے، ایک قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کا، دوسرا مختارات کا، مختارات اس وقت قلمی شکل میں تھی، مطبوعہ نہ تھی، اس کی عبارت خوانی کوئی آسان کام نہ تھا، وہ بھی ان طلباء کے لیے جنہوں نے ندوہ کے نصاب کے مطابق عربی ادب کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی، میرا شمار بھی انہیں طلباء میں تھا جو ادب میں بالکل کورے آئے تھے، اس لیے اس کی عبارت خوانی اکثر انہی مولانا ثانیؒ کے حصہ میں آتی، ایک نئے طالب علم کی حیثیت سے میرے لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ماحول بالکل نیا تھا، نئے لوگ، نئے انداز، نئی شرارتیں، نئی قسم کی باتیں، ادھر استاذ درجہ سے نکلے، ادھر لڑکوں نے درجہ سر پر اٹھالیا، کوئی بحث کررہا ہے، کوئی کسی کا مذاق اڑا رہا ہے، کوئی کسی سے چھین جھپٹ رہا ہے، کوئی کھل کھلا کر ہنس رہا ہے، کوئی منہ بسورے کنارے کھڑا ہے، کوئی کسی کو آنکھ دکھا رہا ہے، کوئی کسی سے میل ملاپ کی باتیں کررہا ہے، اس پورے ہڑبونگ میں ایک لڑکا گول مٹول بدن کا، سادہ اجلے کپڑے پہنے، ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے، سب سے الگ تھلگ، سب سے جدا، اور درس میں سب کا شریک، لوگ ہنگامے اور شور وشغب اور اٹھکیلیوں میں مصروف مگر اس کی نظر کتاب پر جمی ہوئی گویا نہ تو وہ آنکھ سے کچھ دیکھ رہا ہے، نہ کان سے سن رہا ہے، یہ تھے ''محمد ثانی''۔

درجہ پنجم کا سال ختم ہوا اور یہ حضرت کہیں غائب ہوگئے، ایک سال کے مکمل وقفہ کے بعد درجہ ہفتم میں ترمذی شریف کا درس حضرت مولانا شاہ حلیم عطا رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تھا، دیکھا ایک روز وہی درجہ پنجم والے ساتھی محمد ثانی چلے آرہے ہیں، فرق یہ تھا کہ

اب مونچھیں نکل چکی تھیں، اور رخسار پر ہلکے سیاہ ریشم کے روئیں نمودار ہو چکے تھے۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے؟''

''سہارن پور میں تھا''

''کیوں''

''حدیث پڑھنے کے لیے''

''اب کیوں آگئے''

''حدیث پڑھنے کے لیے''(۱)

اب آگے پوچھنے کی گنجائش باقی نہیں تھی، بالکل اپنے بڑے ماموں (حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ) کے انداز میں ایک بات کا جواب ایک لفظ میں دینا، نہ فضول گوئی نہ دل شکنی، نہ ترفع کا اظہار، نہ بے جا تواضع کی نمائش، بات کا جواب دیا اور نگاہیں پھر کتاب پر جم گئیں، چند ماہ اس درس میں پابندی سے شریک رہے، پھر غائب ہو گئے، اور اس کے بعد اس وقت دکھائی دیے جب آخری درجہ میں بخاری شریف مولانا حمیدالدین صاحب علیہ الرحمۃ کے یہاں ہو رہی تھی، اس درجہ میں طلباء کی تعداد کم تھی، مگر کوئی نوخیز نہیں رہا تھا، حدیث شریف کی مختلف کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھ چکے تھے، مولانا عبدالسلام قدوائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد پڑھاتے وقت تخریج مسائل کے رخ پر لگایا تھا، شاہ صاحب (حضرت شاہ حلیم عطا شیخ الحدیث) نے اسناد اور جرح وتعدیل کے اصول سمجھانے کے ساتھ ایک نیا ذوق پیدا کیا تھا، کہ وہ دوسری مثالوں سے حدیث نبوی کی عظمت بتاتے، جس سے معلوم ہوتا تھا

(۱) مولانا کو یہاں اشتباہ ہوا ہے، دراصل یہ سال لاہور میں قیام کا تھا، جہاں مولانا سید طلحہ حسنی ٹونکی کی سرپرستی میں ایک سال کا تعلیمی وقت گذارا تھا، اور سہارنپور میں مظاہر علوم کا قیام ۴۴ تا ۴۵ رہا، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تکمیل تعلیم کے بعد کا ہے، جس کی تفصیلات ابتدائی اوراق میں گذر چکی ہیں رفقائے ندوہ میں، مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی لکھنؤ میں ہی رک گئے تھے، مولانا مجیب اللہ ندوی دارالمصنفین چلے گئے تھے، مولانا عبدالحلیم ندوی دہلی چلے گئے تھے اور مولانا ابوالعرفان خاں ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد ہو گئے تھے۔ (م)

کہ عام انسانی کلام سے پیغمبرؐ کا کلام کس درجہ ممتاز ہے، اس سے آنحضرت ﷺ کی محبت بڑھتی، اور حدیث کی دل میں عزت بڑھتی، موجودہ درس ہم ندوی طلباء کے لیے نیا تجربہ تھا، یہاں فرق باطلہ خاص طور پر مرجیہ کے عقائد کا ابطال ہوتا، فقہی مسائل میں مذہب حنفی کی ترجیح پر زور صرف ہوتا۔ اللہ تعالی حضرت مولانا حمید الدینؒ کے درجات بلند فرمائے، بہت بااخلاق اور صابر اور حلیم بزرگ تھے، طلبا کے بے جا اعتراضات اور بعض منہ پھٹ طالب علموں کے جارحانہ قسم کے اعتراضات کو بھی سن کر بڑے صبر وسنجیدگی سے جواب دیتے، اس درس میں صرف ایک طالب علم ایسا تھا جو استاذ حدیث کے پورے درس میں انتہائی سنجیدگی، متانت اور سعادت مندی کے ساتھ بیٹھا رہتا اور ان کے ارشادات کو نوٹ کرتا، وہ ''محمد ثانی'' تھے رحمۃ اللہ علیہما۔

مولانا محمد ثانیؒ میرے اس پنج سالہ دور طالب علمی کے زمانے میں زیادہ تر سہارنپور میں رہے۔(۱)

اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ کی خدمت وصحبت میں رہے، نوعمری اور آغاز شباب کا پورا زمانہ انہوں نے یا تو حضرت شیخ الحدیث کی صحبت و خدمت میں گذارا یا پھر اپنے خال معظم حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے ''ماموں جی'' حضرت مخدوم ومربی مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کے زیر تربیت مطالعہ میں صرف کیا، بے چارے کی آنکھیں کمزور ہوگئی تھیں، نوعمری ہی میں موٹے شیشے کی عینک لگانی پڑی، عام صحت تو بظاہر اچھی تھی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ جسم کا ڈھانچہ مضبوط نہیں تھا، وقت سے پہلے بال سفید ہوگئے تھے اور اپنی عمر سے زیادہ کے معلوم ہوتے تھے۔

تعلیم کے بعد ہم دونوں عرصہ تک بے تعلق رہے، میں اپنی زیست ومعیشت کے لیے ٹھوکریں کھاتا پھرا، وہ صبر وشکر کے ساتھ، لکھنؤ، رائے بریلی اور سہارن پور آتے

---

(۱) سہارنپور زمانہ طالب علمی کے بعد گئے تھے، زمانہ طالب علمی میں ندوہ سے غیبوبت رائے بریلی اور لاہور کی رہی، ۴۰-۴۱ کا لاہور میں اور ۴۲ کا اکثر حصہ رائے بریلی میں گذارا کہ بڑے بھائی سید محمود حسن صاحب مسلسل بیمار رہتے تھے وہ وفات پاگئے تھے۔(م)

جاتے رہے، غالباً ۱۹۴۶ء کے آخر میں وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ اور خاندان کے افراد کے ساتھ حج کے لیے گئے، جس سفر حج کی روداد مختصراً اپنے گھر سے بیت اللہ تک، والے مضمون میں ہے جو ''آپ حج کیسے کریں'' مولفہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی میں درج ہے، مولانا محمد ثانیؒ نے بھی اس سفر کی مفصل روداد بلکہ روز نامچہ لکھا تھا، اس سفر کے دوران مدینہ منورہ میں ایک بزرگ نے جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ مجاز تھے، انہوں نے مولانا محمد ثانی حسنی کے جوہر قابل کو پہچان کر خلافت بخش دی تھی۔

اس سفر کے بعد غالباً ''مکتبہ اسلام'' کی بنیاد پڑی ہی تھی ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کا اردو ترجمہ ''مسلمانوں کے عروج وزول سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، اور ''ریاض الصالحین'' کا اردو ترجمہ جو مرحوم کی خالہ صاحبہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم رحمۃ اللہ علیہا نے کیا تھا، اس مکتبہ کا سرمایہ تھا، تجارت ان کے بس کا روگ نہ تھا اور نہ اس کے لیے پیدا کئے گئے تھے، ان کی تجارت کا حال ایک واقعہ سے معلوم ہوگا جس کے راوی بفضل خدا زندہ سلامت ہیں، یعنی حکیم شرافت حسین رحیم آبادی، انہوں نے ایک مکتبہ ''دین ودانش'' قائم کیا، اور کامل کیلانی کے طرز پر چند ریڈریں، اللہ کے رسولؐ، اور خلفاء راشدین کی سیرت پر لکھیں، ان کا بیان ہے:

> ''میں نے ابتدا میں چند ایسے اداروں سے بات چیت کی جو دینی کتابوں کی اشاعت وفروخت سے دل چسپی رکھتے تھے، ان سے تعاون طلب کیا، کچھ پتے معلوم کرنا چاہا تا کہ اپنی کتابوں کا اشتہار ان پتوں پر بھیجوں، سبھوں نے ٹال دیا اور یہ جواب دیا کہ اپنی کتابیں ہمارے مکتبہ میں رکھ دیجئے، جو کتابیں فروخت ہوں اس کی قیمت کمیشن حذف کر کے آپ کو دے دی جائے گی، مگر یہی بات (تعاون طلب کرنے کی) مولوی ثانی صاحبؒ

> سے کی تو انہوں نے اپنے پتوں کا پورا رجسٹر میرے حوالہ کر دیا، بعد میں ایک صاحب الرائے اور تجربہ کار دوست نے ان کو سمجھایا کہ میاں آپ تجارت کرنے بیٹھے ہیں، یا وظیفہ پڑھتے ہیں؟ بھلا کوئی اپنے خریداروں کے پتے کسی کو دیتا ہے، یہی تو ایک تاجر کا سرمایہ ہوتا ہے، مولانا ثانیؒ صاحب کا جواب یہ تھا کہ حکیم صاحب بھی تو دینی کتابیں چھاپتے ہیں، کوئی مخرب اخلاق لٹریچر تو شائع نہیں کرتے کہ ان سے کوئی خوف ہو"

یہ واقعہ اس لیے نقل کیا کہ اس سے ان کے مزاج اور طرز فکر کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کا خاندانی مزاج تھا اور اس تربیت کا اثر تھا جو ان کے وقت کے تین کامل ترین مربیوں نے انہیں عطا کیا تھا، نرم اور زرخیز مٹی پر موزوں اور مناسب بارش ہوئی اور دل کی دنیا لالہ زار بن گئی۔

مولانا محمد ثانیؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ کی فرمائش پر شیخ التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی ۸۴۳ صفحات پر مشتمل سوانح تحریر فرمائی، حضرت شیخ ہی کے ایماء پر مولوی محمد ہارون مرحوم (خلف حضرت مولانا محمد یوسفؒ) کی سوانح لکھی اور آخر میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کی سوانح لکھی، بزرگوں کی سوانح نگاری کا ذوق ان کو اپنے خال نامدار حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی مدظلہ سے ملا اور حضرت شیخ الحدیث کی دعا و توجہات سے اس میں جلا ہوئی۔

مولانا محمد ثانیؒ نے مسلم خواتین کے لیے ایک مختصر حجم کا رسالہ "رضوان" نکالا جو اب تک نکل رہا ہے، اس کی ادارت (یا ریاسۃ التحریر) ان کی خالہ صاحبہ مرحومہ سیدہ امۃ اللہ تسنیم کے نام منسوب تھی، علم و انابت الی اللہ مناجات و دعا کے ماحول میں پرورش پائے ہوئے نفوس پاک کے نام و قلم سے جو چیز نکلتی رہی اس کی شان ہی نرالی ہے، مگر وہ دنیا کے بازار کی چیز نہیں ہے، اس میں تاجرانہ شان کا دور دور تک پتہ نہیں ہوتا، مولانا محمد ثانی کی

طبیعت موزوں تھی، دیکھنے میں اتنے سادہ، بے رنگ وکیف معلوم ہوتے تھے، مگر اندر سے دل ودماغ سرسبز وشاداب تھا، مناجات، نعت ان کا مرکزی مضمون تھا، عالم اسلام پران کی گہری نظر تھی، اسلامی غیرت سے ان کا وجود کا خمیر ہی اٹھا تھا، مگر سن لیا کہ ترکی حکومت نے، آیا صوفیا مسجد کو پھر مسلمانوں کے حوالے کردیا تو ترکی سے ہزاروں میل دور ایک گاؤں میں بیٹھے مولانا محمد ثانی حسنیؒ کی روح جھوم اٹھی اور اس پر ایک نظم لکھ دی، اور شاعری بھی فقیہانہ، یا تک بندی والی نہیں تھی بلکہ اس میں روانی یا جوش ہوتا، ترکیبیں چست، بندش مضبوط اور الفاظ تولے اور ناپے ہوئے ہوتے، ندوہ کا ترانہ انہوں نے لکھا، جوادارہ سے ان کی محبت اور تمناؤں کا ترجمان ہے، دوسری طرف شاعرانہ نقطہ نظر سے دیکھئے تو اس میں جوش ہے، روانی ہے، اور محبت کی سادگی اور البیلا پن ہے۔

مولانا محمد ثانیؒ اس ترانہ کے بعد تو مدارس اسلامیہ کے ترانہ نگار بن گئے، کتنے مدرسوں کے ترانے لکھ ڈالے، اپنے تکیہ سے قریب ہی ایک گاؤں میں ایک مدرسہ کے سرپرست وناظم بھی تھے اور صرف نام کے نہیں بلکہ دلچسپی کے ساتھ اس کی ترقی کے لیے ذہن اور وقت صرف کرتے۔

ادھر چند برسوں سے مستقلاً تکیہ پران کا قیام رہا، کسی ضرورت سے لکھنؤ آجاتے یا اگر شیخ الحدیث تشریف فرما ہوتے تو سہارن پور جاتے، شیخ الحدیث نے انھیں اپنی خلافت بھی عطا فرمائی اور اپنے خاندان کے عزیزوں کی طرح ان کا خیال رکھتے تھے، تکیہ پر حضرت مولانا کی موجودگی کے زمانے میں خلق کا رجوع رہتا ہے، روزآنہ دس بیس مہمان آتے جاتے رہتے ہیں، ان کی خدمت اور راحت رسانی میں ان کو ہمیشہ سرگرم پاتا، روحانی حیثیت اور تعلق باللہ میں یہ حضرت مولانا کے ثانی تھے، لیکن حاشا وکلا کہیں دور دور سے بھی ''بزرگانہ انداز'' یا صاحبزادگی کی شان نہیں معلوم ہوتی تھی، نہ کبھی نصائح کا دفتر کھول کر بیٹھتے، نہ کبھی ملت کے حال زار پر، آہ کراہ کی نمائش کرتے، وہی کم آمیزی جو شروع سے ان کا جوہر خاص تھا، ہمیشہ یکساں باقی رہی، کسی پر طنز وتعریض، کسی بدگو معاند

پر تنقید خود تو کیا کرتے، کسی ایسی مجلس میں بیٹھتے بھی نہیں جہاں گفتگو کا رخ اس طرف جارہا ہو، یہ ایک ایسا وصف ہے جس کی شہادت یہ عاجز پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ دے سکتا ہے، میں نے ان کی نوعمری کا زمانہ بھی دیکھا، اور جوانی و کہولت کا زمانہ بھی، کسی سخت سے سخت موقع پر بھی برہم ہوتے نہیں دیکھا، معلوم ہوتا ہے کہ غیظ وغضب کی انسانی خصوصیت کا مادہ ان کے اندر تھا، مگر صرف کفر وشرک اور دشمنان اسلام کے لئے، اسلام سے نسبت رکھنے والوں، یا اپنی ذات اور اپنے بزرگوں تک پر ناروا حملہ کرنے والوں کی برائی سے ان کی زبان پاک تھی اور برائی سننے سے ان کے کان بھی محفوظ تھے۔

مولانا محمد ثانی مرحوم ان لوگوں میں تھے جن کو دیکھ کر ہمت بڑھتی تھی اور عالم اسلام کی زبوں حالی، مسلمانوں کی عام پستی اور اخلاقی گراوٹ دیکھ کر جو احساس نامرادی، دل شکستگی پیدا ہوتی وہ چند لمحوں کے لیے ختم ہوجاتی اور یہ احساس ہوتا کہ اللہ تعالی جب تک ایسے لوگوں کو پیدا کر رہا ہے وہ اپنی دنیا کو اسلام کی نعمت سے محروم نہیں رکھے گا۔

مولانا ثانی مرحوم کے جوہر قابل کو تاڑنے والے بہت سے اللہ کے بندے تھے، ایک بزرگ جن کا ذکر اوپر کیا گیا، جنہوں نے مدینہ منورہ میں ان کو خلافت بخش دی تھی، دوسرے مولانا صوفی عبدالربؒ صاحب تھے، جنہوں نے اپنے تعزیتی خط میں جو انہوں نے مرحوم کی نانی صاحبہ (والدہ حضرت مولانا) کی وفات پر لکھا تھا، اس میں ضمناً تحریر فرمایا کہ اب بھی اس خاندان میں صاحب دعا موجود ہیں جیسے مولانا ثانیؒ، یہ شہادت بہت وقیع ہے کہ صوفی صاحب مرحوم اہل نظر لوگوں میں تھے، حضرت شاہ علم اللہ کے پہلو میں جہاں اس خاندان کے بہتیرے لعل وجواہر دفن ہیں، وہاں ایک نیا نگینہ بھی دفن ہوگیا، یا یوں کہیے کہ آخرت کا مسافر اپنے ٹھکانے پہنچ گیا، جہاں کی مہمانی "روح وریحان وجنة نعیم" ہے، اور جہاں مہمانی کرنے والا رب غفور رحیم، شاکر علیم ہے۔

اللہ ایسی زندگیاں عام کردے اور ہم سب کو ابر کرم کی چھینٹوں سے کبھی محروم نہ رکھے۔ (آمین)

مولانا سید محمد ثانی حسنی مرحوم چند باتیں چند یادیں

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مدظلہ
(بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ)

۷ار فروری کی شام کو ابوظبی سے مدینہ منورہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم کی صحت کا حال معلوم کرنے کے لیے ٹیلی فون کیا وہاں سے حضرت کے خادم نے بتایا کہ آج ہی لکھنؤ سے جناب مولانا محمد ثانی حسنی کے سانحہ ارتحال کا تار آیا، جس کا حضرت اور ان کے خدام پر بہت ہی اثر ہے، اچانک یہ خبر سن کر بہت رنج وقلق ہوا، اور ایصال ثواب کا خود بھی اہتمام کیا اور دوستوں کو بھی تاکید کی، حقیقت یہ ہے کہ یہ حادثہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کے خاندان کے لیے بہت ہی سنگین اور صبر آزما ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد میاں مرحوم کے حادثے کے بعد اس پر صبر کرنے اور برداشت کرنے کے لیے غیر معمولی عزیمت اور ہمت کا کام ہے اور خاصان خدا کے سوا عام انسانوں کے لیے اس طرح کے حادثہ کا برداشت کرنا آسان نہیں، اللہ تعالی حضرت مولانا اور ان کے پورے گھرانے کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرما کر مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت کے اونچے مقام پر سرفراز فرمائے ؂

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا محمد ثانی صاحبؒ کو اللہ تعالی نے بہت سی خصوصیات اور کمالات سے سرفراز فرمایا تھا، ان کے اخلاق عالیہ، کم گوئی، انقطاع وتبتل اور متوکلانہ زندگی ہر وقت استحضار کی کیفیت، روضہ پاک اور نبی پاک ﷺ اور ان سے گہری محبت جو انہیں اپنے

خاندانی ورثے اور اپنے شیخ کی صحبت وتوجہ کی برکت سے حاصل ہوئی تھیں، یہ ساری چیزیں ان کے لیے سرمایۂ آخرت ہیں، وہ حضرت شیخ الحدیث کے شاگرد خاص اور مجاز بھی تھے، حضرت کی محبت اور عقیدت میں سرشار رہتے تھے ان کے اشعار وقصائد جو مختلف مناسبت سے انہوں نے کہے ہیں وہ اس کے آئینہ دار ہیں، انہوں نے عرصہ ہوا رمضان المبارک کی آمد پر ایک قصیدہ کہا تھا اور یہ قصیدہ سہارن پور میں اعتکاف کی حالت میں حضرت کی مجلس میں جب سنایا گیا تو یہ ناچیز بھی وہاں موجود تھا، پوری مجلس پر آہ وبکا کا عالم طاری تھا ۔

الٰہی دردِ غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

اسی طرح انہوں نے جو قصیدہ اپنے ارتحال سے قبل حضرت شیخ الحدیث پر کہا وہ بھی دہلی کی ایک مجلس میں مولانا اظہار صاحب (۱) نے جب پڑھا تو سامعین کی حالت دگرگوں ہورہی تھی اور اس قصیدہ سے مولانا محترم کا اپنے شیخ سے محبت وشیفتگی اور والہانہ محبت وعقیدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس ناچیز کے سہارن پور کے قیام کے زمانہ میں بھی اور اس کے بعد مختلف مواقع پر اور رمضان المبارک میں مولانا محمد ثانی صاحبؒ کی سہارن پور کی حاضری کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہ جس محبت وعقیدت سے وہاں حاضر ہوتے وہ منظر بھی عجیب رہتا

ع محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھادے گی

کبھی کبھی مجلس میں آکر وہ بیٹھتے اور آنکھیں اشک بار ہوجاتی تھیں اور ان کی

---

(۱) حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ مراد ہیں جو حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی رحلت کے بعد مرکز نظام الدین دہلی میں تبلیغی جماعت کی مجلس شوریٰ کے سرپرست ہونے اور معمول کے مطابق ایک مشورہ کی حالت میں لوگوں کے درمیان اوپر نگاہ اٹھا کر السلام علیکم کہا اور داعی اجل کو لبیک کہا۔(م)

زبان سے بے اختیار ذکر بالجہر کے کلمات بھی جاری ہو جاتے۔

حضرت شیخؒ کی بھی ان کی عالی نسبی اور باطنی خصوصیات کی بنا پر شفقت وعنایت کی نظر تھی اور ان کے ذاتی اور نجی معاملات سے حضرت کو دلچسپی تھی اور اسی محبت اور مناسبت کی بنا پر سوانح یوسفی کی تالیف کا کام ان کے سپرد کیا۔ حقیقت یہ ہے یہ بڑا اہم نازک و دشوار کام تھا، اس لیے نہیں کہ سیرت یوسفی کی تالیف وترتیب کا کام انجام دینا تھا، بلکہ اس لیے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور ان کی خاندانی خصوصیات اور روایات کو اس اسلوب اور اس طرز میں پیش کرنا تھا، جس سے قاری کے سامنے اس کی صحیح تصویر سامنے آجائے اور اس لیے مولانا جس دعوت کے حامل وداعی تھے وہ دعوت اور ان کا مشن اور اس کا صحیح تعارف پوری طرح سے کتاب کے اندر بلا ادنی مبالغہ کے آجائے، مولانا محمد ثانی صاحبؒ نے اس سیرت کو تاریخی دستاویز بنا دیا، بلکہ اس میں مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے اور دوسرے لوگ جو اس دعوت کو سمجھنا چاہتے ہیں ان کے لیے انسائیکلو پیڈیا بنا دیا، اس ضخیم اور عظیم کتاب کی تالیف اپنے شیخ کا حکم سمجھ کر انہوں نے اپنی بصارت کے ضعف اور صحت کی کمزوری کے باوجود رات دن کا اپنا یہی محبوب مشغلہ بنالیا، انہوں نے اس کتاب کے شروع میں مولانا علی میاں کے مشورے سے شیخ الحدیث کے حالات کا بھی اضافہ کر دیا، جو سوانح یوسفی کی تکمیل کے لیے ناگزیر اور ضروری تھا، جس کو حضرت کے سامنے سنایا گیا، حضرت نے بھی تصویب فرمائی، کئی مرتبہ مزہ لے لے کر فرماتے رہے اور خاص طور پر مولانا ثانیؒ صاحب کی سہارن پور حاضری پر کہ مولوی صاحب کہاں تم نے یہ ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا، اس وقت کا جو عجیب منظر ہوتا اس کو تحریر میں لانا مشکل ہے۔

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

اس سیرت کی تکمیل کے بعد مولانا ہارون مرحوم کی سیرت بھی تحریر فرمائی، اس کے

بعد حضرت شیخ کے حکم وایماء پر سوانح مولانا خلیل احمدؒ مرتب کی، گرچہ اس موضوع پر ''تذکرۃ الخلیل'' مولانا عاشق الٰہی کی کتاب بہت اہم اور جامع ہے، مگر ضرورت تھی کہ اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا جائے، بہت سی ایسی باتیں جو اس میں آنے سے رہ گئی تھیں ان کا اضافہ ضروری تھا اس کے ساتھ ساتھ یہ کتاب ایک نئے اسلوب وطرز بیان میں آجائے تاکہ موجودہ اردوداں طبقہ کے لیے دل آویز اور پرکشش بن سکے، اور اس کی ذمہ داری بھی حضرت شیخ نے انہیں کے سپرد کی اور انہوں نے اس کام کو جانفشانی اور تندہی اور دلچسپی سے انجام دیا جس کا وہ متقاضی تھا، ان کی بڑی خواہش تھی اور حضرت کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا کہ ناچیز ایک مقالہ بذل المجہود اور اس کی خصوصیات پر لکھ دے، تاکہ اس کتاب میں شامل کردیا جائے، گرچہ میرے لیے یہ بہت آسان بات تھی مگر اپنی تساہلی کی وجہ سے کرنہ سکا جس کا افسوس ہے، بہر حال اللہ تعالی نے ان کو گوناگوں خصوصیات کا مالک بنایا تھا اور بالکل وہ اس شعر کے مصداق تھے۔

رہوں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں وہ ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی

یہ چند باتیں جو برجستہ نوک قلم پر آگئی ہیں، ورنہ ان کی یادوں کے ساتھ ایک لمبی تاریخ ہے اور بعض ایسے خطوط بھی ناچیز کے پاس موجود ہیں جو انہوں نے بعض استفسارات کے سلسلہ میں حضرت شیخ سے مجھ کو تحریر فرمائے، تلاش کرنے پر وہ خطوط بھی بھیج دوں گا۔

ان کلمات کے ساتھ اپنے دلی تعلق کا اظہار کرتا ہوں اور عزیزی مولوی سید حمزہ حسنی ندوی سلمہ اور ان کے پورے گھرانے سے تعزیت پیش کرتا ہوں، انشاء اللہ ان کی نیک تمناؤں کے مطابق اللہ تعالی انہیں علم کی دولت سے سرفراز فرما کر اپنے دین کا کوئی عظیم کام لے گا۔

تصنیفات، رسائل مقالات ومضامین ایک مختصر تعارف

۱۔ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حدیث کا سماج کی اصلاح کے لئے ایک اچھا انتخاب اور تشریح جو مولانا محمد ثانی حسنی کے زیر ادارت نکلنے والے ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ کے مختلف شماروں میں تھا، مصنف کے نواسہ مفتی مسعود حسن حسنی ندوی کی کوشش سے حدیث کی تخریج وتحقیق کے ساتھ مرتب ہوا۔

۲۔مضامین سیرت:

سیرت پاک سے متعلق مختلف مناسبت سے لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے جو ابھی شائع ہونے سے رہ گیا ہے۔

۔زبان کی نیکیاں:

زبان کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنے والے اعمال کے فضائل وترغیب کے مضامین کا مجموعہ جو مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے مقدمہ کے ساتھ مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے مکتبہ اسلام لکھنؤ سے شائع کیا، پھر مجلس نشریات اسلام کراچی، اور ایچ ایم حسین ٹرسٹ حیدرآباد نے شائع کیا، اور ہزاروں کی تعداد میں اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں اس کا ہندی ترجمہ جناب خورشید اختر فتح پوری نے کیا مگر شائع نہ ہوسکا۔

۴۔مفسرین اوران کی تفسیری خدمات:

یہ رسالہ ماہنامہ صبح صادق لکھنؤ کے قرآن کریم کے لئے بطور مقالہ کے لکھا گیا تھا اور شائع ہوا تھا، صاحب رسالہ کے نواسہ مولوی سید منصور حسن حسنی اسے تحقیق واضافہ کے ساتھ منظر عام پر لا رہے ہیں۔

۵۔محدثین کا اخلاق وکردار:

ماہنامہ ''صبح صادق'' لکھنؤ کے حدیث شریف کے لئے محدثین کے اخلاق کے عنوان سے لکھا گیا تھا جسے ایچ ایم حسین ٹرسٹ حیدرآباد نے شائع کر کے بڑے پیمانہ پر تقسیم کیا، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید واضح رشید ندوی کے مقدمہ و تقریظ کے ساتھ یہ رسالہ سامنے آیا۔

۶۔امام نسائی صاحب السنن وامام عصرہ فی الحدیث ماہنامہ ''صبح صادق'' لکھنؤ کے حدیث نمبر نومبر ۱۹۵۶ء کا ایک علمی مقالہ: جو اس کے پانچ صفحات پر مشتمل ہے،

۷۔ہندوستان میں عربی لغت کا کام:

یہ ایک اہم علمی مقالہ ہے جو تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اور پھر اس کا ترجمہ جریدۃ ''الرائد'' ندوۃ العلماء لکھنؤ میں قسط وار شائع ہوا۔

۸۔لبیک اللھم لبیک:

پہلے سفر حج ۱۹۴۷ء پر تاثراتی مضامین کا دلچسپ اور دلنشین مجموعہ ہے جو مکتبہ اسلام لکھنؤ سے مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم کے مقدمہ کے ساتھ مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی نے شائع کیا۔

۹۔سفرنامہ حجاز ۱۹۴۷ء:

یہ ایک مکمل سفرنامہ بلکہ 'ڈائری' تھی جو نامکمل تعمیر حیات لکھنؤ میں ۱۹۸۴ء کے شماروں میں شائع ہوئی، باقی اوراق تلاش بسیار کے باوجود مل نہ سکے، اس طرح یہ نامکمل ڈائری حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''شرق اوسط کی ڈائری'' کا حصہ بنادی گئی اور وہ مکتبہ الشباب العلمیہ لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

۱۰۔سفرنامہ گجرات: شائع نہیں ہوا:

۱۱۔لکھنؤ سے ناگود تک:

لکھنؤ سے باندہ کے ردسنہ گودتک کا یہ سفرنامہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کی کاروان زندگی کا ایک باب ہے۔ یہ بھی شائع ہونے سے رہ گیا ہے۔

۱۲۔حضرت مجدد الف ثانی:

یہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد ابن عبد الاحد سرہندی (۹۷۱ھ۔۱۰۳۴ھ) کے متعلق مختصر اور آسان اسلوب و زبان میں رسالہ ہے، جو مکتبہ اسلام سے شائع ہوا۔

۱۳۔حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی:

یہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ، ۱۱۷۶ھ) پر مختصر رسالہ ہے جسے مکتبہ اسلام لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔

۱۴۔حضرت سید احمد شہید (از ولادت تا شہادت):

یہ ایک وقیع مضمون ہے جو امیر المومنین حضرت سید احمد شہید کی سیرت کا اجمالی احاطہ کرتا ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنی مقبول عام کتاب ''جب ایمان کی باد بہاری چلی'' میں اسے ابتدائی مضمون کے طور پر شامل کیا، جو رسالہ کے طور پر مکتبہ اسلام لکھنؤ کے منصوبہ اشاعت میں ہے۔

۱۵۔الامام السید احمد بن عرفان الشہید فی محراب التاریخ:

مولانا سید محمد ثانی حسنی کا یہ رسالہ عربی ترجمہ ہے جو ان کے بھائی مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے کیا ہے اور سید احمد شہید اکاڈمی دار عرفات رائے بریلی سے مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے شائع کیا ہے۔

۱۶۔خانوادہ علم اللہی:

حضرت سید احمد شہید کے خاندانی اسلاف و اخلاف اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے افراد خاندان کے احوال پر مشتمل اس کتاب کا عنوان خاندان حسنی کے تکیہ کلاں رائے بریلی میں مورث اور عظیم المرتبت بزرگ حضرت شاہ سید علم اللہ حسنی کی طرف ہے۔ مصنف کے صاحبزادے مولانا محمد حمزہ حسنی کے تحقیق و اضافہ

کے ساتھ یہ کتاب سید احمد شہید اکاڈمی دارعرفات رائے بریلی نے شائع کی ہے۔

۱۷۔ سادات قافلہ:

۳۲ صفحات کا یہ رسالہ حضرت سید احمد شہید کے خاندان کا مختصر تعارف پیش کرتا ہے جو حضرت کی شہادت کے بعد محلّہ قافلہ سادات ٹونک راجستھان میں وہاں کے امیر نواب وزیر الدولہ مرحوم کے پیہم اصرار پر آباد ہو گیا تھا۔

۱۸۔ مشہد بالاکوٹ:

حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسماعیل شہید اور ان کی جماعت کے مجاہدین بالاکوٹ کے معرکہ ومشہد کا یہ منظوم تذکرہ ایک طرح کا شاہنامہ ہے جو مستقل رسالہ کے طور پر حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے مقدمہ کے ساتھ مولانا بلال حسنی ندوی نے سید احمد شہید اکاڈمی دارعرفات رائے بریلی سے شائع کیا ہے اور ''کلیات ثانی'' کا حصہ ہے جو میزاب رحمت کے نام سے منظر عام پر آئی۔

۱۹۔ صادقین صادق پور:

حضرت سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے صادق پوری غازیوں اور مجاہدوں کے احوال پر یہ مؤثر کتاب بھی سید احمد شہید اکاڈمی دارعرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی ہے۔

۲۰۔ حیات خلیل یعنی سوانح حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (اردو وعربی):

اردو میں تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل سوانحی ادب کا ایک اعلیٰ نمونہ اور ہندوستان میں سامراج عہد کے علماء کی دینی دعوتی تبلیغی واصلاحی تاریخ بھی ہے جو حیات خلیل کے نام سے مکتبہ اسلام اور مکتبہ یحیوی سہارنپور سے شائع ہوئی جس کی عربی تلخیص مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم کے قلم سے نکلی اور دارعرفات رائے بریلی سے شائع ہوئی۔

۲۱۔ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی:

صرف ایک عظیم وجلیل القدر شخصیت کی سوانح ہی نہیں ایک عہد کی تاریخ اور عظیم

دعوتی وتبلیغی تحریک کے کام کا بھرپور تعارف ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے تفصیلی مقدمہ کے ساتھ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے طبع ہوئی اور پھر مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہوا، عربی میں یہ سعادت وشرف مصنف کے بھتیجہ مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی کے حصہ میں آیا، اور دارالقلم دمشق سے مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی نگرانی میں شائع ہوا۔

۲۲۔مولانا محمد یوسف کاندھلوی:

ماہنامہ الفرقان اور لکھنؤ کے حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی نمبر کے لئے لکھا گیا مضمون مکتبہ اسلام لکھنؤ نے رسالہ کے طور پر شائع کیا، جو مکتبۃ الشیخ کراچی سے بھی شائع ہو چکا ہے۔

۲۳۔ملفوظات حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی:

بھوپال کے مشہور بزرگ عارف ومصلح حضرت شاہ محمد یعقوب مجددی کی ایک مجلس کے یہ ملفوظات ہیں جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتاب ''صحبتے بااہل دل'' کا تتمہ ہیں۔

۲۴۔سوانح مولانا سید محمد الحسنیؒ:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی کے بھتیجہ اور مجلّہ 'البعث الاسلامی' لکھنؤ کے بانی مدیر مولانا سید محمد الحسنی مرحوم (م ۱۳۹۹ء۔۱۹۷۹ء) کے احوال وتذکرہ پر یہ جامع کتاب اہل علم ودعوت کو مشعل راہ دکھاتی ہے۔سید احمد شہید اکاڈمی دار عرفات رائے بریلی سے صاحب سوانح کے فرزند سعید مولانا سید بلال عبدالحی حسنی نے ان کے خلف اکبر مولانا سید عبداللہ حسنی کے مختصر تذکرہ کے تتمہ کے ساتھ شائع کی ہے۔

۲۵۔تذکرہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی:

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے نواسہ اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کے پوتے مولانا محمد ہارون کاندھلوی (والد ماجد مولانا محمد سعد کاندھلوی) کا

یہ تذکرہ پاکیزہ ایمانی زندگی گزارنے کے لئے ایک راہ عمل کا کام دیتا ہے، جو پہلے مکتبہ اسلام لکھنؤ نے پھر مکتبہ ابوالحسن علی اردو بازار جامع مسجد دہلی نے شائع کیا۔

۲۶۔القصیدۃ المدحیہ:

مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے مشائخ کے سلسلہ میں جو منقبت کہیں ان کا یہ مجموعہ ہے جن میں کئی قصائد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے متعلق ہیں جو ان کے استاذ، اور مربی و مرشد تھے، مولانا سعید الرحمٰن علوی (پاکستان) کے مقدمہ کے ساتھ مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور پاکستان سے حاجی صغیر احمد خلیفہ حضرت شیخ الحدیث نے شائع کیا۔

۲۷۔گلدستہ حمد وسلام ومناجات:

یہ ایک مؤثر اچھوتا منظوم کلام ہے جو جیبی سائز میں شائع ہوتا رہا ہے اور بہت مقبول ہوا۔

۲۸۔ترانے ونظمیں:

ملی، تعلیمی ترانوں اور دینی نظموں کا یہ مجموعہ مولانا کفیل احمد ندوی کا مرتب کردہ مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر، تیندوارائے بریلی سے شائع ہوا۔

۲۹۔ترانے مدرسہ فلاح المسلمین:

جوکہ مولانا محمد ثانی حسنی مدرسہ فلاح المسلمین امین نگر تیندوا، رائے بریلی کے ناظم اعلیٰ تھے، اس کے لئے کئی ترانے کہے ان کا یہ مجموعہ ہے جو مدرسہ نے شائع کیا۔

۳۰۔ترانۂ ندوہ:

ندوۃ العلماء کے لئے کہا گیا ترانہ جو اس کے بین الاقوامی تعلیمی اجلاس ۱۹۷۵ء میں پڑھا گیا تو ایک سماں بندھ گیا مولانا اسحاق جلیس ندوی کے مقدمہ کے ساتھ مکتبۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اور پھر مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوا۔

۳۱۔میزاب رحمت:

ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں، اس تقریب سے انہوں نے اپنے شوق سیاحت کا تذکرہ اوراس کے بعض ابتدائی اقدامات کا ذکر فرمایا۔"

(پرانے چراغ جلداول،ص ۷۷ مکتبہ الشباب العلمیہ لکھنؤ)

۳۳۔صحابیات کی دینی خدمات:

ماہنامہ 'رضوان' لکھنؤ کا پہلا اورآخری اداریہ جسے ایچ ایم حسین ٹرسٹ حیدرآباد سے جناب محمد عثمان حیدرآبادی نے شائع کیا۔

۳۴۔ماں.......:

ماہنامہ رضوان لکھنؤ کی طرف سے ماں کی عظمت وکردار پر ممتاز اہل قلم کے مضامین کا مجموعہ جو بہت مقبول ہوا۔

جون، جولائی ۱۹۶۸ء/ربیع الاول والثانی ۱۹۸۸ء کی اشاعت خاص تھی جو ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایڈیٹر رضوان کو اس پر تہنیت پیش کرتے ہوئے لکھا تھا "میری ماں" نمبر نکالنے کا ارادہ کرتے ہی آپ نے ایک چھوٹا موٹا جہاد کرڈالا اور بہت سارا اجر کما لیا"

۳۵۔مخدومہ خیرالنساء بہتر:

اپنی نانی مرحومہ رابعہ عصر خاتون مخدومہ خیرالنساء بہتر (والدہ ماجدہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کی وفات ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء پر ان کے حالات زندگی پر ان کے افراد خاندان کے مضامین اور مشاہیر کے تاثراتی خطوط کا مجموعہ جس میں آپ نے ان کے زندگی کے آخری ایام کے عنوان سے خصوصی مضمون لکھا جو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی کتاب "ذکر خیر" میں شامل ہے۔یہ ماہنامہ رضوان کی نومبر ودسمبر ۱۹۶۸ء کی خصوصی اشاعت تھی۔

۳۶۔محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ:۔

صاحب علم ونظر وصاحب تصنیف ودعوت خاتون محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ (ہمشیرہ

مختلف موضوعات اور اصناف شعر وسخن پر کہی گئی نظموں، اور حمد ومناجات، نعت پاک، منقبت اور منظر کشی، ملی احساسات اور رمضان وحج کی مناسبت سے نظموں اور وصایا کا مجموعہ جسے مولانا عبداللہ عباس ندوی نے میزاب رحمت کا نام دیا ہے، اور مقدمہ تحریر فرمایا، مزید مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تقریظ کے ساتھ مولانا محمد حمزہ حسنی نے مکتبہ اسلام سے شائع کیا جس پر مختلف رسائل اور اخبارات میں اچھے تبصرے بھی شائع ہوئے۔

۳۲۔ جہاں مسلمان بستے ہیں:

مولانا محمد ثانی حسنی نے ''صبح صادق'' لکھنؤ میں ایک دلچسپ سلسلہ مضامین شروع کیا تھا، جس میں وہ ان ممالک کا جائزہ پیش کرتے تھے جہاں مسلمان اپنی کوئی شناخت اور کردار رکھتے ہیں، ان ممالک کا مسلم ہونا ضروری نہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے اس سلسلہ مضامین میں ان ملکوں کو بھی لیا جہاں مسلمان دبی کچلی زندگی بسر کررہے تھے، اور ان کو ظلم وستم کا سامنا تھا اور ان ممالک کو بھی لیا جہاں ان کا اقتدار اور زور تھا، ان کا یہ سلسلہ ایسا دلچسپ تھا کہ اس وقت کے ممتاز محقق ونقاد اور عالم اسلام پر گہری اور وسیع نظر رکھنے والے حضرات بھی اسے دلچسپی سے پڑھتے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی (۱۹۹۹ء۔۱۴۲۰ھ) نے عظیم مصنف ومحقق اور ممتاز وقد آور علمی اور دینی شخصیت حضرت علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ (متوفی ۱۹۵۶ء) کا تأثر ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

''یہاں اس بات کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ مولانا کو تاریخ اسلام سے فطری ذوق اور اس سرزمین سے جہاں اس کی تاریخ کی بنیاد پڑی ہے، ایک فطری لگاؤ تھا، شاید اسی راستہ سے ان کو عالم اسلام بالخصوص بلاد عربیہ کی سیاحت کا بڑا ارمان اور دیرینہ تمنا تھا، رسالہ 'صبح صادق' لکھنؤ میں میرے خواہر زادہ عزیز مولوی محمد ثانی سلمہ کا سلسلہ مضامین ''جہاں مسلمان بستے ہیں'' کے عنوان سے نکلتا رہتا تھا، جس میں مختلف ممالک اسلامیہ کا تعارف ہوتا، مولانا نے لکھنؤ آمد کے موقع پر بتلایا کہ وہ اس کو بڑے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) کی وفات ۲۸ جنوری، ۱۹۷۶ء پر ماہنامہ رضوان کی خصوصی اشاعت پیش تھی، جو کہ آپ کی خالہ تھیں، اور ماہنامہ ''رضوان'' جس کے مولانا محمد ثانی حسنی مدیر تھے، مرحومہ اس کی، اس کے آغاز سے شریک ادارت تھیں۔

۳۷۔ انتخاب مضامین سید محمد الحسنی:

مولانا سید محمد الحسنی (۱۳۹۹ھ۔۱۹۷۹ء) کی وفات پر ماہنامہ ''رضوان'' لکھنؤ کا خصوصی شمارہ جوان کے مضامین کے انتخاب پر نکلا۔

۳۸۔ سانحہ مسجد اقصیٰ:

عرب اسرائیل جنگ ۶۷ء کے بعد مسجد اقصیٰ کی آتشزدگی کے واقعہ سے متاثر ہرکراس سے متعلق مضامین کا ایک مؤثر انتخاب ماہنامہ رضوان کے اکتوبر ۱۹۶۹ء کی خصوصی اشاعت جو اس کے چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۹۔ میری زندگی کا اہم واقعہ:

ماہنامہ رضوان کا جنوری فروری ۱۹۶۲ء کی خصوصی اشاعت جس میں ممتاز ایک قلم اور اصحاب فکر ونظر نے لکھی اپنا وہ واقعہ لکھا ہے جس میں درس نصیحت ہے، مولانا محمد ثانی حسنی ''وفی انفسکم افلا تبصرون'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں، اگر دل میں ایمان و یقین کی گرمی ہے تو زندگی کا ایک واقعہ ہی تبدیلی پیدا کر دینے کے لئے کافی ہے ورنہ سارے واقعات اپنے اندر کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ (اداریہ)

۴۰۔ صدائے دل

یہ ان دعاؤں اور مناجاتوں کا مجموعہ ہے جو مولانا محمد ثانی حسنی نے اپنے گھر کے بچوں کے لئے انفرادی و اجتماعی کہیں یا دوسروں کی فرمائش پر مختلف مناسبت سے کہیں۔ ابھی شائع نہیں ہوا ہے۔

ضمیمہ کتاب

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے مولانا محمد ثانی حسنی کی تعلیم وتربیت اور ارشاد وتلقین میں وہ طریقہ اختیار کیا تھا جو ان کے شیخ ومربی استاد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نے خود ان کے لیے اختیار کیا تھا، یہ بڑی اپنائیت اور تعلق واعتماد کی بات ہے جو کم لوگوں کو حاصل ہو پاتی ہے، کہ شیخ اس راستہ سے اپنے مرید کو گزارے جس راستہ سے اس کو گزارا گیا ہے، اس لیے کہ سب کے ظرف یکساں نہیں ہوتے، اس میں مولانا محمد ثانی حسنی کو اپنے اس ذوق علمی و تصنیفی سے بھی مدد ملی، بلکہ اسی نے اس میں بنیادی حیثیت حاصل کر لی اس سلسلہ میں راقم عصر حاضر کے نامور محقق وفاضل اور اسی خانوادہ ارشاد کے گل سرسبد جس کے سرپرست حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی تھے مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کرتا ہے جو انہوں نے ماہنامہ رضوان کے مولانا محمد ثانی حسنی نمبر کے لیے لکھا تھا جس کا عنوان ہے:

مولانا محمد ثانی حسنیؒ

اصلاح وتربیت سے اجازت وخلافت تک

بقلم: حضرت مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہ
(حضرت مفتی الٰہی بخش اکاڈمی کاندھلہ (شاملی))

خاندان اور ماحول کے اثرات

''مولانا محمد ثانی حسنیؒ سلالہ نبوت سے وابستہ ایک ایسے برگزیدہ خاندان کے لخت جگر اور نور بصر تھے جو علوم اسلامیہ کا شناور اور ارشاد وہدایت کا منبع حدیث وتفسیر کا مرجع ادب وانشاء پردازی میں منفرد اور تاریخ وتذکرہ نویسی میں فخر اقران ہے، اس خانوادے میں علم وعمل کی جامعیت وفراوانی، قرطاس وقلم کی رفاقت وہم نشینی، شعر وسخن کی شادابی اور رنگینی ورواداری، سلوک ومعرفت کی بادہ پیمائی ومسند نشینی ساتھ رہی، اسی خزانے کا ایک در بے بہا مولانا محمد ثانی کی ذات نیک صفات تھی جو خاندانی محاسن وکمالات سے بہرہ ور اور اخلاص وایثار، تواضع، انکسار، اور تہذیب واخلاق میں اپنے آبائے کرام کے پیرو، اور خاندانی روایات کے پاسدار وامین تھے۔''

اور یہ قدیم آبائی ورثہ فطری سعادت وصلاحیت اور حکایات اسلاف کے ذریعہ نئی نسلوں کو منتقل ہوتا رہا، اسی طرح اس گھرانے میں صدیوں سے علم وعمل متوارث

و مسلسل چلا آرہا ہے اور چراغ سے چراغ روشن ہوتے رہے ہیں۔

جب مولانا محمد ثانی نے اس دودمان والا شان اور نورانی ماحول میں آنکھیں کھولیں تو وہاں ہر طرف علم وذکر کے چشمے جاری تھے قرآن وسنت کی ہوائیں چل رہی تھیں اور خاندان کا ہر فرد اخلاص وعمل کے تروتازہ وگرانبار اور پوری فضا سیرت وصحابہ کے چرچوں اور بزرگان سلف کے احوال وتذکروں سے معمور اور تاریخ وادب کی صداؤں سے پرشور ومخمور تھی، مولانا محمد ثانی نے حسب توفیق واستطاعت اس ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنی کاوش وکوشش سے اس جوہر کی جلا وترقی میں مصروف ومشغول ہو گئے، نیک طینتی وخوش بختی دستگیر وسایہ فگن اور گھر کا دینی وعلمی ماحول، معاون وہم قدم تھا، جس کی وجہ سے بچپن سے ہی بزرگوں اور علماء کی زیارت وملاقات کے مواقع میسر ہوئے، اور ان سے استفادہ کی توفیق رفیق رہی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں

اس وقت مولانا ثانی کے اپنے گھرانے یعنی خانوادہ حضرت شاہ علم اللہؒ میں متعدد اہل نسبت عارفین کاملین موجود تھے اور خاندان سے باہر بھی متعدد اولیاء اللہ علم وحکمت کی بساط بچھائے فکر ومعرفت کے ایاغ لٹا رہے تھے۔ مگر مولانا ثانی کو دیرینہ خاندانی مراسم اور متعدد اہل خانہ کے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی اور ان کے سراپا افتخار بزرگوار حضرت مولانا محمد الیاسؒ کاندھلوی کے دامن فیض وتربیت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ سے قریب ہونے اور ان کے علوم ومعارف سے استفادہ کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اہل خاندان نے جو ہمیشہ سے علم وفضل کے دلدادہ اور صحبت اہل علم ودانش کے حریص وطلبگار رہے ہیں، مولانا ثانی کو اس داعیہ کی تکمیل کا موقعہ بخشا اور مولانا محمد ثانی شوال ۱۳۶۳ھ (اکتوبر ۱۹۴۴ء) میں صحاح ستہ اور دورہ حدیث پڑھنے کے لیے مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور بھیج دیے گئے۔ اور وہ ایک کاروان علم وفضل کے ساتھ حضرت شیخ کے شہرہ آفاق درس حدیث میں حاضر وشامل

ہوئے اور مدرسہ کے نظام تعلیم وتربیت کے مطابق حضرت شیخ سے صحیح بخاری جلد ثانی اور سنن ابوداؤد کے اسباق شروع کیے جس سے حضرت شیخ کی محدثانہ شان وقت نظر، علمی کمالات اور جذبہ حسب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ظاہر وآشکارا ہوا، اور مولانا ثانی کی حضرت شیخ سے دیرینہ نسبت تعلق میں، تعلق محبت میں اور محبت عشق وشیفتگی میں تبدیل ہوئی، اور نیک طینت شاگرد نے وفور محبت اور دل کے تقاضے سے مجبور ہوکر حضرت شیخ سے بیعت قبول کر لینے کی درخواست کی اور پوری زندگی حضرت کے زیر اصلاح وتربیت رہنے کی تمنا ظاہر کی، استاذ عالی مقام ہونہار شاگرد کی فطری سعادت مندی اور وہبی صلاحیتوں کا اندازہ کر چکے تھے، اس لیے خلاف معمول فوراً یہ درخواست قبول فرمالی، اور مولانا ثانی ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ میں حضرت شیخ کے زمرہ مریدین میں شامل ہوگئے۔

وادئ معرفت میں بڑھتے قدم

بیعت وتلمذ کے وسیلہ سے مولانا ثانی پر حضرت شیخ کی مہر والفت کی نگاہ ہوئی اور مولانا ثانی کے لیے حضرت شیخ کو خلوت وجلوت میں قریب سے دیکھنے کے مواقع حاصل ہوئے اور حضرت کے ذوق عبادت وتلاوت، شفقت ومحبت، اتباع سنت اور مختلف ومتنوع مشاغل ومصروفیات کا شب وروز مشاہدہ رہا، جس سے مولانا ثانی پر ظاہر وباطن کی یک رنگی کھلی اور تصوف وسلوک کے ذریعہ مقصد حیات پالینے کی امنگ دل کو گدگدانے لگی اور مولانا ثانی وادی معرفت میں قدم بڑھاتے گئے ان پر سلف کا رنگ گہرا ہوتا گیا اور تواضع ومسکنت دین ودیانت اور اطاعت وانقیاد کے جذبات جو آبائی ورثہ تھے اور طبیعت میں بھی ودیعت تھے ظاہر وبیدار ہونے شروع ہوئے اور اسی رفتار سے حضرت کے شفقت والتفات میں بھی اضافہ ہوتا رہا کہ

ع دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اصلاح وصلاح کے فطری جوہر حضرت شیخ کے عنایت وکرم اور ذاتی محاسن وکمالات کی وجہ سے مولانا ثانی کو طریق سلوک ومعرفت میں تیز رفتار ترقی نصیب ہوئی

اور مولانا محمد ثانی بہت جلد حضرت شیخ کے محبوب ومقرب متوسلین کے ہم پایہ وہم نوا ہو گئے، ان کو شروع ہی سے حضرت شیخ سے کچھ ایسی مناسبت اور روحانی ربط میسر تھا جس کو تصوف اور صوفیا کی زبان میں نسبت اتحادی کے ایک نمونے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، مولانا ثانی کی حضرت کے دامن فیض سے وابستگی اور حضرت شیخ کی حضرت مولانا خلیل احمد سے بیعت کے احوال وکوائف میں یک رنگی وہم آہنگی سے پہلی بار اس نسبت کا ظہور ہوا اور پھر بار بار اس کا اعادہ ہوتا رہا اور مولانا ثانی کو غیر ارادی طور پر مختلف امور میں حضرت شیخ کی اتباع کی دولت ولذت نصیب ہوئی اور ان کے ساتھ بھی وہی احوال و کیفیات حضرت سہارن پوری کی نظر میں حضرت شیخ کے قرب واختصاص کے موجب ہوئے اسی طرح یہ توارد اور مولانا ثانی کے اختصاص وامتیازات حضرت شیخ کے لطف و انبساط کا ذریعہ بنے۔"وذالك فضل الله يؤتی من يشاء".

اجمال کی تفصیل

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت شیخ (ولادت ۱۳۱۵ھ) نے اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سے اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۳۳۲ھ میں دورہ حدیث اخذ کیا اور اسی سال شوال میں حضرت سہارن پوری سے بیعت ہوئے، اسی طرح یہ سعادت مولانا ثانی کو بھی حاصل ہوئی اور وہ بھی اٹھارہ سال کی عمر میں دورہ حدیث کے لیے حضرت شیخ کی صحبت میں حاضر ہوئے اور اسی سال ذی قعدہ ۱۳۶۳ھ میں حضرت سے بیعت ہوئے اور جس طرح حضرت شیخ نے دورہ حدیث کے فوراً بعد اپنے پیرو مرشد کے ہدایات واشارہ پر اور ان کی معیت اور رفاقت میں پہلا سفر حج (حج اسلام) کیا اور حرمین شریفین کے انوار وتجلیات اور فیوض وبرکات سے مستفیض ومستنیر ہوئے تھے اسی کے تقلید واتباع میں دورہ حدیث کے بعد مولانا ثانی کو بھی حکم سفر ملا ہر چندکہ اس سفر میں حضرت مولانا ثانی کو حضرت شیخ کی معیت ورفاقت حاصل نہیں تھی، مگر یہ سفر حضرت کے حکم ومشورے پر ہوا تھا اور اسمیں حضرت کی نیابت وقائم مقامی

مولانا ثانی کے خال محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرما رہے تھے جو خود بھی حضرت شیخ کے حکم کی تعمیل میں اہل حرم کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے اور دعوت وتبلیغ کی نبوی میراث تقسیم کرنے حجاز جارہے تھے۔

ایک خصوصیت وانفرادیت

مولانا ثانی کا ایک اور امتیازی وصف جو ان کو انفرادیت واعزاز بخشتا ہے وہ خاص طریقہ تربیت واصلاح ہے جو حضرت سہارن پوری نے حضرت شیخ کی روحانی تربیت کے لیے استعمال فرمایا تھا، اسی کا تجربہ مولانا ثانی پر ہوا، اور حضرت شیخ کی طرح مولانا ثانی بھی کامیابی وکامرانی کے بعد مسند خلافت واجازت بیعت سے مشرف وسر فراز گردانے گئے۔

اس خصوصیت وانفرادیت کے ذکر سے پہلے ضروری ہے کہ حضرت سہارن پوری کے اس خاص طریقہ اصلاح کی کچھ وضاحت کردی جائے، حضرت شیخ، حضرت مولانا خلیل احمد سے دورہ حدیث پڑھنے کے بعد حضرت سہارن پوری کی گرانمایہ کتاب "بذل المجهود في حل سنن أبي داؤد" کی تالیف وترتیب کے لیے مضامین وماخذ کی جستجو اور حضرت کے حسب ارشاد ان کی تربیت واصلاح میں مشغول رہتے تھے، اور حضرت شیخ کو اس محویت اور اپنے علمی انہماک کی وجہ سے سلوک وتصوف کے مروجہ اعمال واشغال ذکر ومراقبہ وغیرہ کے لیے حسب منشاء پورا وقت نہیں ملتا تھا، مگر جب ایک مرتبہ حضرت شیخ نے مولانا ظفر احمد تھانوی کے اصرار وارشاد پر حضرت سہارنپوری کو لکھا کہ "مدرسہ کی مشغولی کی وجہ سے ذکر وشغل میں پابندی نہیں ہوسکتی، اگر حضرت اجازت فرمادیں تو تو یہ ناکارہ کہیں یکسوئی کے ساتھ ذکر وشغل چار چھ مہینے کرلے"(۱) تو حضرت مولانا خلیل احمد نے جواب میں تحریر فرمایا "اس کی ضرورت نہیں، اسباق کے ساتھ جتنا تھوڑا بہت ہوتا رہے کرتے رہا کرو"۔

---

(۱) آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا طبع اول سہارنپور

حضرت سہارن پوری نے ذکر و شغل کے لیے مستقل وقت فارغ کرنے سے تو منع فرما دیا، لیکن ایک خاص طریقے سے حضرت شیخ کی روحانی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا، اس طریقہ خاص کو حضرت تھانوی نے محسوس فرما لیا اور ایک ملاقات کے موقع پر بلا کسی تمہید و استفسار کے حضرت شیخ پر اس کا اظہار بھی فرما دیا حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت سہارن پوری کے زمانے میں حضرت اقدس تھانوی کی سہارن پور میں تشریف آوری بکثرت ہوتی تھی اور معمول یہ تھا کہ جب بھی سہارن پور کی طرف کو پورب لائن جانا ہوتا تھا یا وہاں سے واپسی ہوتی تو شباب کے زمانے میں مدرسہ تشریف لائے بغیر روانگی نہیں ہوتی تھی، بہت ہی شاذ و نادر ایسا ہوتا تھا کہ وقت کی قلت کی وجہ سے مدرسہ تشریف لانا نہ ہو، اگر کبھی ایسا ہو تو ہم خدام اسٹیشن پر ضرور حاضر ہوا کرتے، ایک دفعہ یہ ناکارہ اسٹیشن پر حاضر ہوا، بڑا مجمع موجود تھا، جب میں نے مصافحہ کیا تو مصافحہ کے ساتھ ہی حضرت اقدس سرہ نے فرمایا، اکابر کے یہاں تربیت کے بھی طرق عجیب اور مختلف ہوتے رہتے ہیں، اکتساب بھی ایک طریقہ ہے وہ زمانہ بذل المجہود کی اس سیہ کار کی کتابت کا تھا۔(۱)

طرز اصلاح کا اعادہ و مشاہدہ

اسی طرز اصلاح کا اعادہ و مشاہدہ مولانا محمد ثانی کی سیر سلوک میں ہوا، حضرت شیخ نے مولانا سے سوانح مولانا محمد یوسف، تذکرہ مولوی ہارونؒ اور حیات خلیلؒ مرتب کرائیں، اور ان کی تالیف و ترتیب سے طباعت و اشاعت تک ہر مرحلہ میں قدم قدم پر رہنمائی فرمائی، کثیر معلومات و اطلاعات سے نوازا، ایک ایک لفظ سن کر تحسین

---

(۱) آپ بیتی ص ۵۷-۵۸ جلد ۴، اس طریقہ تربیت کے اشارات حضرت سہارن پوری کے ملفوظات میں بھی ملتے ہیں مثلاً ملاحظہ ہو خلیل از مولانا محمد ثانی حسنی ص ۵۱۰، طبع اول، لکھنؤ۔

وتصویب کی اور آخر میں ارشاد فرمایا، پیارے تو میری بھی سوانح لکھے گا(۱) حضرت کا یہ ارشاد و تبصرہ مولانا کے طرز تصنیف و تحریر پر انتہائی اعتماد کا مظہر اور حضرت کی خواہش ورضا و پسندیدگی کا ترجمان ہے۔

مذکورہ تینوں کتابوں میں سے سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کو حاصل ہوئی، جو مواد کی کثرت، جامعیت اور اپنے موضوع کی افادیت و ہمہ گیری کے لحاظ سے ایک منفرد تصنیف ہے، تقریبا آٹھ سو صفحات کی یہ کتاب جو مصنف اور صاحب سوانح کی جہد و عمل کا شاہکار اور مولف کی سعی و کاوش اور جذبہ اطاعت و انقیاد کی سدا بہار یادگار ہے، اس کی تالیف و تربیت میں مولف کی تمام کاوش و کوشش، دیدہ ریزی و جگر کاوی صحت کی خرابی اور نگاہ کی کمزوری کے باوجود صرف اس خیال سے ہو رہی تھی کہ اس کی تکمیل سے حضرت شیخ کا منشاء پورا ہوگا اور مولف حضرت کی دعا سے سربلند و سرفراز ہوگا، مولف کی دلی خواہش تھی کہ حضرت شیخ اس کتاب کو ملاحظہ کر کے قبول فرمالیں، اور رائے گرامی سے نوازیں، مولف کی آرزو پوری ہوئی اور حضرت اپنی طمانیت و مسرت کے اظہار اور دعاؤں کی سوغات سے مولف کو مالا مال کر دیا اور کتاب کی نسبت بلند کلمات تحریر کرائے جس سے فطری طور پر مولانا محمد ثانی کو غیر معمولی مسرت ہوئی اور انہوں نے اس کلمات کو سرمایہ عزت و افتخار، اپنی محنت کا پورا صلہ اور گراں قدر انعام سمجھا اور حضرت شیخ کو بھی اپنے جذبات و تشکر و امتنان سے آگاہ کیا، اس سلسلے میں مولانا محمد ثانی کے خطوط اور حضرت شیخ کے جوابات آئندہ سطور میں آرہے ہیں یہاں صرف وہ تحریر نقل کی جاتی ہے جس میں حضرت شیخ نے سوانح مولانا محمد یوسف کا ذکر خیر فرمایا ہے تحریر فرماتے ہیں:

> عزیز گرامی قدر مولوی محمد ثانی حسنی سلمہ بعد سلام مسنون، اسی وقت مسرت نامہ پہنچا، اس سے بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ سوانح

---

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ مہاجر مدنی۔ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی طبع اول لکھنؤ۔

یوسفی قریب الاختتام ہے، اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے جلد از جلد اسکو پایہ تکمیل کو پہنچادے، اور لوگوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ متمتع فرمادے، اور تمہیں اس محنت و مشقت کا جو اس کی تکمیل میں فرمائی بہترین جزائے خیر عطا فرمادے۔

تمہیں اور مخدوم ومحترم جناب الحاج مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب مدفیوضھم وزادمجدہم کو جن کی توجہ واہتمام اور رہنمائی سے یہ کتاب تکمیل کو پہنچی، دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں اللہ جل شانہ دونوں کو مکارہ سے محفوظ فرما کر دارین کی ترقیات سے نوازے اور اس مبارک کتاب سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ متمتع فرمادے۔

امید ہے کہ ناظرین اس کو محض تاریخی کتاب کی حیثیت سے نہیں پڑھیں گے بلکہ استفادہ اور انتفاع کی نیت سے پڑھیں گے۔(۱)

سوانح مولانا محمد یوسفؒ کے بعد تذکرہ مولوی ہارون کاندھلوی کی ترتیب و اشاعت ہوئی اور آخر میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی سوانح حیات، جدید معلومات ومواد کی روشنی میں مرتب کرنے کا حکم صادر ہوا، مولانا ثانی نے اس فرمائش کی تعمیل بھی اسی جوش وجذبہ اور سعادت وجاں نثاری کے ساتھ کی، جس کا مظاہرہ وہ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کی تہذیب وتدوین میں کر چکے تھے مگر اس کتاب کے لیے مصنف کو سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کا سا وسیع کینولیس (مواد) اور ذاتی تجربات ومشاہدات کا کثیر سرمایہ ہمدست نہیں تھا، اس کے باوجود بھی یہ کتاب مولانا ثانی کے رواں دواں گلکار قلم کا ایک نمونہ ہے اور اس کے مطالعہ سے حضرت مولانا سہارنپوریؒ کی بلند پایہ علمی وروحانی خدمات محدثانہ خصوصیات، فقہی کلامی، موضوعات پر مولانا کی تحقیقات وتصنیفات، سوانح وآثار اور تعلیمات وارشادات کی ایک صاف اور واضح تصویر سامنے آتی ہے اور اس کتاب کے ذریعہ حضرت سہارنپوری

(۱)۲۱/ جمادی الاخریٰ ۸۷ء

کے کمالات، ذات وصفات سے ناواقف اشخاص وافراد بھی حضرت مقام ومرتبہ سے روشناس اوراس دور کے اکابر علماء کی صف میں حضرت کے مقام کی جستجو میں کامیاب ہوسکتے ہیں اورحیات خلیل کا یہی وصف ہے جس سے "رب مبلغ أوعى من سامع" کی صداقت کی ایک مرتبہ پھر تصدیق ہورہی ہے۔

حیات خلیل کی تکمیل وطباعت پر بھی حضرتؒ کی شیخ کی جانب سے مولانا ثانی توثیق وتحسین سے بامراد کامگار ہوئے، اوراس کے علاوہ ایک اورنہایت گرانمایہ وبلند تراعزاز وانعام عطاہوااور مولانا چانی اسی دولت وامانت کے وارث وہل قرار پائے، جوبذل المجهود میں معاون ودست راست ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ کومولانا خلیل احمد کی جانب سے سپرداورتفویض ہوئی تھی، یعنی حضرت شیخ نے شادمانی وکامرانی کی تمنا کے ساتھ مولانا ثانی کوخلافت واجازت بیعت سے معزز ومفتخر فرمایا جو اس طویل وپرمشقت علمی وروحانی سفر میں بخت یاوری کی دلیل خوشنودی مرشد کی ابدی دستاویز اورعطیہ خداوندی ہے۔

مسترشد اور مرشد کے مابین روابط وتعلقات کے مصادر ومراجع

ان تصنیفات وتالیفات کے علاوہ متعدد ایسے شواہد وتحریرات موجود ہیں جن سے حضرت شیخ کے مولانا ثانی سے تعلق خاطر شفقت ومحبت اورعنایت وکرم کا سراغ ملتا ہے اور مولانا ثانی کے قلب ونظر میں حضرت شیخ کے لیے ارادت وعقیدت کے گہرے جذبات اور دلی عقیدت واحترام کا علم ہوتا ہے، اس وقت اس قسم کی تین چیزیں راقم سطور کے سامنے ہیں جس میں سے ایک کا تعلق حضرت شیخ کی ذات گرامی اور حضرت کی نجی تحریرات سے ہے، دوسری کا مولانا ثانی کے قلم اور جذبات وتاثرات سے، تیسری جومولانا ثانی اور حضرت شیخ کے درمیان مشترک ہے۔

حضرت شیخ کا تاریخی روزنامچہ

اول الذکر حضرت کا تاریخی روزنامچہ ہے جس کے بیسیوں اندراجات میں مولانا

ثانی کے آنے جانے کی تاریخیں اوران سے مختلف اطلاعات درج ہیں، اس کی سب سے پہلے خبر یہ ہے:

> بعد کے اندراجات میں مولانا ثانی کے سفر آمد سہارنپور ودہلی، روانگی پاکستان زیارت حرمین کا ذکر ہے اور سوانح مولانا محمد یوسف اور حیات خلیل کے متعلق کچھ یادداشتیں اور مولانا کے اہل خانہ سے متعلق بعض ضروری تاریخیں محفوظ ہیں، ان سب معلومات کا اعادہ غیر مفید ہیں۔

منقبت شیخ

دوسری چیز جس کا تعلق مولانا ثانی کے تحریرات سے ہے، منقبت حضرت شیخ ہے جو حضرت کے متعلق مولانا ثانی کے جذبات عقیدت واحترام کی آئینہ دار موثر و پر کیف نظموں کا مجموعہ ہے جو حضرت کے متوسلین کے لیے تسکین قلب کا ذریعہ اوران کے زخم وجگر کا مرہم ہے، یہ مجموعہ منظومات حضرت کی حیات میں مرصع مرتب ہوگیا تھا اور یہ امر مولانا ثانی کے لیے نہایت فخر ومسرت کا سبب ہوا ہوگا کہ یہ تاثرات وافکار حضرت کے علم ونظر میں آگئے تھے، یہ مجموعہ حضرت کی وفات کے بعد ماہنامہ رضوان کے "حضرت شیخ الحدیث نمبر" میں شائع ہوا، حضرت کے آخری سفر ہند کے موقعہ پر حضرت کے یہاں موجود تھا اور راقم السطور نے بھی اسی وقت اس مجموعہ کو پہلی بار دیکھا اور پڑھا تھا، اس لیے قرین قیاس ہے کہ یہ منظومات حضرت کے ملاحظہ وسماعت سے بھی گزری ہوں گی۔

مکتوبات

اوراس سلسلہ ارتباط وتعلق کی تیسری آخری اورسب سے طاقتوراورمظبوط کڑی مولانا ثانی کے حضرت شیخ کے نام خطوط وجوابات کے ہیں، ہمیں مولانا ثانی کے چودہ خطوط دستیاب ہوئے جن میں سے گیارہ پر حضرت شیخ کے جوابات بھی محفوظ ہیں، ان

خطوط کی تعداد بہت زیادہ ہوتی لیکن حضرت شیخ کے یہاں کسی اہم سے اہم ترین شخصیت کے بھی تمام خطوط محفوظ رکھنے کا معمول نہیں تھا، تاہم ممتاز اشخاص علماء وغیرہ کے وہ خطوط جن سے کوئی خاص واقعہ، یادداشت یا تاریخ منسلک ہوتی رکھ لیے جاتے تھے اور کچھ اہم ترین خطوط کے جوابات بھی نقل کر لیے جاتے تھے، اسی طرح حضرت شیخ کے ذخیرہ میں علماء، مشائخ اور ممتاز و مشہور اصحاب کے ہزاروں خطوط اور سینکڑوں پر حضرت کے جوابات بھی موجود ہیں، اسی گنج نہاں کے درمکنون مولانا ثانی کے مندرجہ ذیل خطوط ہیں، جو راقم سطور کو برادرم مولوی محمد شاہد صاحب کے تعاون سے فراہم ہو ئے ہیں، میں اس عنایت کے لیے موصوف کا متشکر و ممنون ہوں۔

مولانا ثانی کے پیش نظر خطوط مضمون کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

اول ارشاد و سلوک اور روحانی واردات و کیفیات پر اس موضوع کا صرف ایک خط محفوظ ہے، یہ خط اپنے اجمال واختصار کے باوجود مولانا ثانی کے روحانی مقام و عرفان کو پوری طرح عیاں کر رہا ہے، اپنی اہمیت کی وجہ سے سب سے پہلے یہی خطوط نذر قارئین ہوگا۔

قسم دوم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی آنکھوں کی سخت تکلیف حضرت مولانا مدظلہ کا علاج کے لیے سفر سیتاپور اور حضرت شیخ سے درخواست پر مشتمل ہے اس عنوان پر تین خط دستیاب ہوئے، تینوں کا مضمون تقریباً ایک ہی ہے، اس لیے ان کو شامل اشاعت نہیں کیا گیا، مذکورہ تمام خطوط میں سے کسی کے جواب کی نقل حضرت کے ذخیرہ میں دستیاب نہیں ہوئی۔

قسم سوم، سوانح حضرت مولانا یوسف صاحب سے متعلق مواد واطلاعات، رفتار تصنیف و اشاعت، کتاب کی طباعت اور مولانا ثانی کی طرف سے پورا ایڈیشن یا کم از کم سو نسخے ہدیۃً قبول کر لینے کی استدعا، حضرت کا غایت خودداری، فرط استغناء اور احتیاط کی وجہ سے اس گراں قدر ہدیہ کے قبول کرنے سے مناسب ولطیف طریقہ پر معذرت کی

تفصیلات پر مشتمل ہے، مگران خطوط کا تذکرہ وسوانح کے ایک حصہ کے طور پر مطالعہ کچھ موثر اور مفید نہیں ہوگا، انکواس حیثیت سے پڑھنا چاہئے کہ ان میں اخلاص وایثار کا ایک رنگ چھپا ہوا ہے اور یہ خطوط زبان حال سے اس کا اظہار واعلان کرر ہے ہیں کہ ایک مرید ومسترشد کو اپنے شیخ وپیر سے کیسا تعلق کتنی محبت اور اس کے لیے ایثار وقربانی کا جذبہ کتنا موثر وشدید ہونا چاہئے اور مرید ومسترشد کو اپنے تمام اخلاص وایثار، جذبات وخدمات اور دیرینہ تمناؤں کو کس طرح پیر ومرشد کے مشورے اور اشارے پر مقدم رکھنا چاہئے، اور کس کشادہ دلی اور دست قلبی کے ساتھ اس آواز پر لبیک کہنا چاہئے۔ جس طرح مولانا ثانی کے خطوط عقیدت ومحبت کے آئینہ دار، افادت وتاثیر سے لبریز اور مولانا کے جذبات عقیدت وانقیاد کے ترجمان ہیں، اسی طرح مکتوب الیہ یعنی حضرت شیخ الحدیثؒ کے جوابی ارشادات وتحریرات، شریعت وطریقت کے جامع، اصلاح وتربیت کے خود شناسی وخودداری، شفقت وحیا پاسداری اور مروت واتباع سنت کے حامل وامین ہیں، اور امید ہے کہ انشاء اللہ یہ خطوط جن کے بیش قیمت ہونے میں کوئی کلام نہیں، ارباب سلوک اور اہل بصیرت کے لیے چشم کشا اور سرمہ بصیرت ہوں گے۔

گذشتہ سطور میں گذر چکا ہے کہ مولانا محمد ثانی کے حضرت شیخؒ کے نام موجود ومحفوظ پیش نظر مکتوبات میں سب سے اہم روحانی وعرفانی تحریر مولانا ثانی کا آخری دستیاب خط ہے، اس خط کی اہمیت کی وجہ سے سلسلہ ؑ بات کی ابتداء اسی تحریر سے ہو رہی ہے دوسرے خطوط جو سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے مسائل ومراحل سے متعلق ہیں، اس خط کے بعد حسب تاریخ تحریر، ترتیب وار پیش کئے جائیں گے، وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مکتوب اول بنام حضرت شیخ

۱۶ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ از لکھنؤ

سیدی ومولائی ومرشدی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد صد آداب کے عرض ہے کہ میں خیریت سے ہوں اور حضرت والا کی خیریت و عافیت کا طالب ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت والا کو بصحت عافیت رکھے، مجھ کو اس کی ندامت ہے کہ میں نے کوئی عریضہ پیش خدمت نہیں کیا۔

الحمدللہ معمولات پورے ہو رہے ہیں اور اس کی کیفیات کا ظہور بھی ہوتا رہتا ہے، معمولات کے پورا کرنے میں دلجمعی بھی ہوتی ہے۔ الحمدللہ حضور بھی اکثر رہتا ہے، اور بے ارادہ بھی ذکر خفی اور بعض دفعہ ذکر جلی زبان پر جاری ہو جاتا ہے البتہ بعض دفعہ انقباض کی کیفیت بھی ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں اختلاج قلب پیدا ہو جاتا ہے۔

حیات خلیلؒ حسب ارشاد ایک ہزار سے کچھ اوپر حاجی یعقوب صاحب کے ذریعہ مکہ مکرمہ ارسال کر دی گئی تھی امید ہے کہ پوری پہنچ گئی ہوں گی اس کے پڑھنے کے بعد بعض حضرات کے خطوط آئے، جن میں شدت تاثر کا اظہار کیا گیا ہے، بعضوں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے سے ان کی زندگی بدل گئی اور وہ شب خیزی اور نوافل کے عادی ہو گئے ہیں، اور حضرت کے علمی اور روحانی مقام اور اس کی عظمت کے معترف ہو گئے، بعض رسالوں میں تبصرے بھی آئے ہیں، جو بہت اچھے ہیں جی چاہتا تھا کہ وہ ارسال خدمت کر دوں گا۔ مگر ابھی مکمل نہیں آئے، انشاء اللہ بعد میں ارسال کر دوں گا۔

البعث الاسلامی میں کتاب کا عربی میں خلاصہ آ رہا ہے، غالبا

تیسری قسط بھی آ گئی ہے۔(۱)

حضرت والا میں نے اب سے تین روز پہلے آخر شب کو ایک خواب دیکھا جس کا کیف اس وقت تک محسوس کر رہا ہوں، وہ یہ کہ ایک کمرے میں ایک بزرگ نیم دراز ہیں، دائیں کروٹ پر نہایت نورانی صورت، چہرہ دمک رہا ہے، سفید بڑی اور گھنی داڑھی ہے، کرتہ ٹخنوں تک ہے، میں ان کے قدموں کے پاس ایڑیوں کی طرف بیٹھا ہوں اور وہ مجھے چہرہ مبارک موڑ کر دیکھ رہے ہیں، جلال و جمال کا ظہور رہے، معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ہیں اس علم کے بعد میرا دل کھنچنے لگا، اور وہ خود محبت بھری نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

پھر اس کے بعد ہی دیکھا کہ دوسرے کمرے میں حضرت گنگوہیؒ تشریف فرما ہیں، غالباً دوزانو ہیں، میں ان کے سامنے ہوں۔ حضرت کے بائیں طرف خال مکرم مولانا علی میاں بیٹھے ہیں، دائیں طرف ذرا جگہ خالی ہے اور پھر ایک چھوٹی میز یا چوکور تپائی رکھی ہے، حضرت مجھ کو دیکھ رہے ہیں، ایسا نورانی چہرہ دیکھنے میں نہیں آیا آنکھیں سرخ و سفید چہرہ، سفید بڑی گول داڑھی، لباس نہایت صاف و شفاف، مجھ سے فرمایا، میرے دائیں جانب آ جاؤ اور ہاتھ سے اشارہ بھی کیا، ماموں جی نے عرض کیا حضرت دائیں طرف کچھ رکھا ہوا ہے غالبا کتابیں یا برتن، حضرت یہ سن کر میری طرف بڑھے اور میرے کاندھوں پر اپنے دونوں مبارک ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے آخری پارہ کی کسی چھوٹی سورت کی

(۱) یہ تلخیص و تعریب حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہے جو کتابی صورت میں بھی منظر عام پر آئی مگر اب اس کے نسخے کم یاب ہیں (م)

ایک آیت پڑھی اور فرمایا جناب قاضی، یا فرمایا حضرت قاضی کا کام ہے، یا عمل دخل ہے۔ صرف قاضی کا لفظ بلفظ یاد رہ گیا، صبح ہوتے ہوئے وہ آیت بھی بھول گیا، اور پورا جملہ بھی مگر حضرت کا طرز عمل، صورت، توجہ اور مسکراہٹ، اور میری طرف آنا، یہ سب یاد ہے، اللہ کرے یہ خواب مبارک ہو امید ہیکہ حضرت والا تعبیر سے آگاہ فرمائیں گے۔

روضہ شریف پر سلام کی درخواست ہے، والدہ صاحبہ اور اہلیہ، حمزہ سلمہ اور میری لڑکی امامہ سلمہا سلام عرض کرتی ہیں، دعاؤں کی درخواست ہے زیارت کا بہت اشتیاق ہے، خواب میں الحمد للہ حاضر ہو چکا ہوں، کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا بھی کی، اور روضہ شریف پر بھی حاضر ہوا ہوں، لیکن خواب میں دو چار دن پہلے۔ خدا مبارک کرے۔

برادر عزیز محمد میاں سلام عرض کرتے ہیں

ناچیز خادم محمد ثانی حسنی

مکتوب مولانا ثانی (۲)

مخدومی و محترمی سیدی و مولائی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد آداب خادمانہ عرض ہے کہ الحمد للہ یہاں سب خیریت ہے، خداوند کریم سے امید ہے کہ حضرت والا بھی بخیر وعافیت وسلامت ہوں گے، حضرت والا کا شفقت نامہ صادر ہوا تھا، جناب والا کی بے انتہا شفقتوں اور محبتوں نے دل کو کیف وسرور سے بھر دیا۔

حضرت کے اس والا نامہ کے بعد سوانح کی ترتیب کا کام الحمد للہ

پہلے سے تیز ہو گیا، حضرت کی توجہات عالیہ پاتا ہوں، اس لیے اس سے پہلے میرے لیے یہ کام مشکل ہو رہا تھا، میں جب بھی قلم اٹھاتا لکھنا مشکل ہوتا، اب بفضلہٖ تعالی بآسانی لکھ رہا ہوں اور ذہن ودماغ کی گرہیں بھی کھلتی جارہی ہیں اب صرف نگاہ کی کمزوری کچھ نہ کچھ رکاوٹ پیدا کرتی ہے، بہر حال تھوڑا تھوڑا کام کر رہا ہوں، درخواست کرتا ہوں کہ میری بصارت کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی روشنی تیز فرمائے، نیز کام کرنے کی بصیرت بھی عطا فرمائے، حضرت کی توجہات عالیہ اور دعاؤں کا ہمیشہ محتاج رہوں گا، میں چاہتا ہوں کہ جب حاضر خدمت ہوں تو کچھ کر کے کم سے کم نقش اول لے کر حاضر ہوں۔

عزیزی مولوی محمد رابع سلام عرض کرتے ہیں، ماموں جی آج کل رائے بریلی میں ہیں۔

والسلام

۲۳ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

اس خط کے جواب میں حضرت شیخ کے گرامی نامہ کی نقل حضرت کے کاغذات میں ہمدست نہیں ہے اس لیے اس مکتوب کے بعد حضرت شیخ کا ایک والانامہ جو مولانا ثانی کے نام صادر ہوا تھا نذر قارئین ہے، اور مولانا ثانی کی جانب سے گرامی نامہ کی وصولیابی کی اطلاع حضرت شیخ کا دوسرا مکتوب گرامی اور مولانا ثانی کا جواب آئندہ سطور میں ملاحظہ ہو۔

مکتوب گرامی حضرت شیخ (۱)

عزیز گرامی قدر و منزلت عافاکم اللہ وسلم، بعد سلام مسنون

گذشتہ سال جب نظام الدین میں مولانا یوسف صاحب کی سوانح

کا ابتدائی مشورہ ہوا تھا، نظام الدین کی واپسی پر اس ناکارہ نے اپنا روزنامچہ دیکھنا شروع کیا تھا اس کے بعد جب علی میاں کی آنکھوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو یہ ناکارہ بھی مضمحل ہوگیا، شروع میں تو جوش وخروش میں شروع کر دیا تھا اس کے بعد جب علی میاں کی آنکھیں اچھی ہوئیں تو اس ناکارہ کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ شروع محرم میں آپ نے آنے کی خواہش لکھی تھی اس وقت بندہ نے یہ لکھا تھا کہ بہتر یہ ہے کہ شروع صفر میں نظام الدین آجاویں تاکہ جو اس وقت لکھا ہے وہ ان حضرات کے سامنے سنا کر آپ کے حوالہ کر دوں، مگر نہ تو آپ آئے اور ناکارہ بھی وہاں جانے کے بعد دوران سر میں ایسا مبتلا ہوا کہ ایک ہفتہ تک پڑا ہی رہا، یہاں آنے کے بعد بھی اب تک سلسلہ چل رہا ہے، کل یہ خیال پیدا ہوا کہ جو کچھ ہو چکا ہے کم از کم اس کو تو بھیجدوں، تکلیف فرما کر علی میاں کو حرفاً حرفاً سنا دیں اور اس میں سے جو کچھ وہ لینا چاہیں لے لیں، علی میاں کی خدمت میں بشرط سہولت سلام مسنون۔ فقط والسلام ۱۳ صفر ۱۳۸۶ھ

مکتوب مولانا ثانی (۳)

مخدومی ومکرمی سیدی ومطاعی زیدت معالیکم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ بعد آداب خادمانہ عرض ہے کہ کل جناب کا ارسال کردہ رجسٹرڈ لفافہ صادر ہوا۔ والا نامہ نے آنکھوں کو سرور بخشا ۸ صفحہ پر مشتمل جو مواد حضرت والا نے ارسال فرمایا ہے وہ پورا پڑھ چکا ہوں وہ سوانح کے لیے زیادہ مفید اور ممد ثابت ہوگا، انشاء اللہ۔

الحمدللہ کام جاری ہے، دو تین دن کے بعد تکیہ رائے بریلی جاؤں گا اور لفظا لفظا ماموں جی کو سنا دوں گا، اردہ ہے کہ تکیہ پر دس پندرہ دن قیام کروں گا اس درمیان سوانح کی ترتیب وتبویب کا کام کروں کیونکہ تکیہ پر لکھنؤ جیسی مشغولیت نہ ہوگی، اسلئے وہاں معتد بہ کام ہونے کی امید ہے اور ماموں جی کا مشورہ اور نظر کام میں انہماک کا باعث بنے گی۔

نگاہ کی کمزوری حد سے گذر چکی ہے خود لکھنا پڑھنا آسان نہیں رہا اس لیے اکثر لکھنے کے سلسلہ میں کسی ایک کی مدد لینی پڑتی ہے اور خود بھی لکھتا ہوں مگر زیادہ دیر تک نہیں، دعاؤں کا محتاج ہوں، مولانا اکرام الحسن صاحب کی خدمت میں سلام۔ والسلام

موصولہ ۲۲ صفر ۸۶ھ

مکتوب حضرت شیخ (۲)

عزیز گرامی قدر ومنزلت عافاکم اللہ سلمہ

بعد سلام مسنون۔ آج کی ڈاک سے احوال کی دوسری قسط ارسال ہے، اللہ جل شانہ مساعی جمیلہ کو مثمر ثمرات وبرکات بنا دیں، براہ کرم اس کی رسید سے جلد مطمئن فرمادیں، پہلے لفافہ کی طرح سے زیادہ انتظار نہ کراویں۔

علی میاں کا ایک خط آیا تھا اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ مولانا یوسف صاحب کے رائے بریلی کے سفر کا تذکرہ تیسرے کاغذ میں نہیں ہے اس کے جواب میں میں نے تین خط لکھے۔ جن میں یہ دریافت کیا تھا کہ اسکی کوئی تقریبی تاریخ آپ لکھ دیں تو اچھا ہے، اس کا جواب نہیں ملا، علم نہیں کہ میرا کوئی خط ان تک

پہنچایانہیں، اسکوبھی اہتمام سے علی میاں کوسنادیں۔
یہ کوئی ضروری نہیں کہ میں نے کوئی بات لکھ دی آپ اس کو نقل ہی کریں، بہت سی باتیں ہم لوگوں کے نزدیک قابل اعتراض نہیں ہوتی ہیں لیکن لوگون کی نگاہ میں قابل اعتراض ہوتی ہیں۔
علی میاں کی خدمت میں سلام مسنون، اپنی آنکھوں کی معذوری کی وجہ سے بہت ہی دیر لگی، ورنہ یہ سارا کام دوتین دن کا تھا، مگر آنکھوں کی معذوری نے اتنی دیر کردی اور اب بھی پورا نہ ہوسکا خدا کرے جلد پورا ہوجائے فقط والسلام

مؤرخہ۱۲ربیع الاول ۸۶ھ

حضرت شیخ کے مذکورہ بالا خط کا جواب اور مولانا ثانی کے درج ذیل مکتوب مئورخہ ۱۹دسمبر ۱۹۶۷ کے جواب میں حضرت شیخ کے کلمات پیش نظر تحریرات میں موجود نہیں ہیں۔

مکتوب مولانا ثانی (۴)

سیدی ومولائی زیدت معالیکم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
بعدآداب خادمانہ عرض ہے کہ الحمد للہ یہاں سب خیریت ہے، حضرت والا کی خیریت کا خواہاں ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل وکرم سے ہرطرح کی خیریت وعافیت رکھے، میں نے ایک عرصے سے کوئی عریضہ ارسال نہیں کیا، جی چاہتا تھا کہ کتاب قابل اطمینان حد تک طبع ہوجائے۔تو عریضہ لکھوں، انتہائی تمنا ہے کہ جلد از جلد کتاب کو مکمل شکل میں لے کر حاضر خدمت ہوں، یہ زندگی کی عزیز ترین خواہش ہے۔
عریضہ ارسال نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کام ادھورا چل رہا

تھا۔اب الحمدللہ وہ منزل آگئی ہے کہ عریضہ ارسال کرسکوں، کتاب ساڑھے سات سو صفحے تک جاری ہے جس میں کتابت تقریبا ۶۷۰ صفحہ کے لگ بھگ ہو چکی ہے اور طباعت تقریبا ۶۰۰ صفحہ تک، میں کوشش کر رہا ہوں کہ اکتوبر کے اوائل تک کتاب لیکر خدمت میں حاضری ہوجائے، صبح وشام اسی تگ ودو میں لگا ہوں، اورتقریباسفراور دوسرے مشاغل جواس کام میں رکاوٹ بن سکتے ہیں، چھوڑ رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ بحسن وخوبی اس کام کی تکمیل کی توفیق عطافرمائے، اورحضرت اس کو پسند فرمائیں، یہی تمنااورعزیز خواہش ہے۔

کتاب کا نام ''سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ'' تجویز ہے، پہلے یہ خیال تھا کہ جمال یوسفی رکھا جائے، مگر کتاب کی تکمیل پر ماموں جی وغیرہ نے اول الذکر کو تجویز کیا ہے، حضور والااس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ یہ بات مجھ کو پہلے ہی لکھنی چاہئے تھی، جس کی معافی چاہتا ہوں۔

حمزہ سلام عرض کرتے ہیں اور دعا کی درخواست بھی۔والسلام

مؤرخہ ۱۹ ستمبر ۶۷ء

مکتوب مولانا ثانی (۵)

سیدی ومرشدی متعنا اللہ بحیاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔بعد آداب خادمانہ عرض ہے کہ یہ عریضہ ایک انتہائی آرزو کے ماتحت ارسال خدمت ہے، پرسوں ایک عریضہ ارسال کیا جاچکا ہے جس میں سوانح کی تکمیل اور مستقبل قریب میں حاضری کی سعادت کے حصول کے متعلق تحریر تھا۔

الحمدللہ کام برابر ہو رہا ہے اور امید ہے کہ ہفتہ عشرہ میں تکمیل ہو جائے گی اور میں پوری طرح اس میں منہمک ہوں اور جتنا جتنا وقت قریب آرہا ہے شوق تکمیل بڑھتا جارہا ہے

ع آتش شوق تیز تر گردد

یہ عریضہ اکسپریس ڈیلیوری سے ارسال ہے اور جوابی لفافہ بھی، تا کہ جواب میں آسانی اور جلدی ہو، میری انتہائی خواہش ہے کہ حضرت والا اپنے چند قیمتی الفاظ میں تائیدی کلمات اور رائے گرا می کو اظہار فرمادیں تا کہ اس کو کتاب کی زینت بنا کر اپنے لیے سعادت دارین حاصل کرلوں، حضرت والا کے مختصر سے الفاظ میں بھی رائے گرامی کتاب کی قیمت اور وزن کو بلند سے بلند تر بنا دے گی۔

میں جناب عالی کے جواب تک شروع کے صفحات روکے ہوئے ہوں تا کی کتاب کو بڑی سعادت نصیب ہو جائے۔

امید ہے کہ اپنے ایک ادنی اور حقیر خادم کی اس ملتجیانہ درخواست کو شرف قبولیت عطا فرمائیں گے، چونکہ جوابی لفافہ بھی اکسپریس ڈیلیوری ہے، اس لیے امید ہے کہ مجھ کو حضور عالی کا جواب منگل (سہ شنبہ) تک مل جائے گا۔

والسلام۔ مؤرخہ شنبہ ۲۳ ستمبر ۱۹۶۷ء

مکتوب گرامی حضرت شیخ (۳)

عزیزم سلمہ، بعد سلام مسنون، اسی وقت منگل کی دوپہر کو تمہارا اکسپریس خط شنبہ کا لکھا ہوا ملا، تم منگل تک جواب مانگ رہے ہو، مگر تمہارا خط ہی منگل کو ملا، تم نے بہت تنگ وقت میں حکم نامہ جا

ری کیا، مجھے اس قسم کے مضامین بالکل نہیں لکھنے آتے، یہ کوئی توا
ضع نہیں بلکہ واقعہ ہے، بہت سے لوگوں کا ہمیشہ اصرار رہا ہے اورا
ہم لوگوں کے تقاضے بھی ہوئے، مگر چونکہ اس نوع سے مناسبت
نہیں، اسلئے ہمیشہ معذرت ہی کی۔ البتہ دعائیہ خطوط کبھی کبھی لکھنے
کی نوبت آئی ہے، جس کو لوگوں نے کافی سے بھی زائد بتایا، وہ فورا
لکھ رہا ہوں، خدا کرے، تمہیں پسند آجائے اور تم اس کو کافی سمجھو۔
تمہارے پرسوں کے خط کا جواب بھی ہمروز لکھوا چکا ہوں، یہ تو یاد
نہیں کہ وہ کس تاریخ کا لکھا ہوا تھا اور کب پہنچا، مگر میں نے اسی
روز لکھوا دیا تھا، فقط والسلام

اس خط کے ساتھ سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کے متعلق حضرت شیخ کی رائے گرامی اور کلمات خیر پر مشتمل وہ تحریر بھی ہے جس کی نقل گذشتہ صفحات میں گذر گئی ہے اور اسی لیے یہاں اس کا اعادہ نہیں کیا گیا، مذکورہ خط ملنے پر مولانا ثانی کی فخرو مسرت کی کیفیت اور تشکر و امتنان کے جذبات درج ذیل مکتوب میں ملاحظہ ہوں۔

مکتوب ثانی (۶)

مخدومی و معظمی سیدی ومولائی، زیدت معالیکم ومتعنا اللہ بحیاتکم
الطیبہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد آداب کے عرض ہے کہ حضرت والا کا شفقت نامہ ابھی ابھی صادر ہوا، جس نے مسرت وشادمانی سے دل کو معمور کر دیا، میں نے اس مبارک ومسعود والا نامہ کو سر آنکھوں پر رکھا، جناب نے کتاب پر جو اظہار پسندیدگی فرمایا، اور اپنی رضا و خوشنودی کی دولت سے مجھ حقیر کو سرفراز فرمایا وہ میرے لیے زندگی کی عزیز ترین متاع ہے۔

جب سے میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تھی جناب والا کی خدمت میں تکمیل کے بعد پیش کرنے تک یہی فکراور احساس دل ودماغ پر مشغول تھا کہ حضرت جب اس کتاب کو پوری طرح سن لیں گے اور اپنی رضامندی وپسندیدگی کا اظہار فرمادیں گے تو وہ گھڑی میری زندگی میں انتہائی کیف وسرور کی ہوگی، خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھ کو یہ دولت نصیب فرمائی، میں نے اس خوشی میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔

کتاب چھپنے کے دوران ہی سے میری نیت تھی انشاء اللہ جب کتاب مکمل ہو جائے گی تو ایک معتد بہ تعداد میں حضرت والا کی خدمت میں کتاب پیش کروں گا، تاکہ حضرت عالی اپنی طرف سے جن جن حضرات کو عنایت فرمانا چاہیں عنایت فرمائیں۔

جناب نے از راہ مہربانی ۱۰۰ نسخے طلب فرمائے ہیں، وہیں انشاء اللہ اس تعداد میں حضرت عالی کی خدمت میں کتاب ہدیہ پیش کروں گا، اگر حضرت اس پیش کش کو قبول فرمالیں گے تو میری دیرینہ تمنا بر آئے گی، اور میں اپنی زندگی کی عظیم ترین مسرت سے ہم کنار ہوں گا، حضور والا کی طرف سے اس کی قبولیت میرے لیے باعث صد کرم ومہربانی ہوگی، انشاء اللہ اس سے میرا کوئی نقصان نہ ہوگا، بلکہ میرے لیے دین ودنیا میں خیر وبرکت کا باعث ہوگا، آخر میں پھر عرض ہے کہ اس کو رد نہ فرمائیں گے بلکہ ضرور قبول فرمالیں گے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

الحمد للہ کتاب کے اب تک ایک ہزار آرڈر مل چکے ہیں، اس کی طباعت میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوئی، بلکہ بعض مکتبوں نے

اس شرط پر پیشگی رقم عنایت کی کہ بعد طباعت تاجرانہ حیثیت سے رقم کے عوض کتابوں کے نسخے ان کو دے دیۓ جائیں، اس معاہدہ کی وجہ سے میری ذات پر کوئی بار نہیں ہوا، بس حضرت کی توجہ اور شفقت وعنایت سے ہر منزل آسان ہوتی گئی، اللہ تعالیٰ حضرت کی دعاؤں اور توجہات کو قائم رکھے، جناب کی خوشنودی ہی میرے لیے بس ہے اور اسی کی تمنا نے اس کتاب کی طباعت کی ہر مشکل، منزل آسان کی، اللہ تعالیٰ اپنی رضا واخلاص کی دولت نصیب فرمائے۔

مجھ کو احساس ہے کہ میں نے جناب والا سے رخصت ہونے کے بعد کوئی عریضہ ارسال نہیں کیا۔

سفر کے دوران طبعت خراب ہوگئی تھی اور تعب بہت ہوگیا تھا لکھنؤ پہنچتے پہنچتے نزلہ اور بدن میں درد ہوگیا اس کے باوجود کتاب کے کام میں لگ گیا، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ کتاب نے بجائے ۴۰ صفحوں کے مزید ۶۸ صفحہ لے لیے اور ۷۸۶ صفحہ تک پہنچ گئی، بہر حال وہ پریس میں ہے اور چند آخری صفحات اور فہرست زیر طبع ہے انشاء اللہ آٹھ دس دن میں بالکل مکمل ہوجائے گی اور انشاء اللہ پہلے ہی مرحلے میں ۱۰۰ نسخے ارسال خدمت کروں گا اور اسی پیش کش سے آگے کا کام شروع کروں گا، جناب کی نوازش وکرم سے قوی امید ہے کہ اس کو بخوشی ومسرت قبول فرما کر میرے لیے سعادت دارین کا ذریعہ بنیں گے۔

ماموں جی جمعرات ۱۲ر اکتوبر کو جدہ پہنچ گئے اور بخیر وسلامتی پہنچنے کا تار بھی آگیا، جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے انشاء اللہ رمضان سے قبل واپسی ہوجائے گی، ان کے ہمراہ برادر عزیز محمد

میاں ہیں۔

حمزہ سلام عرض کرتے ہیں، ان کا سالانہ امتحان قریب ہے اور یہ عالمیت کا سال ہے، ترمذی اور موطا امام مالک وغیرہ کتب زیر درس ہیں، نہ معلوم کیا بات ہے کہ پڑھنے میں جی نہیں لگاتے جس کی وجہ سے فکر بہت ہے، ماحول وغیرہ بھی قابل اطمینان نہیں، ہر دم تشویش رہتی ہے، حضرت کی دعاؤں اور توجہ کی سخت ضرورت ہے، ان کی والدہ بھی سخت متفکر ہیں، اور دعا کی درخواست کرتی ہیں، اور سلام عرض کرتی ہیں، برادر عزیز مولوی محمد رابع بھی سلام عرض کر رہے ہیں۔

اللہ تعالی حضرت کے سایہ عاطفت کو تا دیر قائم رکھے اسی میں ہمارے لیے سکون وطمانیت ہے۔ والسلام

۱۴ رجب ۱۳۸۷ھ

مکتوب گرامی حضرت شیخ (۴)

عزیز گرامی قدر و منزلت مولوی محمد ثانی سلمہ

اسی وقت تمہارا گرامی نامہ، احسان نامہ پہنچ کر موجب مسرت ہوا، میں نے پہلے خط میں کتاب کے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ اطراء المارح سے بچتے ہوئے بہت ہی مختصر لکھا تھا، ورنہ مجھے تو کتاب بہت ہی پسند آئی، اللہ جل شانہ تمہیں اور علی میاں کو بہت ہی زیادہ سے زیادہ اپنی شایان شان دونوں جہاں میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، البتہ ایک باب جو تم نے علی میاں سے لکھوا کر ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا، بالکل پسند نہیں آیا۔ ﴿یا لیتنی کنت نسیا منسیا﴾ تم نے جو سو نسخے پیش کرنے کی پیش کش کی ہے تمہا

ری خاندانی اور وراثت نبویہ کی شان ایثار، سخاوت اور علو شان کے تو بالکل مناسب ہے لیکن تم ہی غور کرو کہ اس نا کارہ کی غیرت اتنے بڑے بار کا تحمل کیسے کر سکے گی، اس لیے یہ تو میرے لیے بہت مشکل ہے، البتہ تمہارے خط سے ایک بین بین صورت سمجھ میں آئی بشرطیکہ تمہیں اس میں کسی قسم کی گرانی نہ ہو، اور اگر ذرا بھی گرانی ہو تو میرا حکم ہے کہ بے تکلف رد کر دو، وہ یہ ہے کہ میرے کتب خانہ کی کتابوں میں سے ایک ہزار کی کتابیں انتخاب کر لو جو تمہارے انتخاب کے بعد یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

عربی کتابوں میں بذل اور اوجز تو ناقص ہے لیکن کوکب اور لامع کی دو دو جلدیں موجود ہیں اور فضائل کی کتابیں تو سب ہیں، اس میں اتنا نقصان تو تمہارا ہے کہ سوانح کی قیمت جلد وصول ہو جاتی اور ان کتابوں کی دیر میں وصول ہوگی اور زیر بار نہیں ہو گے، اور یہ نا کارہ اس کو بھی ہدیہ سمجھے گا، اس لیے رقم کے بجائے میرے لیے یہ کتابیں آسان ہیں، بالخصوص جب کہ سوانح سے بھی قیمت نہیں، جزاک اللہ، کے ہی وصول ہونے کی امید ہے۔

ایک ضروری امر یہ ہے کہ تم جن لوگوں کو مفت ہدیہ کرو ان کے نام مجھے ضرور لکھ دو مثلاً انعام، ہارون، قاری طیب، یا سہارن پور میں کوئی یا پاکستان میں میرا کوئی واقف کار تا کہ میں ان کو نہ دوں، اس لیے ایک شخص کے پاس دو نسخے پہنچنے سے اچھا یہ ہے کہ دو آدمیوں کے پاس پہنچ جائے، بلا کسی گرانی کے یہ تجویز منظور ہو تو اچھا ہے، ہدیہ میں تو ایک ہی نسخہ آپ مکمل بھیج دیں اور یہ ناقص میں واپس کر دوں گا اس لیے کہ اس کے حاشیہ پر میرے

کچھ نشانات بھی ہیں طبع ثانی میں تصحیح کی جائے۔

فقط والسلام،

۱۶ رجب ۱۳۸۷ھ

مکتوب مولانا ثانی (۷)

سیدی ومولائی متعنا اللہ بحیاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد صد آداب کے عرض ہے کہ حضرت والا کے دو والا نامے ایک ہی ڈاک سے صادر ہوئے ملفوف شفقت نامہ میں حضرت نے مجھ کم سواد کو جس شفقت و کرم اور مہربانی سے نوازا، وہ میرے لیے انتہائی طور پر، موجب خیر وبرکت اور باعث شرف وسعادت ہے، اللہ تعالی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے حضرت والا کی توجہات اور شفقتیں بلا استحقاق مجھ کو نصیب فرمائیں۔

کل گذشتہ سوانح کے مکمل شدہ دس نسخے ملے تھے ان میں سے ایک نسخہ حضرت کی خدمت میں کل ہی رجسٹرڈ کر چکا ہوں، مل چکا ہوگا، اللہ تعالی خیر وبرکت نصیب فرمائے۔

مجھ کو تو یہ چاہئے تھا کہ کتاب کی طباعت پر پہلا ایڈیشن پورا کا پورا حضرت کی خدمت میں پیش کرتا اور حضرت ہی کی اجازت پر اس میں تصرف کرتا، مگر افسوس یہ نہ کر سکا، اب اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ حضرت کو اس سلسلے میں جتنے نسخوں کی ضرورت ہو وہ طلب فرمائیں وہ میں بہزار مسرت ارسال کردوں، کم سے کم یہ سو نسخے جن کے متعلق لکھ چکا ہوں ضرور قبول فرمالیں، یہ میری خادمانہ اور عاجزانہ التجا ہے اس سے کم کی تعداد یا اس تعداد پر قیمت یا

تبادلہ کی صورت اگر چہ حضرت کی بے پایاں شفقت ورحمت کا نتیجہ ہے مگر میرے باعث کلفت ہے، اسلئے حضرت کی کرم نوازی سے امید ہے کہ اس پیش کش کو بلا کسی ادنی تردد کے قبول فرمائیں گے۔ رہا کتب خانہ یحیوی کا معاملہ انشاء اللہ اس سے الگ معاملہ کرلوں گا، اوراس میں مجھے کوئی تردد نہ ہوگا، اس سلسلے میں مولوی نصیرالدین صاحب سے خط وکتابت ہوجائے گی، یہ دومعاملہ الگ الگ ہوں گے۔

ابھی ابھی اس خط کے لکھنے کے دوران جب کہ میں یہاں تک پہنچا تھا کہ ڈاک آئی، اس میں مولوی نصیرالدین صاحب کا کارڈ آیا نظر سے گذرا، اس میں تحریر ہے ''سوانح کے سو نسخے تو کتب خانہ کے لیے بھیج دیدیجئے، حضرت شیخ الحدیث صاحب سے معلوم کر لیجئے، اس کے بعد بھی ضرورت ہے یا نہیں، بس اب بات طے ہوگئی کہ سو نسخے تو کتب خانہ یحیوی کو بحساب تاجرانہ ارسال کر دئے جائیں گے اور سو نسخے حضرت والا کی خدمت میں میری طرف سے ہدیہ (بلا کسی قیمت یا تبادلہ کے پیش ہوں گے، امید قوی ہے کہ اس صورت میں حضرت کے قلب پر ذرا بھی بار نہ ہوگا، اگر بالفرض اس صورت میں کوئی ادنی بار بھی محسوس فرمائیں تو میری طرف سے اتنی ترمیم ہے کہ سہارن پور یا اس کے اطراف میں جن حضرات کو کتاب پیش کرنے کا مجھ کو خیال ہے اور وہ صرف تین ہیں، ان کو میری طرف سے عنایت فرمادیں، نیز مرسلہ فہرست کتب میں وہ کتابیں جو شرح کی ہیں، ان میں صرف تبرک کے طور پر ایک ایک نسخہ عنایت فرمادیں مگر

اتنی اور التجا ہے کہ ہر نسخہ پر اپنے دست مبارک سے چاہے صرف حضرت کا اسم گرامی اور تاریخ عطیہ ہو تحریر فرمادیں یہ اکتفا تو میں نے حضرت کی نگاہ کی کمزوری کی بنا پر کی ہے، ورنہ اس خادم کا نام حضرت والا کا اپنے قلم سے تحریر کردینا میرے لیے باعث صد افتخار ہوگا، اور ان نسخوں کو میں حرز جان بنا کر رکھوں گا۔

اس صورت میں حضرت والا اس پیش کش کو ضرور قبول فرمالیں اور اس کے بعد بھی میں اپنے اوپر حضرت کا بڑا احسان جانوں گا، میری خواہش ہے کہ سہارن پور میں مولانا اکرام الحسن صاحب (۱) حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب (ناظم صاحب) مخدوم زادہ مولوی محمد طلحہ سلمہ کو کتاب پیش کروں، کاندھلہ اور دیوبند میں مولانا احتشام الحسن صاحب اور قاری محمد طیب صاحب کا خیال ہے مگر حضرت کے حکم اور اجازت پر منحصر ہے دہلی میں مولانا انعام الحسن صاحب اور صاحب زادہ مولوی محمد ہارون صاحب کو آج ہی کتاب ارسال کررہا ہوں، ان حضرات کے علاوہ مولانا محمد عمر صاحب، منشی بشیر صاحب، فریدی صاحب (۲) اور جس کو حضرت حکم دیں ارسال کروں گا، پاکستان میں مفتی زین العابدین صاحب، اکرام صاحب یا افضل صاحب، سلطان فونڈری والے، حاجی بشیر صاحب، شفیق صاحب، قاضی صاحب کے اسماء میرے ذہن میں آتے ہیں، قریشی صاحب بھی غالباً اس میں ہیں، ان حضرات میں ایسے بہت ہوں گے جن کو اگر آنجناب کتاب ارسال فرمادیں تو وہ اس کی اہمیت کو سمجھیں گے، میرے ارسال کرنے میں غالباً وہ دلچسپی نہ ہو اور اسکو

---

(۱) والد ماجد حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی سابق امیر جماعت تبلیغی (م)

(۲) جناب افتخار فریدی مرحوم

درخوداعتنا نہ سمجھیں، بھوپال میں مولانا عمران خاں صاحب (۱) کو
میں کتاب بھیج رہا ہوں بمبئی یا اور کسی دوسری جگہ کے اسماء میرے
ذہن میں اس وقت نہیں ہیں، ہاں مولوی جمیل صاحب حیدرآباد
(۲) کو پیش کرنے کا دل چاہتا ہے۔
کتاب الحمدللہ جلد ساز کے یہاں ہے، آج دوسو نسخے ملیں گے،
کل تک خشک ہوں گے جن میں انشاء اللہ ۱۰۰ نسخے فوراً ارسال
خدمت کروں گا اور سونسخوں میں الفرقان ندوۃ اور مکتبہ اسلام کو
پہلی قسط دیدی جائے گی، سنیچر کو مزید ۳۰۰ نسخے تیار ملیں گے، ان
میں دہلی بمبئی، بھوپال، کے کتب خانوں کے آرڈر تعمیل کردوں
گا، ان ہی میں کتب خانہ یحیوی کے ۱۰۰ نسخے ارسال کردوں گا،
حضرت والا کے ۱۰۰ نسخے انشاء اللہ کل یا پرسوں ضرور ارسال کر
دوں گا، اور انشاء اللہ اس کے بعد اطمینان حاصل کروں گا۔

مولانا منظور صاحب کا خط مکہ مکرمہ سے آیا تھا، جس میں تحریر تھا کہ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو پہنچنے کے بعد طائف سے علی میاں پہنچے اور خود انہوں نے اس حادثہ کی خبر سنائی اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میں صحیح سالم آپ سے مل رہا ہوں مجھ کو دوسری زندگی ملی ورنہ آپ بجائے مجھ سے ملنے کے میری نماز پڑھتے تفصیل اس خط میں لمبی نہ تھی، پرسوں دعوت اخبار ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں پہلے صفحہ پر اس حادثہ کی خبر تھی جس سے اہل تعلق کو فکر ہوگئی تھی، اب بھی فکر ہے، خود ماموں جی یا محمد میاں کا کوئی خط نہیں آیا، ہر ڈاک میں انتظار رہتا ہے، اللہ تعالیٰ فکر دور فرمادے۔ (۳)

---

(۱) سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء
(۲) حضرت شیخ کے خلیفہ اور ان کی جماعت معتکفین میں ممتاز فرد تھے۔
(۳) گاڑی پلٹ جانے کا حادثہ تھا، بھتیجے مولانا سید محمد الحسنی مرحوم گاڑی پر ساتھ تھے، مگر اللہ نے پوری حفاظت فرمائی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کاروان زندگی حصہ دوم، از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (م)

یہ عریضہ تفصیل کی وجہ سے طویل ہو گیا، حضرت کے قیمتی وقت کا احساس کرنے کے باوجود مجبوراً طوالت اختیار کرنی پڑی، تکلیف دہی کو معاف فرمائیں۔

والدہ حمزہ سلمہ اور مولوی محمد رابع سلمہ نیز مولوی محمد طاہر صاحب سلام عرض کرتے ہیں مولانا اکرام الحسن صاحب کی خدمت میں سلام پہنچا دیں، مولوی محمد سالم ہنسوی سلام و دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ والسلام

ناکارہ خادم: محمد ثانی حسنی

۲۰ رجب ۱۳۸۷ھ

جواب حضرت شیخ (۵)

عزیز گرامی، قدر و منزلت، عافاکم اللہ سلمہ

بعد سلام مسنون، بہت طویل انتظار کے بعد مسرت نامہ پہنچا، یہ مضمون تو تم پہلے خط میں بھی لکھ چکے تھے اور اس کے جواب میں بندہ نے یہ لکھا تھا کہ تمہاری محبت شفقت سر آنکھوں پر لیکن میرے لیے اس کا تحمل دشوار ہے، تم نے اس کے جواب میں لکھا ہے، یہ میرے لیے باعث کلفت ہے، میں تمہیں کلفت میں ڈالنا نہیں چاہتا اس لیے اب میرے لیے نسخہ بھجوانے کی تکلیف نہ فرمائیں، مولوی نصیر الدین کا معاملہ براہ راست الگ ہے وہ جتنے منگوائیں بھیج دیں، بندہ کے لیے آپ نے جو ایک نسخہ بھیجا ہے کافی ہے۔

تبادلہ کی صورت میں تو میرا بہت ہی لوگوں کو تقسیم کا خیال تھا جس میں تم جن کو مناسب سمجھو ان کو تمہاری طرف سے بھیجوں اور

سہار نپور میں ناظم صاحب(۱)اور قاری طیب صاحب وغیرہ کو تمہاری طرف سے بھیجنا زیادہ مناسب ہے، ورنہ میں تمہاری طرف سے بھیج دیتا، پاکستان کے لوگوں کو یقیناً میری طرف سے بھیجنے کی اہمیت زیادہ ہوگی، اور قاری طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) وغیرہ کو آپ کی طرف سے بھیجنے کی مگر یہ سب تو اس صورت میں تھا کہ جب آپ کو تبادلہ میں کلفت نہ ہوتی، اب تو مدعی (مردنی؟) موقوف مقبرہ مسمار۔

تمہاری محبت سے مجھے انکار نہیں، بے شک ہے، مگر اونٹ پر بوجھ اتنا ڈالنا چاہئے جتنا اٹھایا جائے کسی شخص کی محبت نہیں ہوسکتی جتنی حضرت ابوبکرؓ کو حضرت اقدس ﷺ سے تھی اور ہجرت کے لیے انہوں نے دو اونٹنیاں بڑی عمدہ خریدی تھی، اور ہجرت کے موقع پر حضور ﷺ کی خدمت میں ایک پیش کش کی تو کہا کہ "قال بالثمن" تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے معاً اس کو قبول فرما کر کہہ دیا بالثمن، اس لیے آپ بھی میری درخواست کو قبول فرما دیں تو پھر سو نسخہ میرے نام کے بھیجیں ورنہ نہ بھیجیں۔ فقط والسلام

۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ

مکتوب مولانا ثانی (۸)

مخدومی و مشفقی سیدی و مطاعی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد آداب کے عرض کہ آج برادرم مولوی سید محمد سالم کے نام والا نامہ صادر ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ میرا عریضہ جناب والا کو نہیں پہنچا، میں نے

(۱) حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہما اللہ (م)

کتاب کے ارسال کرنے کے بعد مفصل عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، بلکہ کل اور آج بڑی بے چینی سے ہر ڈاک میں والا نامہ کی جستجو رہی اور جب مولوی سالم کے نام والا نامہ ملا تو قدرے پریشانی لاحق ہوئی خدا کرے اب ضرور مل چکا ہو؟ اور میری عرضداشت کو شرف قبولیت نصیب ہوا ہو؟

چونکہ کتاب بہت ضخیم ہے اس لیے جلد ساز تھوڑی تھوڑی بنا کر دے رہا ہے اور مقامی وغیر مقامی حضرات بڑا تقاضہ کر رہے ہیں، آج ہی حضرت والا کو دو بنڈلوں مین ۸ کتابیں ذریعہ ریل ارسال کر چکا ہوں اور بلٹی ذریعہ رجسٹری حاضر خدمت ہو رہی ہے، ایک بنڈل میں چالیس ہیں، انشاءاللہ جلد ہی مزید ۲۰ عدد کتب خانہ یحیوی کی کتابوں کے ہمراہ ارسال کر دوں گا، سردست ان مرسلہ کتب کو قبول فرمائیں، تاخیر کی عافی چاہتا ہوں، بہت زیادہ تاخیر ہو چکی ہے، بہت ہی شرمندہ ہوں، اللہ تعالی معاف فرمائے۔

مولوی محمد انعام الحسن صاحب اور مولوی ہارون صاحب کو کتاب ارسال کر چکا ہوں، خدا کرے جو کتابیں میں نے حضور کو ارسال کی ہیں وہ بخیر وسلامتی وحفاظت پہنچ جائیں اپنی دانست میں پیکنگ اچھی کی ہے لیکن خوف رہتا ہے، لکڑی کے بکس میں بہت دشواری تھی، بکسوں کو بہت تلاش کیا، مگر سلیقہ کا نہ مل سکا،

محمد میاں (۱) کا خط آیا تھا، الحمد للہ خیریت ہے، مگر ماموں جی کا براہ راست خط نہیں آیا، مولانا اکرام الحسن صاحب وعزیز مولوی محمد طلحہ میاں کو سلام۔ والسلام ۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ

(۱) مولانا سید محمد الحسنی مرحوم جو اپنے عم مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ سفر طائف میں اس گاڑی پر ساتھ تھے جو حادثہ کا شکار ہوئی تھی۔

جواب حضرت شیخ (۶)

عزیزم مولوی محمد ثانی سلمہ

بعد سلام مسنون

طویل اور شدید انتظار کے بعد تمہارا کارڈ مورخہ ۲۵ رجب آج ۲۸ رجب کو ملا لکھنؤ کی ڈاک تو مکہ کی ڈاک بن گئی ہے، میں آپ کے سابقہ خط کا جواب کئی دن ہوئے لکھ چکا ہوں، میں تو اس کے جواب کا منتظر تھا کارڈ سے یہ معلوم ہوا کہ میرا سابقہ مفصل عریضہ آپ کے پاس نہیں پہنچا جس سے بہت قلق ہے۔ میرے اس سارے طویل خط کا خلاصہ یہ تھا۔

بہت مشکل ہے مشرق و مغرب کا یارانہ
میری صورت فقیرانہ تیرا انداز شاہانہ

یہ ناکارہ ضعیف و ناتواں، بیمار لب گور اتنے بڑے سخت بوجھ کا متحمل نہیں کل کی جگہ آج ہی مرجاؤں گا، اس لئے "مردنی موقوف مقبرہ مسمار"

یہ نسخے بلٹی وصول ہونے کے بعد مولوی نصیر کے حوالے کروں گا لیکن معلوم ہوا کہ ان کے خط کا تو آپ نے جواب ہی نہ دیا اور ان سے کوئی ابھی شرح معاملہ طے نہیں ہوئی، تاجرانہ قیمت ان کو جلد لکھیں اس لیے کہ جب تک ثمن مجہول ہے میں نے ان کو فروختگی سے منع کر دیا، کہ ابھی تک بیع اول ہی پوری نہ ہوئی اس لیے آپ جن جن حضرات کو آپ مفت دینا چاہیں نامزد کر کے مولوی نصیر کے بقیہ بیس نسخوں کے ساتھ رکھ دیں، سہارن پور، دیوبند، دہلی کے نسخے ڈاک سے بھیجنے میں محصول بہت خرچ ہو گا، میں یہاں سے آپ کی طرف سے دستی بھیج دوں گا۔

آپ نے یہ صحیح لکھا کہ کتاب بہت ضخیم ہوگئی، دو جلدوں میں ہوتی تو بہت اچھا ہوتا، بقیہ نسخوں کے بھیجنے کی بھی ابھی عجلت نہ کریں، وہاں کی فرمائش کو ابھی پوری کریں البتہ مولوی نصیر کو جلد قیمت سے مطلع کریں کہ وہ فروخت کرسکیں، ورنہ یہ امانت میں رہیں گے، بلٹی ابھی وصول نہیں ہوئی، وصول ہونے پر معلوم ہوگی کہ کس حالت میں پہنچی بندے کے خیال میں تو چھوٹے چھوٹے صندوق میں کئی بنڈل ہو جاتے تو اچھا تھا تا کہ جلدیں خراب نہ ہوں۔ فقط

۲۸ رجب ۱۳۸۷ھ

مکتوب مولانا ثانی (۹)

سیدی ومولائی زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد آداب کے عرض ہے کہ ابھی ابھی والا نامہ صادر ہوا، یقیناً مجھ سے غلطی اور لغزش ہوئی ہے میں اپنی کوتاہ بینی اور قصور پر نادم اور معافی کا خواستگار ہوں، یہ میری انتہائی بے بصیرتی اور کوتاہ ظرفی تھی کہ حضرت والا کی خواہش پر اپنی خواہش کو ترجیح دی، میں اپنی غلطی اور قصور کی معافی چاہتا ہوں، حضرت والا کے تبادلہ کتب والی شرط کو بخوشی قبول کرتا ہوں، انشاء اللہ میرے دل پر ادنیٰ سا تکدر نہ ہوگا۔

میں پھر اپنی غلطی اور قصور کی معافی چاہتا ہوں، امید ہے کہ، اپنی خاص عنایت وشفقت سے معاف فرمائیں گے، میں انشاء اللہ جلد ہی مطلوبہ کتب کی فہرست ارسال کر دوں گا ۸۰ کتابیں ارسال کر چکا ہوں، بقیہ نسخے جلد ارسال کروں گا۔ والسلام

معافی کا خواستگار

محمد ثانی حسنی

یکم نومبر ۶۷ء

جواب حضرت شیخ (۷)

عزیزم سلمہ　　　　بعد سلام مسنون

اسی وقت، عین جمعہ کے وقت تمہارا بہت مختصر کارڈ موجب مسرت ہوا، موجب منت ہوا، کل تمہارا مفصل خط عین انتظار میں پہنچا تھا، اور اس کا اسی وقت مفصل جواب لکھوا کر روانہ کیا اس کا خلاصہ یہ تھا ''مردنی موقوف مقبرہ مسمار'' میرے نسخے نہ بھیجیں، اسی وقت تمہارے کارڈ کا فوری جواب اس واسطے لکھوا رہا ہوں کہ تمہیں ملال وتکدر نہ ہو، جمعہ کا وقت قریب ہے لیکن اگر اس وقت نہ لکھا گیا تو کل کو بار ہے، پیر سے پہلے پہنچنا مشکل ہے اور تمہیں گرانی رہے گی

تم نے سابقہ خطوط میں جو کچھ لکھا اس میں نہ گستاخی تھی، نہ بے ادبی، بلکہ تمہاری عین محبت تھی، اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے تمہیں تمہاری اس محبت کا دونوں جہاں میں بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمادے، لیکن اس ناکارہ ضعیف بیمار کو اتنے بوجھ کے اٹھانے کا تحمل بالکل نہیں تھا، اور نہ ہے، اس لیے بار بار شدت سے انکار کرتا رہا، اب چونکہ تم نے ازراہ تواضع وانکسار میری درخواست قبول کرلی، اس لیے شوق سے بھیج دو۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ چونکہ تمہارے یہاں فرمائشوں کی کثرت ہے، اس لیے اور مولوی نصیر کے نسخے پورے کرنے کی جلدی نہیں ہے آہستہ آہستہ سہولت سے پورے کردیں، آپ نے جتنے اسماء اپنے سابقہ خط میں لکھے تھے، ان کو آپ نہ بھیجیں، ان کو میں اپنی طرف سے یا آپ کی طرف سے جس کے لیے جس کی طرف

سے مناسب سمجھوں گا بھیج دوں گا اور آپ کو اس کی اطلاع کر دوں گا، بلٹی ابھی وصول نہیں ہوئی ہے وصول ہونے پر نصف میں لے لوں گا اور نصف مولوی نصیر کو دے دوں گا لیکن ان کے لیے نہایت عجلت اس کی ہے کہ ان سے معاملہ جلد طے ہو جائے اس لیے کہ جہالت ثمن کے ساتھ ان کو بیچنے کو میں نے منع کر دیا ہے۔

اللہ تمہیں بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے کہ تم نے اپنے جذبات کو اس ناکارہ کی خاطر دبا دیا۔ فقط ۲۹ رجب ۱۳۸۷ھ

مکتوب مولانا ثانی (۱۰)

سیدی و مولائی، زیدت معالیکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعد آداب کے گذارش ہے کہ کل جناب والا کا شفقت نامہ صادر ہوا تھا جس کا جواب فوراً ہی میں نے تحریر کیا تھا، اور ارسال کر چکا ہوں، احتیاطاً اس خیال سے کہ ڈاک کا نظم خراب ہے یہ دوسرا عریضہ ارسال خدمت ہے، میرے پہلے عریضے سے حضرت کو جو ناگواری ہوئی اور حضرت کے منشاء و مرضی کے خلاف جو میں اپنی رائے کا اظہار کیا، اس کا مجھ کو بہت رنج و قلق اور اپنے قصور و بے ادبی کا اعتراف اور اس پر انتہائی ندامت ہے، امید ہے کہ میری اس غلطی کو اپنی دیرینہ شفقت و عنایت کے تحت معاف فرمائیں گے، میں انشاء اللہ دو ہی تین دن کے اندر کتابوں کی فہرست ارسال خدمت کر دوں گا۔

کل سے میرا دل بہت متاثر ہے، حضرت کو میری حرکت سے جو تکدر و ملال پیدا ہوا ہو، اس کو درگذر فرما دیں، اور میرے قصور کو معاف فرما دیں۔

ایک دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضرت والا نے جو ہینڈ بل یا چھوٹے اشتہارات کو فرمایا ہے اس کی اشاعت کا خیال ہے، اس سلسلے میں یہ دریافت کرنا ہے کہ حضرت عالی کی وہ رائے عالی جو اپنے دونوں گرامی ناموں میں تحریر فرمایا ہے اور پسندیدگی کے جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں اگر اشتہار میں شامل فرمادئے جائیں تو کوئی حرج تو نہیں، اگر حضرت والا اس کو ناپسند نہ فرمائیں اور اجازت مرحمت فرمادیں تو اس کو طبع کرالیا جائے طباعت انشاء اللہ اجازت ملنے پر ہی ہوگی۔

کل مولانا منظور صاحب نعمانی کا مکتوب آیا ہے جس میں تحریر ہے کہ الحمد للہ ماموں جی پوری طرح صحت یاب ہیں، اور اشارہ کیا ہے کہ شاید ۱۵ نومبر تک واپسی ہو لیکن طے شدہ نہیں ہے۔

میں شاید دو تین دن کے لیے رائے بریلی جاؤں گا اس لیے کہ کتاب میں انہماک کی وجہ سے عرصہ سے نہیں جا سکا تھا، مولانا معین اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی الحمد للہ بخیریت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں۔ حضرت کے گرامی نامہ سے پہلے ہی اسی (۸۰) کتابیں ریلوے سے روانہ کر چکا ہوں، بقیہ جلد انشاء اللہ روانہ کروں گا۔ والسلام۔

۲۸ رجب ۸۷ھ

مکتوب گرامی حضرت شیخ (۸)

اسی وقت تمہارا لفافہ پہنچا، کل بھی تم کو ایک کارڈ لکھوا چکا ہوں، اب بھی فوری لکھوا رہا ہوں کہ کوئی بھی تکدر کی بات نہیں، پیش کش تو تمہاری عین سخاوت اور جود وسخا کا مظہر تھا، لیکن اس

ناکارہ سے اس کا تحمل دشوار ہے، اشتہارات میں اس ناکارہ کی پسندیدگی تو میں بڑے شوق سے طبع کراتا، مگر اس کے ایک باب نے جو خود اس ناکارہ کے متعلق ہے، یہ اشکال پیدا کر دیا کہ اب اس کی تعریف خودستائی ہے، اس ایک باب کے استثناء کے ساتھ آپ جتنی چاہیں پسندیدگی میری طرف سے شائع کر دیں، اسی وقت بنڈل وصول ہوئے، آپ کی طرف سے جن لوگوں کو لینا ہے ان کو تو آج ہی شروع کر دوں گا اور فروختگی مولوی نصیر الدین سے معاملہ طے ہونے کے بعد۔

نظام الدین کے نسخے آپ فوراً بھیجیں، پاکستان میں جن لوگوں کے آپ نے نام لکھے ہیں وہ انشاء اللہ کسی جانے والے کے ہاتھ بھیج دوں گا کہ ڈاک سے تو مشکل ہے، جانے والے ملتے رہتے ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کو میری طرف سے جانے میں زیادہ اہمیت ہوگی اس لیے میں اپنے نام سے بھیج دوں گا، پاکستان میں شفیق صاحب میرے ذہن میں نہیں آئے کون ہے، بہر حال ان حضرات کو جب بھیج دوں گا تو اطلاع کروں گا۔ فقط

۳۰ رجب ۸۷ء

مکتوب مولانا ثانی (۱۱)

سیدی و مولائی زیدت معالیکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد آداب کے عرض ہے کہ الحمد للہ خیریت ہے، آج والا نامہ صادر ہوا، ایک عریضہ بدھ کو اور دوسرا عریضہ جمعرات کو ارسال کر چکا

ہوں جن میں اپنے قصور اور غلطی کی معافی چاہی حضرت والا میری اس غلطی کو معاف فرمادیں میں اس وقت سے عجب حال میں ہو ں، یقیناً مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی کہ حضرت کی مرضی کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا، اور حضرت کی ناگواری کو محسوس نہ کرسکا، میں دو چار دن کے لیے گھر جانے والا تھا، مگر اس خیال سے ٹھہر گیا کہ حضرت میرے قصور کو معاف فرمادیں گے تو میں مطمئن ہو کر گھر جاؤں گا، امید ہے کہ وہ میرے دونوں عریضے مل چکے ہوں گے اور حضرت نے اپنی شفقت سے درگذر فرمادیا ہوگا۔

فہرست کتب ارسال کر رہا ہوں، اسی عریضہ کے ساتھ منسلک ہے، ۸۰ کتابیں ارسال کر چکا ہوں ۲۰ نسخے ذریعہ صوفی صاحب (۱) ارسال ہیں، دو مزید پارسل مکمل کر کے بھیجنے والا تھا کہ وقت ہوگیا، انشاء اللہ پرسوں کروں گا، وہ مولانا نصیر الدین کے نام ہوں گے کتب خانہ کے لئے، اس کے بعد مزید اطلاع پر ارسال کردوں گا، اس ایک پارسل میں کتابیں ملفوف ہیں جن پر مرسل الیہم کے اسمائے گرامی تحریر ہیں: (۱) حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب (۲) مولانا اکرام الحسن صاحب (۳) قاری محمد طیب صاحب، صوفی صاحب کے آنے کا علم بعد میں ہوا، ورنہ ان کے ہاتھ بھیج دیتا۔

مولانا نصیر الدین صاحب کو معاملہ کی بات لکھ رہا ہوں، اس درمیان میں ان کو کتابوں کی ضرورت پڑے تو اگر مناسب فرمائیں تو حسب ضرورت نسخے عنایت فرمادیں، انشاء اللہ ان کا پارسل پہنچنے پر

---

(۱) صوفی انعام اللہ لکھنوی مراد ہیں جو حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے مجاز تھے اور حضرت شیخ کی خدمت میں بھی آمد ورفت اور محبت وارادت رکھتے تھے رحمہ اللہ تعالی وغفرلہ۔ (م)

خدمت میں پیش ہو جائیں گے، یہ بھی اس وقت جب کہ حضرت منا
سب خیال فرمادیں حضرت کو ہر طرح سے اختیار ہے۔الحمدللہ ماموں
ں جی کا خط آیا ہے، الحمدللہ سب خیریت ہے۔ والسلام
(بلا تاریخ)

مکتوب گرامی حضرت شیخ (۹)

عزیز گرامی قدر و منزلت سلمہ بعد سلام مسنون۔
بعد ظہر صوفی انعام اللہ صاحب پہنچے، اور ان کے ساتھ ۲۰ نسخے بھی، بڑی مشکل یہ ہے کہ ہماری حکومت میں ڈاک کا نظام بہت بہتر ہے تمہارا کارڈ عین جمعہ کے وقت پہنچا تھا، باوجود تنگی وقت کے میں نے اسی وقت کھڑے کھڑے اس کا فوری جواب لکھوایا، دونوں میں مشترک مضمون یہ تھا کہ تمہاری کوئی گستاخی نہیں تھی نہ بے ادبی، بلکہ تمہارا اصرار خاندانی جود وسخا اور انتہائی محبت پر مبنی تھا، لیکن یہ ناکارہ ضعیف اور ناتواں اس بار کا تحمل نہیں کرسکتا تھا۔
تم نے آج کے دستی خط میں ایک فقرہ لکھا کہ بنڈل میں تین عدد جس میں مرسل الیہم کے نام بھی ہیں، ملفوف ہیں اس بنڈلوں میں تو کسی پر نام نہیں نکلا، مگر ایک اشکال پیش آگیا، وہ یہ کہ میں نے فرط شوق میں آپ کی سابقہ تحریر کی بنا پر جب میری کتابیں پہنچی ہیں تو سب سے پہلے ناظم صاحب پھر بھائی اکرام اور طلحہ کو تین نام یہاں کے تھے، آپ کی طرف سے ان حضرات کا نام لکھ کر اور مرسل مولوی محمد ثانی سلمہ لکھ کر اسی مجلس میں دے دئے تھے اور بہت دن ہوئے بندہ نے آپ کے جواب میں یہ بھی لکھ دیا تھا یہا ں والوں کے لیے تو آپ کی طرف سے ہونے میں زیادہ اہمیت

ہوگی،اور پاکستان والوں کے لیے میرے بھیجنے میں اور جن پاکستا
نیوں کا نام آپ نے لکھ دیا تھا ان کے پاس بھیجنے کے لیے بھی کسی
جانے والے کا منتظر ہوں جو اکثر ملتے رہتے ہیں، کوئی زیادہ
اشکال کی بات نہیں ہے، جب آپ کے نامزد نسخے پہنچ جائیں
گے تو میں اپنے دئے ہوئے نسخے واپس لے لوں گا، میں نے تو
فرطِ شوق میں پہلے ہی دن ۳۰ نسخے بانٹ دئے تھے میرے ذہن
میں اپنے نسخوں کے متعلق افراد کو دینے کے بجائے مدارس میں
وقف کرنا زیادہ مفید معلوم ہوگا، اس سلسلے میں میں نے شروع کر
دیا ہے کہ دیرپا بھی ہے اور نفع بھی عام ہے آپ کو بھی میرا مشورہ یہ
ہے کہ ندوہ اور دیگر مدارس جو آپ کے قرب وجوار میں ہیں یا
معروف مراکز جیسے دارالمصنفین وغیرہ اپنی طرف سے یا کسی کو تر
غیب دے کر کچھ نسخے ضرور وقف کر دیں، میرا معمول اپنی عربی
کتابوں کا بھی اول سے یہی رہا ہے۔

تمہاری مرسلہ فہرست کتب تبادلہ بھی پہنچ گئی، جو اسی وقت مولوی
نصیر کے حوالہ کر دی مگر ایک دو کتاب کے متعلق کہتے ہیں کہ ختم ہو
گئی، میں نے تقاضا تو کر دیا کہ جتنی بھی ہو فوراً نکلوالیں، تم نے لکھا
کہ ضرورت ہو تو کچھ نسخے نصیر کو قرض دے دیں یہ میں نے آپ
کے لکھنے سے پہلے دس دے دئے تھے، مگر یہاں کے لوگ میری
طرف زیادہ دیکھ رہے ہیں، اس لیے عزیز ابوالحسن (۱) نے تو
بہت جلد خرید لیا اور ایک مکی مہمان نے بھی خرید لیا، نصیر کی فرمائش
سو نسخوں کی ہے، اس کو تو آپ پوری فرما ہی دیں، آپ جس کو
میرے واقفوں میں مفت براہ راست بھیجیں تو اس کی اطلاع مجھے

(۱) حضرت شیخ کے خاص خادم

بھی دے دیں تو اچھا ہے کہ میں دوبارہ مکرر نہ بھیجوں۔ فقط والسلام

حضرت شیخ کے موخرالذکر مکتوب مورخہ ۲ شعبان ۱۳۸۷ھ پر سوانح حیات حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے متعلق مراسلت کا سلسلہ تمام ہو گیا ہے لیکن یہاں ایک مطبوعہ خط کا ذکر نا گزیر ہے جو اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، یہ خط حضرت شیخ نے مولانا ثانی کے نام ۶ شعبان ۱۳۸۷ھ کو تحریر فرمایا اور اسی وقت آپ بیتی (حضرت شیخ الحدیث) یا تنقید بر سوانح یوسفی کے نام سے شائع ہوا ہے، جو سوانح حضرت مولانا محمد یوسف میں حضرت شیخ کے حالات پر استدراک واضافہ ہے اور جس میں حضرت کے بچپن، تعلیم و تربیت کے پر کیف ودل چسپ مگر نہایت مفید سبق آموز حالات ہیں اور پھر یہی خط مضمون یا رسالہ حضرت شیخ کی سب سے طویل اردو تصنیف ''آپ بیتی یا یادایام'' کی تالیف کا وسیلہ بنا جو ڈیڑھ ہزار سے زائد صفحات اور سات حصوں پر مشتمل ہے، اور چند تاریخی وواقعاتی فروگذاشتوں کے باوجود خودنوشت سوانحات کے ذخیرہ میں نہایت قابل قدر، بابرکت قیمتی اضافہ مفید معلومات سے لبریز بلند پایہ ماخذ اور سلسلہ عالیہ امدادیہ کے بزرگوں کے احوال وتعلیمات کا بہت پر تاثیر وجامع مرقع ہے۔

آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث کے اس تعارف کے ساتھ یہ اضافہ غلط نہ ہوگا کہ یہ کتاب حسنہ مولانا ثانی ہے اور اس کی تالیف کا کریڈٹ بھی مولانا ہی کو ملتا ہے وہی اس کے اولین مخاطب تھے اور وہی اس گنجہائے گرانمایہ کی ترتیب واشاعت کا سبب اور ذریعہ ہوئے تھے، فرحمہ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ۔

نور الحسن راشد کاندھلوی (۱)

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ اور حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی نور اللہ مرقدہ کے باہمی علمی، دینی، روحانی روابط پر یہ مضمون اگرچہ ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، پھر بھی مزید تفصیل جاننے اور حقائق سے واقفیت کے لیے خطوط کے اس ذخیرہ کا مطالعہ مفید ہوگا جو حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری (نواسہ حضرت شیخ الحدیثؒ) کے پاس محفوظ ہے۔ (محمود)

❖ دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل ❖

دارالمؤلفین - اردو، فارسی، عربی اور انگریزی - کتب کا ایک بڑا اور نہایت کارآمد ٹیلیگرام چینل ہے۔ جس میں آپ کو سات ہزار سے زائد کتابوں کا عظیم ترین ذخیرہ، ہر موضوع پر الگ الگ فہرستیں، نیز مشہور مصنفین کی الگ الگ فہرستیں آپ کو ملیں گی۔ جیسے:

(1) عقائد وعلم کلام	(2) تفسیر	(3) علوم القرآن	(4) احادیث
(5) علوم الحدیث	(6) شروحات حدیث	(7) فقہ	(8) اصول فقہ
(9) احکام ومسائل	(10) بلاغت	(11) منطق وفلسفہ	(12) نحو وصرف
(13) ادب؛ عربی، فارسی، اردو	(14) سیرت رسول اکرم ﷺ	(15) سیرتِ صحابہ	(16) سیرتِ اکابر
(17) تازہ ترین رسائل وجرائد	(18) درس نظامی (مکمل)	(19) درود ودعائیں	(20) رد فرق باطلہ

☆ Join & Share ☆

https://telegram.me/darulmuallifeen

❖ فہرست کتب ٹیلگرام چینل ❖

دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل میں اپلوڈ کی گئی؛ ایک سے زائد جلدوں والی کتب کی فہرست، مشہور شخصیات کی کتب کی فہرست اور درس نظامی کی (درجہ تادورۂ حدیث وتکمیلات) کتب کی فہرست نیز فن اور موضوع کے اعتبار سے الگ الگ فہرست تیار کی گئی ہیں۔

☆ Join & Share ☆

http://telegram.me/darulmuallifeenfehrist

❖ رہنمائے خطباء ٹیلگرام چینل ❖

خطباءِ عظام کے لیے حالات حاضرہ کے مطابق خطبات وبیانات، مقالات مضامین اور ماہنامے سے مختلف عنوانات پر قیمتی مواد ڈاؤن لوڈ لنکس سمیت فہرست یا پی، ڈی، ایف کی شکل میں ارسال کی جاتی ہے۔

☆ Join & Share ☆

https://telegram.me/rahnuma_e_khutaba

دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل